مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

جو کوئی مومن مرد یا عورت عمل کرے صالح
پس البتہ زندگی دیں گے اس کو پاکیزہ

اللہ
اسمِ
محمد

حیاتِ طیبہ

حصّہ دوم

مشائخ عظام رح سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

ازافادات

امیر اکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ الاعلیٰ

تالیف

ابوالاحمدین

0333-5602157
اسلام پورہ جبر

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

حیاتِ طیّبہ

حصہ دوم

مشائخ عظام رحؒ سلسلہ عالیہ
نقشبندیہ اویسیہ

ازافادات

امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تالیف

ابوالاحمدین

تصوف وسلوک پر بہت مفید بلاگ
http://knooz-dil.blogspot.com

حیاتِ طیّبہ

ازافادات میرے کرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تالیف ابوالاحمدین

سرورق: محمد الیاس چودھری • کمپوزنگ: آصف الرحمٰن

تعداد: 1000 • قیمت: -/500 روپیہ

عبدالقدیر اعوان

ناظم نشر و اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کرایا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

http://knooz-e-ilm.blogspot.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي

وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي

انتساب

مشائخ عظام سلسلہ عالیہ

کے نام

چند نفوسِ قدسیہ

لیکن

صدیوں پر حاوی

http://knooz-Dil.blogspot.com

شجرہ سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ

الٰہی بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت ابوایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت ختم خواجگان خاتمہ امیر محمد اکرم مدظلہ العالی

وخاتمہ جماعت وخاتمہ من بخیر گرداں

گفتِ شیخ

صوفیاء اور تصوف کے بارے کچھ لکھنا بہت ہی مشکل ہے اور جتنا مشکل ہے اتنا تحقیق طلب لگتا ہے پھر عجیب بات یہ ہے کہ اکثر حضرات جنہوں نے لکھا نہیں خود عملاً تصوف کی کچھ نہ کچھ شُد بُد ضرور رکھتے ہیں

لہٰذا عجیب و غریب حکایات اور قصہ گوئی کو تاریخ تصوف یا اہل اللہ کے حالات کہہ دیا گیا

اور ایسے واقعات نقل کیے جنہیں خود اہل اللہ ہرگز کرامت نہیں سمجھتے بلکہ کارِ لاحاصل جیسے میں قدرت باری کا کام قرار

دیتے ہیں کہ
یہ اللہ کے نزدیک کرامت ہے کہ طلب رضائے
باری تعالیٰ خلوص اور انہماک صنعتِ خیر الانام
صلی اللہ علیہ وسلم محمدؐ توفیق ارزاں ہو جائے
پھر بہت بڑی کرامت ہے کہ یہ دولت
دوسرے تمرّوں میں تقسیم کرنے کی قوت
اور استعداد کیسا ہو جائے ایسے تمرّ ہیں
شیخ کامل نے کہیں
اور ایسے تمرّوں کا واسطہ کیسا ہو
تمرہ ظلمت سے نور کی طرف رواں
ہو جاتا ہے گناہ سے نیکی اور اطاعت

کی تمیز ہی اٹھ جاتی ہے جو اس راہ
میں استقامت کا باعث اور سبب بنتا ہے
رہے دنیا کے کاموں میں کسی کا محتاج ہو جانا
تو یاد رہے دعا بھی تقدیر ہے اور
اللہ کریم نے ازل سے طے فرما دیا ہے
کہ کس کی دعا سے کس کا بھلا ہوگا
اسمیں نہ ہمارا اختیار اور نہ سب
اختیار نہیں تو کمال کیسا
یہ ایسی لطیف بات ہے کہ کلید تو
دی گئی ہے مگر سمجھنے کیلئے توفیق
باری درکار ہے بظاہر یہ

اللہ
اسوۂ
محمد

عکس ابواب

مضامین

	صفحہ نمبر
پیش لفظ	17
نسبت اویسیہ (خطاب حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی)	23
ولایت عامہ	23
حضور ﷺ منبع کمالات کل ہیں	24
دین کے شعبوں کی تخصیص	25
ولایت خاصہ	25
قرآن بذریعہ توارث پہنچا	26
حدیث کا ذریعہ بھی توارث ہے	27
اسماء الرجال	28
احادیث کا سلسلہ روایت	30
سلاسل اولیاء کرام بمثل سلسلۂ روایت	30
نسبت اویسیہ	31
نسبت اویسیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتی ہے	34
منقبت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	35
نسبت اویسیہ میں زمانی فاصلے	37
باقی سلاسل کی انتہا، نسبت اویسیہ میں ابتداء ہے	42
منازل سلوک	43

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ 47
حسب ونسب 48
رفاقت قبل از بعثت 48
تصدیق وشہادت 49
لقب صدیق 51
ایثار وقربانی 52
اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی میں شرکت 53
غار ثور کی تین راتیں 58
ایک سعادت جو صرف رفیقہ حیات اور رفیق غار کے حصہ میں آئی 59
فہم قرآن 60
خلیفۃ رسول اللہ ﷺ 63
اولین مصحف قرآن 69
شجاعت 70
انتہائے فنائیت 72
حقیقی تصوف 74
منصبِ صدیق 77
وصال 82
رفاقت ابدی 84
مناجاتِ صدیق اکبر 88
امام التصوف حضرت ابوعلی حسن بصریؒ 95
امام تصوف 98
خواجہ حسن بصریؒ کا تصوف 101
کرامات 103
ظالم حکمران اللہ کا عذاب ہیں 107

امام حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ 109
تعلیمات 112
رویئت باری تعالیٰ 124
خشیت اور خوف الٰہی 125
وصال 126
حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائیؒ 127
حضرت امام حسن بصریؒ سے اکتساب فیض 129
تخلیہ پسندی 130
باطنی تخلیہ 132
بے عملی کا اکابر صوفیا سے کوئی تعلق نہیں 135
خواہش نفس کا استحصال 137
دنیا سے بے رغبتی 137
وصال 142
مجدد طریقت سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ 143
ترجیحات تربیت 147
ورزش اور جہاد 149
سلوک وعرفان 150
روحانی تربیت 152
مسند ارشاد 154
رحمت باری تعالیٰ سے مایوسی شیطانی فریب ہے 157
اظہار کرامت پر ناپسندیدگی 160
انتہائے عجز وانکساری 163
پیکر عقل ودانش 163
شیطان سے مکالمہ 164

تلبیس ابلیس	166
ترویج تصوف	167
فکر جنیدؒ اور تجدید طریقت	169
نظریہ وحدت الوجود	171
توحید خاص	172
امراض قلب	177
حجابات	177
مقدمۂ تصوف	180
ذکر پاس انفاس اور لطائف	182
ترک دنیا	183
تفسیر قرآن	185
تعلیمات	186
خطوط	195
وصال	205
حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ	207
ابتدائی تربیت	207
نسبت نقشبندیہ	210
حضرت جنید بغدادیؒ سے نسبت اویسیہ	214
باب خدمت	214
زراعت کا آغاز	216
سراپا ادب اور نفاست	217
تعلیمات	218
تفسیر قرآن	222
احیائے فکر جنید	226

دستور طریقت	228
تصوف اور ترک دنیا	235
سلاطین سے روابط	236
غزوۃ الہند کی تمہید	245
کار تجدید	246
تصوف میں عالمگیریت	248
وصال	250
حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ	251
روحانی تربیت کا آغاز	252
تحصیل علم	257
روحانی تربیت	260
ہم عصر اہل اللہ سے روابط	261
خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے نسبت	263
خط و کتابت	265
رقعہ اولیٰ	266
رقعہ ثانی	267
سفر حج	270
امراء و سلاطین کی عقیدت	276
تصانیف	278
ادب اور شاعری	282
ترویج طریقت	283
کشف و کرامات	285
بین الاقوامی سطح پر فروغ تصوف	287
تعلیمات	288

مسلک	292
معمولات شب وروز	293
عادات شریفہ	294
حس لطافت	295
وصال	297
حضرت ابوایوب محمد صالحؒ	301
حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ	309
برصغیر میں آمد کا زمانہ	313
مخدوم خاندان	315
تاریخی قبرستان	315
مراقبہ مُوتُو	318
اکتساب فیض بطریق اویسیہ	320
حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ	329
خاندانی پس منظر	329
حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی قلمی میراث	337
حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی روحانی تربیت	345
حضرت خواجہ غلام نبی فقیر اللہؒ	346
روحانی تربیت بطریق اویسیہ	349
حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے ابتدائی شاگرد	351
حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کی لنگر مخدوم آمد	354
فقہی مسلک	361
وصال	362

صفارہ پبلک لائبریری
0333-5602157
اسلام پورہ جبر

پیش لفظ

ایک معجزاتی نسبت

کلام الٰہی کے حروف والفاظ اوراس کے معانی و برکات تاابد محفوظ ہیں اور یہ آقائے نامدار ﷺ کا وہ معجزہ ہے جسے آپ ﷺ کی نبوت کی طرح ابدیت حاصل ہے۔ اسی طرح سینہ اطہر ﷺ سے برکات کی تقسیم بھی تاابد ہے۔ سینہ اطہر ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینے منور ہوئے' ان سے تابعین نے برکات حاصل کیں' تابعین سے تبع تابعین نے برکات حاصل کیں اوراسی طرح ایک قلب سے دوسرا قلب منور ہوا' ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا اور یہ تسلسل تاقیامت جاری رہے گا۔ یہ سعادت سلاسل تصوف کے حصہ میں آئی کہ وہ برکات نبوی ﷺ کی معجزاتی تقسیم کا مستقل واسطہ ہیں۔

یہاں نسبت اویسیہ کا ایک منفرد اعجاز نظر آتا ہے۔ جب ایک چراغ اور دوسرے چراغ کے درمیان صدیاں حائل ہوں' زمانی و مکانی فاصلے حائل ہوں لیکن روشنی اسی طرح منتقل ہورہی ہو' برکات کی ترسیل ان تمام فاصلوں کے باوجود متصل ہو اور درمیان میں کسی واسطے یا رابطے کی ضرورت نہ ہو' یہ وہ اعجاز ہے جس کا اظہار نسبت اویسیہ کے ذریعہ صدیوں کے تواتر سے جاری ہے۔ چودہ صدیوں میں نسبت اویسیہ کے صرف 9 مشائخ عظام ہیں لیکن منبع برکات ﷺ سے ترسیل برکات میں اتصال ہے۔ اس طرح نسبت اویسیہ زمانی و مکانی

فاصلوں سے بے نیاز برکات نبوی ﷺ کی متصل ترسیل کا معجزاتی واسطہ ہے جیسا کہ مجدد فی الطریقت حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نے فرمایا:

''میں نے اویسی طریقے سے شیخ کی روح سے فیض حاصل کیا۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ اویسی طریقے سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اس سلسلہ والے حضور ﷺ کی روح پرفتوح سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ بحمد للہ اس فقیر کو اب بھی حضور ﷺ کی روح مبارکہ سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں طریق اویسیہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کی مثال دی جن میں بُعدِ زمانی تھا لیکن اسی طرح اکتساب فیض کیا جس طرح حضرت اویس قدس اللہ سرہٗ نے آنحضرت ﷺ سے فیض حاصل کیا۔ تاریخ تصوف میں طریق اویسیہ سے اکتساب فیض کی بہت مثالیں ہیں لیکن یہ سب استثنائی صورت کا درجہ رکھتی ہیں یعنی کسی ایک شیخ نے دوسرے شیخ سے فیض حاصل کیا یا کسی خوش قسمت ہستی کو آقائے نامدار ﷺ سے بطریق اویسیہ براہ راست فیض حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ انفرادی واقعات ہیں جو باہم متصل ہیں نہ ایک نسبت کی صورت ان میں تواتر پایا جاتا ہے۔

بطریق اویسیہ اکتساب فیض کی انفرادی مثالوں سے قطع نظر نسبت اویسیہ آقائے نامدار ﷺ سے ایک شجرہ کے ذریعہ متصل ہے۔ اس نسبت کے مشائخ ایک زنجیر کی کڑیوں کی طرح باہم منسلک ہیں خواہ دو مشائخ کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو۔

تاریخ تصوف نے نسبت اویسیہ کے اس معجزاتی پہلو کا ہمیشہ اعتراف

کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ ''ھمعات'' میں نسبت اویسیہ کے اس منفرد تشخص کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے' کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے' اسی طرح حقیقی تصوف وسلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف وسلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے اور ایک مخلوق کے قلوب کو سیراب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے سلسلہ اویسہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا مگر حقیقت میں متصل ہوتا ہے اور سلسلہ اویسیہ کے متوسلین بڑی عظمت اور ہیبت کے مالک ہوتے ہیں۔''

اس دور میں بھی نسبت اویسیہ کا یہ اعجاز ہے کہ آج سینہ اطہر ﷺ سے براہ راست شیخ کے سینہ میں برکات آ رہی ہیں اور ان سے ایک جہان منور ہو رہا ہے۔ کتنے ہی ایسے خوش نصیب ہیں جو حجابات برزخ سے گزر کر دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اس دور میں جب آقائے نامدار ﷺ کو اس جہانِ آب وگل سے پردہ فرمائے چودہ صدیاں بیت چکی ہیں' کسی خوش نصیب کو خدمت اقدس ﷺ میں حاضری نصیب ہو جائے اور عالم بیداری میں دست اقدس ﷺ پر بیعت کی سعادت مل جائے! یہ نبی اول و آخر ﷺ کا وہ معجزہ ہے جس کا اظہار اس دور میں نسبت اویسیہ کے ذریعہ ہو رہا ہے۔

اس نسبت کے جد امجد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت کے بارے میں آقائے نامدار ﷺ کا یہ

فرمان حرف آخر اور قول فیصل کا مقام رکھتا ہے۔

''انبیاء علیہم السلام کے ماسوئ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل کسی پر نہ تو آفتاب طلوع ہوا نہ غروب۔''

برکات کے متعلق مستدرک حاکم میں آپ ﷺ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے جس کے مفہوم کو اہل تصوف خوب سمجھتے ہیں:

مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ

اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اللہ نے جو میرے سینہ میں ڈالا' وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

نسبت اویسیہ کے پہلے شیخ حضرت امام حسن بصریؒ ہیں جنہوں نے دین کے اہم ترین شعبہ احسان کی بطور ایک الگ شعبہ تشکیل فرمائی اور مسلمہ طور پر امام تصوف کہلائے۔ تیسری صدی ہجری میں جب تصوف کے خدوخال قرآن و حدیث کے منافی افکار و نظریات اور فلسفہ و منطق کے امتزاج سے مسخ ہونے لگے تو تجدید و احیائے تصوف کا بار عظیم نسبت اویسیہ کے تیسرے شیخ حضرت جنید بغدادیؒ نے اٹھایا اور قرآن و حدیث کی بنیاد پر تصوف کے اصول و مبادی کی اس طرح تعیین فرمادی کہ آج تک کوئی صوفی ان سے انحراف نہیں کر سکا۔ اس کے اعتراف میں تمام سلاسل تصوف حضرت جنید بغدادیؒ کو بلا استثناء سید الطائفہ تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے چھ صدیوں بعد جب تصوف بے عملی اور جمود کا شکار ہو چکا تھا' نسبت اویسیہ کے عظیم شیخ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے اسے پھر سے فعال کیا اور تصوف کی نظریاتی اور عملی تصویر پیش کرتے ہوئے اسے

عالمگیریت عطا کی۔ آپؒ نے کلیات تصوف پر مبنی انتہائی مختصر لیکن اس قدر جامعیت کے ساتھ تصوف کے خدوخال متعین کر دیئے جنہیں بجا طور پر دستور طریقت کہا جا سکتا ہے۔ تاریخ تصوف میں نسبت اویسیہ کے یہ شیخؒ صاحب عزیمت' جلال و کمال اور روحانی تصرف و دبدبہ کی علامت ہیں۔

مزید چار صدیاں گزرنے کے بعد اسی نسبت میں حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کا نام نامی ہے۔ تصوف کا رشتہ ایک مرتبہ پھر عملی زندگی سے منقطع ہو رہا تھا اور یہ دور عملی خرابیوں کا نہیں بلکہ عقائد کے فساد کا دور تھا جس کی انتہا یہ تھی کہ صرف تصوف کا ہی نہیں بلکہ برکات نبوی ﷺ کا بھی انکار کیا جا رہا تھا۔ اس عالم میں حضرت جیؒ نے تجدید و احیائے تصوف کا فریضہ تحریر و تقریر کے ذریعے اور عملاً تقسیم برکات کو عام کرتے ہوئے اس طرح سرانجام دیا کہ حیاۃ النبی ﷺ اور ترسیل برکات نبوی ﷺ کے انکار کی جو روش چل نکلی تھی' اس کا سدباب ہوا۔ تاریخ تصوف کے اس طائرانہ جائزہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نسبت اویسیہ ہی کے پہلے شیخ حضرت امام حسن بصریؒ کو امام تصوف تسلیم کیا گیا ہے تو اسی نسبت کے مشائخ حضرت جنید بغدادیؒ، خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور حضرت مولانا اللہ یار خانؒ نے شعبہ تصوف میں بگاڑ کے بعد تجدید و احیائے طریقت کا فریضہ سرانجام دیا۔

آج جبکہ دنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر چکی ہے' نسبت اویسیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ رنگ و نسل' ملکی اور جغرافیائی حد بندیوں سے بے نیاز شیخ سلسلہ کے علم تلے ایک عالمی حقیقت بن چکی ہے۔ روزانہ دو مرتبہ دنیا بھر سے متوسلین کا حضرت امیر المکرّم کے ساتھ انٹرنیٹ پر محفل ذکر میں شامل ہونا اس عالمگیریت کا بین ثبوت ہے۔

نسبت اویسیہ کے بعد چند حروف زیر نظر کاوش کے بارے میں۔ نسبت اویسیہ کے مشائخ عظام کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرنا راقم کے بس کی بات نہ تھی۔ اگرچہ ایک عشرہ قبل اس کاوش کا آغاز کیا تھا لیکن قدم قدم ہمت ٹوٹتی رہی یہاں تک کہ حضرت امیر المکرّم کی توجہ نصیب ہوئی تو یہ کاوش پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

صوفیائے کرام کے حالات بیان کرتے ہوئے بالعموم کشف و کرامات اور طلسماتی واقعات کو مبالغہ آرائی کی حد تک بیان کیا جاتا ہے جنہیں پڑھنے کے بعد قاری تصوف کو ناقابل عمل قرار دے کر اپنی بے بسی کا اعتراف کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس بعض سکالر اور محقق، جو خود صوفی نہیں ہوتے، صوفیاء کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنے خود ساختہ اوزان و پیمان پر تصوف کی چھان پھٹک شروع کر دیتے ہیں اور جب بات بنتی نظر نہیں آتی تو اسے شریعت سے خارج قرار دے دیتے ہیں۔

ایسے سوانح نگار خال خال ہیں جو صوفیائے کرام کے حالات اور تعلیمات کو دعوت عمل کے نقطہ نظر سے پیش کرتے ہیں اور یہی مقصد اس کوشش ناتمام میں بھی کارفرما ہے۔ ایک پہلو البتہ اضافی بھی نظر آئے گا جو نسبت اویسیہ کے حوالے سے مشائخ عظام سلسلہ عالیہ کے منفرد تشخص کے بارے میں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاملین نسبت کے ساتھ انجام فرمائے۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ آمین!

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

3 جولائی 2009ء

صفارہ پبلک لائبریری
0333-5602157
اسلام پورہ جبر

نسبت اویسیہ

خطاب

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

دار العرفان۔ مورخہ 21.06.2002

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ مَنْ زَانَتْ بِہِ الْعُصُرُ

ولایت عامہ

اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں اپنے بندوں کے لئے اولیاء اللہ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے اور اس کی وضاحت بھی فرمائی ہے کہ اللہ کے دوست کون ہیں یا اللہ کن کا دوست ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ جو لوگ ایمان لاتے ہیں، جو لوگ پختہ یقین اور دولت ایمان سے سرفراز ہوتے ہیں، اللہ ان کا دوست ہے اور اللہ کی دوستی کا ان کی زندگی پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان

کی زندگی کا سفر ظلمت سے' تاریکیوں سے' گناہ سے اور نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف جاری رہتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا' ان کا دوست طاغوت یا شیطان ہوتا ہے۔ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ شیطان کی دوستی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان سے نیکی چھوٹتی جاتی ہے اور وہ برائی میں مزید دھنستے چلے جاتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یہ اچھی طرح جان لو کہ جو اللہ کے اولیاء ہیں یا دوست ہیں' انہیں نہ آئندہ کا خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا دکھ۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں حزن دکھ کو کہتے ہیں جو کسی بات کے ہو جانے پر ہوتا ہے اور خوف کسی ہونے والی بات کا ہوتا ہے' آنے والے خدشے کا ہوتا ہے۔ فرمایا: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ انہیں نہ کوئی آئندہ کا خوف ہوگا نہ گزشتہ پر افسوس ہوگا کہ جو گزری وہ اللہ کی اطاعت میں گزری اور جو آئے گی وہ وصول حق کی نوید ہوگی۔

اصطلاحاً اولیاء اللہ کا لفظ صوفیوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جنہوں نے ذکر اذکار کے ذریعہ سینۂ اطہر رسول اللہ ﷺ سے کیفیات و برکات حاصل کیں۔ ایسے عظیم اور بزرگ صوفیوں کو ولی اللہ یا اہل اللہ کہا جانے لگا۔

حضور ﷺ منبع کمالات کُل ہیں

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان تمام صفات کے جامع تھے جو وصال نبوی ﷺ کے بعد مختلف افراد میں تقسیم ہوئیں۔ زمانہ اطہر میں فقیہ بھی حضور ﷺ تھے' مفتی بھی حضور ﷺ تھے' حکمران بھی حضور ﷺ تھے' سپاہی بھی حضور ﷺ تھے' گھر کے مالک اور بچوں کی پرورش کرنے والے بھی حضور ﷺ تھے' تاجر بھی

حضور ﷺ تھے' لوگوں سے معاملات کرنے والے بھی حضور ﷺ تھے' قرآن بتانا بھی حضور ﷺ ہی کا منصب جلیلہ تھا اور قرآن سمجھانا بھی آپ ﷺ ہی کا منصب جلیلہ تھا۔ سب کچھ جو اللہ کی طرف سے نوع انسانی کو نصیب ہونا تھا' وہ ایک ہی ذات میں جمع ہو گیا۔

دین کے شعبوں کی تخصیص

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اطہر میں اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی صحابی فقہ میں مشہور ہوا تو کوئی تفسیر میں' کوئی عبادت اور زہد و تقویٰ میں' کوئی شجاعت و دلیری میں اور کوئی فاتح اور جرنیل کہلایا۔ یعنی وہ تمام صفات جو آپ ﷺ کی ذات میں جمع تھیں' دوسروں میں ان کی کرنیں نظر آئیں۔ اگر کوئی بہت بہادر بھی ہو تو ایسا بہادر نہیں ہو سکتا جیسے محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ کوئی بہت بڑا فقیہ بھی ہو خواہ صحابہ کرام میں سے ہو' وہ اس طرح کا فقیہ نہیں ہو سکتا جس طرح حضور اکرم ﷺ تھے۔ کوئی بڑا عابد و زاہد بھی ہو تو کماحقہٗ ویسا نہیں ہو سکتا جیسے حضور اکرم ﷺ تھے۔ ہاں' ان اوصاف کی کرنیں' ان تجلیات' ان انوارات اور ان برکات کو اپنے آپ میں سمو کر اپنے ہم عصروں میں دوسروں سے ممتاز ہو گئے۔

ولایت خاصہ

ان میں ایک شعبہ ان لوگوں کا بھی تھا جنہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے علوم ظاہری کے ساتھ' قرآن کریم کی تفسیر و تعبیر کے ساتھ' حدیث مبارکہ اور سنت رسول ﷺ کے ساتھ' اتباع حق کے ساتھ کیفیات قلبی بھی حاصل کیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات کے

انوارات سے ان کے قلوب میں وہ تبدیلیاں ہوئیں کہ ان کا تزکیہ ہو گیا۔ وَيُزَكِّيهِمْ انہوں نے وہ کیفیات' جن سے قلوب کا تزکیہ ہو گیا' اس قدر حاصل کیں کہ دوسروں میں ممتاز ہو گئے اور ولی اللہ کہلائے۔

جس طرح فقہ کے عام مسائل تو دوسرے لوگ بھی جانتے تھے لیکن کسی نے اتنا کچھ سیکھا کہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا بن کر فقیہ کہلایا' محدث کہلایا' مفسر کہلایا' اسی طرح ہر وہ بندہ جسے نور ایمان نصیب ہے' وہ کسی نہ کسی درجہ میں اللہ کا ولی ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس آیت کریمہ میں لفظ اٰمَنُوْا میں کوئی قید نہیں ہے' جو بھی ایمان لایا اسے ولایت الٰہی حاصل ہو گئی۔ اب یہ اس پر ہے کہ وہ اپنے ایمان پر کتنا عمل کر کے اس ولایت کو مزید پختہ کرتا ہے اور اس طرح اس کا سفر نور کی طرف جاری رہتا ہے یا بدبختی میں آ کر ایسے لوگوں میں شامل ہو گیا جن کا ایمان بھی ضائع ہوا' مرتد بھی ہوئے اور دین سے پھر گئے۔ آج کے عہد میں یہ کوئی عجیب بات بھی نہیں ہے کہ مسلمان گھروں میں کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو دین کو چھوڑ چکے ہوتے ہیں۔

قرآن بذریعہ توارث پہنچا

قرآن حکیم ہم تک توارث کے ذریعے پہنچا' ایک سے دوسرے کو پہنچا' دوسرے سے تیسرے تک پہنچا۔ ہم نے تو نہیں سنا' ہم سے پہلوں نے نہیں سنا' ان سے پہلوں نے نہیں سنا لیکن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ واحد جماعت ہے جنہوں نے رسول پاک ﷺ سے قرآن سنا اور رسول اللہ ﷺ وہ واحد ہستی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا۔ نزول قرآن کا کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے جو کہے کہ میں بھی سن رہا تھا اور یہ آیت ایسے ہی نازل ہوئی تھی' ایسا کہنے والا کوئی نہیں ہے۔ حضور ﷺ سے صحابہ نے' صحابہ سے تابعین نے' تابعین سے تبع تابعین نے' علیٰ

ھذا القیاس توارث اور وراثت کے طور پر مسلمان اپنے پہلوں سے حاصل کرتے آئے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ہمارے پاس مِن وعَن وہی قرآن حکیم ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور اس کی ترتیب بھی وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ نے دلوائی۔ آیات کا نزول مختلف مواقع پر ہے' سورتوں کا نزول مختلف مواقع پر ہے۔ ترتیب میں بعض مدنی سورتیں پہلے آ جاتی ہیں اور بعض مکی سورتیں بعد میں ہیں۔ بعض مکی آیات مدنی سورتوں میں ملتی ہیں اور بعض مدنی آیات مکی سورتوں میں ملتی ہیں۔ آیات اپنے اپنے موقع محل پہ نازل ہوتی رہیں لیکن جب قرآن مکمل ہو گیا تو اس کی ترتیب خود محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی۔ ہمارے پاس وہ قرآن ہے جس کی سورتوں اور آیات تک کی ترتیب وہ ہے جو آقائے نامدار ﷺ نے دلوائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! ہمارے پاس ہر آیت کا شان نزول' اس کا موقع ومحل' اس کی تاریخ' یہ سارا کچھ محفوظ ہے۔

قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ کریم نے لے لیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ہم نے ہی یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے' ہم اس کے محافظ ہیں۔ قرآن پاک کی ایک زیر' زبر یا نقطہ گھٹایا یا بڑھایا نہیں جا سکا۔ جس کسی نے تحریف کرنے کی کوشش کی وہ قرآن حکیم کے ترجمے میں تحریف کرتا رہا لیکن کسی آیت' کسی لفظ کو چھیڑنے کی جرأت کسی کو نہیں ہوئی۔

حدیث کا ذریعہ بھی توارث ہے

اسی طرح توارث سے ہم تک احادیث پہنچیں۔ اب قرآن حکیم اور حدیث نبوی ﷺ میں ایک فرق ہے کہ حدیث پاک میں اس درجے کا تحفظ نہ تھا جو قرآن حکیم کو حاصل ہے۔ لہٰذا حدیث پاک میں آمیزش بھی کی گئی اور حدیثیں اپنے پاس سے گھڑ کر بھی بیان کی گئیں حالانکہ آپ ﷺ کا ارشاد عالی

ہے مَنْ كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ جس کسی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا' اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد عالی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جو میری ذات پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے' اس کا ٹھکانہ جہنم ہے لیکن اس کے باوجود منافقین اور بے دین لوگوں نے دنیا کمانے' فرقے بنانے اور لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے احادیث گھڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث کو بھی تحفظ دیا اس لئے کہ حدیث بھی قرآن ہی کے مفاہیم بیان کرتی ہے اور حفاظت الٰہی کے زمرے میں آتی ہے۔ اللہ نے اگر قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو صرف قرآن کے الفاظ کا ذمہ ہی کافی نہیں ہے' جب تک اس کے مطالب اور مفاہیم بھی محفوظ نہ ہوں۔ لہٰذا حدیث کے تحفظ کے لئے اللہ کریم نے مسلمانوں کو ایسے ایسے اولوالعزم اور عظیم شخص عطا فرمائے جنہوں نے ایک حدیث کی جانچ کے لئے سترہ فنون ایجاد کئے۔

اسماء الرجال

یاد رہے کہ حدیث کو پرکھنے کے لئے' حدیث نبوی ﷺ کی جانچ کے لئے سترہ فنون ہیں جن میں سے ایک فن اسماء الرجال کا ہے اور دنیا میں مسلمانوں کے سوا یہ فن کسی قوم کے پاس نہیں ملتا۔ اسماء الرجال میں حروف تہجی کی ترتیب سے ہر اس شخص کا نام ملتا ہے جس نے حدیث بیان کی۔ پھر صرف نام ہی نہیں ملتا بلکہ یہ تفاصیل بھی ہیں کہ ان کا خاندان کیسا تھا' کاروبار کیسا تھا' مزاج کیسا تھا' لوگوں میں ان کی شہرت کیسی تھی' عملاً وہ نیک تھے یا غیر صالح تھے' دیانت دار تھے یا نہیں' ہمیشہ سچ بولتے تھے یا کبھی جھوٹ بھی بول لیتے تھے۔ یہ ساری تفصیلات اسماء الرجال کی کتب میں موجود ہیں۔ اگر کسی راوئ حدیث پر ذرا سا بھی اعتراض وارد ہو جائے تو جب تک کوئی دوسرا مستند اور کھرا آدمی

اسی حدیث کو بیان نہ کرے' محدثین اس راوی سے حدیث نہیں لیتے۔

امام بخاریؒ نے مدینہ منورہ میں قیام فرما کر احادیث کا سب سے مستند ذخیرہ ''بخاری شریف'' جمع کیا اور ایک ایک حدیث کے لئے آپؒ نے بڑے سفر کئے۔ وہ پیدل چلنے کا زمانہ تھا' اونٹ گھوڑے کا زمانہ تھا لیکن جہاں پتہ چلتا کہ کسی ملک میں' کسی شہر میں' کسی ایک آدمی کے پاس ایک حدیث ہے تو آپؒ وہاں تشریف لے جاتے اور اس سے حدیث حاصل کرتے۔ ایک حدیث کے لئے مصر تشریف لے گئے۔ راوی کو تلاش کیا تو پتہ چلا کہ وہ اپنے باغ یا کھیتی میں ہے۔ آپؒ وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ شخص گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس طرح سے جھولی بنائی ہوئی ہے جس طرح اسے دانہ کھلانے جا رہا ہو۔ گھوڑا اس جھولی پہ آیا تو اس نے گھوڑے کو پکڑ لیا اور جھولی چھوڑ دی۔ امام بخاریؒ واپس چل دیئے۔ اس شخص نے پکارا کہ بھئی کون ہو' کہاں سے آئے ہو اور کیوں آئے ہو؟ بنا ملاقات واپس کیوں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں فلاں شخص ہوں' مدینہ منورہ سے آیا ہوں' اس لئے آیا ہوں کہ مجھے پتہ چلا تھا کہ تمہارے پاس نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے۔ اس نے کہا: ہے' آپ آئیں اور سنیں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا: نہیں' میں نے دیکھا ہے کہ تیرے دامن میں غلہ نہیں تھا' تو نے جانور سے جھوٹ بولا۔ ایسے جھوٹے آدمی سے میں نبی اکرم ﷺ کے کلمات سننے کو تیار نہیں ہوں۔

مدینہ سے مصر تک کا سفر اکارت گیا۔ فرمایا: یہی حدیث مجھے کسی کھرے اور سچے آدمی سے مل جائے گی لیکن تم سے حاصل نہیں کروں گا۔ اسی لئے ''بخاری شریف'' کو کہتے ہیں اَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰہِ الْبُخَارِی یعنی قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب ''بخاری شریف'' ہے اور ''صحیح بخاری'' اس کا

نام ہے۔ باقی پانچ بھی صحاح ستہ میں معروف ہیں کہ حدیث کی یہ چھ کتابیں صحیح ترین ہیں لیکن پھر بھی ان کا معیار جانچا پرکھا جاتا ہے' قرآن کی طرح آنکھیں بند کر کے ان پر یقین نہیں کیا جاتا۔

احادیث کا سلسلہ روایت

ان سب احادیث میں ایک مضبوط سلسلہ روایت کا ہے کہ کس نے یہ حدیث بیان کی' اس نے کس سے سنی' اس نے کس سے سنی اور اس نے کس سے سنی۔ یہ سلسلہ روایت بالآخر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جا کر مکمل ہوتا ہے کہ فلاں صحابی نے حضور ﷺ سے سنی' اس سے اس کے بیٹے یا اس کے شاگرد یا فلاں نے سنی اور اس طرح ہر حدیث کا سلسلہ روایت چلتا ہے تا آنکہ وہ حدیث سلسلہ روایت کے ساتھ کتب حدیث میں محفوظ کر دی گئی۔ پھر ہر کسی نے اس کتاب سے پڑھی۔ یہ سلسلہ روایت احادیث کے بارے میں تحقیق کا سب سے مضبوط ذریعہ ہے۔ سارے راویوں کے نام اسماء الرجال میں مل جاتے ہیں' ان کے حالات اور زمانے مل جاتے ہیں۔ ایک اصول یہ بھی ہے کہ حدیث بیان کرنے والا کب پیدا ہوا' کب فوت ہوا اور جس سے روایت کر رہا ہے' اس کے زمانے میں تھا بھی یا نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُس کا وصال پہلے ہو گیا ہو اور یہ شخص بعد میں آیا ہو لیکن روایت کر رہا ہو۔ اس طرح ایک ایک حدیث کی ساری جانچ پرکھ ملتی ہے۔ اللہ کریم نے حدیث کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے سینے کشادہ کر دیئے اور انہیں ایسے ایسے اہل علم عطا فرمائے جن کا سورج کی طرح روشن علم دنیا کو منور کر گیا اور ایک ایک حدیث کی ساری جانچ پرکھ ملتی ہے۔

سلاسل اولیاء کرام بمثل سلسلۂ روایت

اسی طرح سے اولیاء اللہ کے سلاسل بھی چلے۔ جس طرح روایت

حدیث ہے' اسی طرح جسے شجرہ یا اولیاء اللہ کا سلسلہ کہتے ہیں' یہ بھی چلے کہ کس نے کس سے برکات نبوی ﷺ حاصل کیں' کس کی صحبت میں گیا' اس نے کس کا زمانہ پایا' کہاں اس سے ملا اور اس سے وہ کیفیات قلبی حاصل کیں' اسے شجرہ یا سلسلہ کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے قریباً ایک درجن سلسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ صرف یہی سلسلے نہیں ہیں۔ بے شمار لوگوں سے سلسلے جاری ہوئے' کچھ ختم ہو گئے' کچھ ایسے بھی تھے جو غیر معروف رہے اور کتابوں میں نہ آ سکے لیکن ان تک جو معلومات پہنچیں' ان کے مطابق انہوں نے اس کتاب میں ترتیب دے دیئے۔

سلاسل کا طریق یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں حاضر ہو کر سینہ اطہر سے انوارات و کیفیات اپنے سینوں میں انڈیلیں۔ تابعین نے صحبت صحابہ میں رہ کر وہ کیفیات حاصل کیں' تبع تابعین نے تابعین سے حاصل کیں۔ اس طرح برکات صحبت نبوی ﷺ کی ترسیل کا سلسلہ چلا۔ آج جہاں بھی کوئی سلسلۂ تصوف ہے' آپ دیکھیں گے کہ ان کے پاس اپنا شجرہ یا اپنا سلسلہ ہو گا جو اس بات کا گواہ ہو گا کہ کس نے کس سے برکات حاصل کیں۔

نسبت اویسیہ

شاہ ولی اللہ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں ایک نسبت کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ یاد رہے! سلسلہ ہوتا ہے فرد سے فرد تک لیکن نسبت ان کیفیات اور تعلق کو کہتے ہیں جو قلب سے قلب کو ہو جائے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

اجمعین نے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر وہ نسبت حاصل کی لیکن عہد نبوی ﷺ میں قرن کے رہنے والے ایک شخص سیدنا اویسؓ تھے جنہیں اویس قرنیؓ کہتے ہیں۔ ان کے حالات میں یہ ملتا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے مدینہ منورہ کی حاضری بھی دی لیکن حضور ﷺ سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکے۔ حضور ﷺ کسی سفر مبارک پر تھے اور انہیں ضعیف والدہ کی دیکھ بھال کی وجہ سے جلدی تھی' واپس آئے اور پھر وصال نبوی ﷺ تک بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری نصیب نہ ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملے' عہد نبوی ﷺ کو پایا لیکن تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میں سے اگر کسی کی اویس قرنیؓ سے ملاقات ہو تو اس سے کہنا کہ میری امت کیلئے مغفرت کی دعا کرے۔

اس ارشاد کو لے کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان سے ملے اور انہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا۔ ان کا بدن' ان کا وجود' ان کا ظاہری جسم بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہو سکا لیکن ان کے دل نے قلب اطہر ﷺ سے وہ قرب حاصل کر لیا کہ جو برکات انہوں نے دور رہ کر حاصل کیں' غائبانہ حاصل کیں' ان کی روح نے قلب اطہر ﷺ سے جو اکتساب فیض کیا' انہوں نے کتنی برکات لیں اور ان کا مقام کیا تھا' اس پر نبی ﷺ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ بھی ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں رقمطراز ہیں' فرماتے ہیں کہ ایک نسبت اویسیہ ہے جس میں ملاقات شرط نہیں ہے۔ اویسیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حصول فیض کا وہ طریقہ ہے جو حضرت اویس قرنیؓ کا تھا کہ بدن بارگاہ نبوی ﷺ میں پہنچ نہ سکا' ظاہری ملاقات نہ ہوئی لیکن روح نے دور رہ کر بھی وہ برکات حاصل

کر لیں کہ سیدنا فاروق اعظم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کو نبی ﷺ کا پیغام لے کر ان کے پاس جانا پڑا۔ اگر کسی دل کو یہ قوت نصیب ہو جائے کہ روحانی طور پر اس کی روح پہلے بزرگوں سے یا بارگاہ نبوی ﷺ سے براہ راست برکات و فیوضات حاصل کر لے تو اس طریقے کو نسبت اویسیہ کہیں گے۔

ہمارے ہاں برصغیر میں چار سلسلے معروف ہیں۔ چشتی' قادری' نقشبندی اور سہروردی۔ اب یہ چاروں سلسلے بہت بعد کے ہیں لیکن یہ ایسے ہیں جیسے فقہ میں چار ائمہ نے اجتہاد کا حق ادا کر دیا کہ فقہی مذہب چار پر آ کر رک گئے۔ اسی طرح حصول برکات قلبی میں اور روحانی کیفیات میں ان چاروں سلاسل نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کے ناموں پر آ کر چار سلسلے بن گئے۔

نقشبندیوں میں پھر دو ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں ملاقات شرط ہے' شیخ کی صحبت میں رہ کر فیض حاصل کرنا شرط ہے اور دوسری نسبت اویسی ہے۔ اویسی میں یہ شرط نہیں ہے کہ ملاقات ہو بلکہ صدیوں بعد بھی اگر کسی سے کوئی فیض حاصل کرنے کی اہلیت و استعداد پاتا ہے تو وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ نسبت اویسی کی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح دریا یا پانی کسی صحرا میں گم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان نہیں ملتا' زیر زمین چلا جاتا ہے' یہ نسبت اسی طرح گم ہو جاتی ہے اور دو دو' تین تین' چار چار سو سال اس نسبت کا حامل کوئی شخص نظر نہیں آتا لیکن پھر کہیں سے یہ زمین کو پھاڑ کر نکل آتی ہے اور جب یہ نکلتی ہے تو جل تھل کر دیتی ہے۔ پھر ہر طرف اسی کا شور سنائی دیتا ہے اور ہر طرف یہی لوگ نظر آتے ہیں۔ پھر یہ انسانی قلوب پر چھا جاتی ہے۔ جو بھی سعید ہوں' جنہیں اللہ نے قبول کر لیا ہو' جن پر اللہ کا کرم ہو' وہ

سارے اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سمندر بن جاتا ہے اور ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ لہٰذا نسبت اویسیہ کا شجرہ بھی عجیب ہے۔

نسبت اویسیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتی ہے

فیوضات و برکات کی یہ واحد نسبت ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاری ہوتی ہے۔ یاد رکھیں! تمام سلاسل نبی کریم ﷺ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ان سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ان سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم تک پہنچتے ہیں اور ان سے آگے آ کر مختلف سلسلے بن جاتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں کتنے لوگ صاحب سلسلہ ہوئے اور سوائے نسبت اویسیہ کے باقی جتنی نسبتیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے چلتی ہیں۔ اس کی وجہ میں عرض کر چکا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کی برکات جس قدر سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں ان میں کوئی دوسرا ان کا ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں پوری امت میں پھر ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس درجے میں سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں پوری امت میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس درجے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں ان کے بعد ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ایسے مشائخ عظام بھی ہیں جن کے سینے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے سے منور ہوئے اور پھر انہوں نے آگے برکات منتقل کیں اور خود صاحب سلسلہ بن گئے لیکن نسبت اویسیہ ایک ایسی نسبت ہے کہ جو براہ راست نبی ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برکات حاصل کرتی ہے' اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے

فرمایا: میرے سینے سے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے میں جو کچھ انڈیلا گیا ہے وہ سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ اگر عہد نبوی ﷺ میں نصیب نہیں ہوا تو اس کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

منقبت سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علامہ باذل ایرانی ایک بہت بڑے شیعہ عالم ہوئے ہیں جنہوں نے تاریخ اسلامی فارسی میں منظوم کی ہے۔ اس کتاب کا نام ''حملۂ حیدری'' ہے جو نایاب ہے۔ الحمدللہ! ہماری لائبریری میں یہ کتاب موجود ہے لیکن بعد میں حملۂ حیدری کے نام کی کئی منظوم کتابیں چھپ کر مارکیٹ میں آ گئیں جن میں تحریف کر دی گئی۔ جو اصل کتاب ہے اس میں ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ہجرت کے لئے مجبور کر دیا گیا تو آپ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر کا اہتمام اور سانڈنیوں کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا جو بعد میں غار ثور میں پہنچائی گئیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر ستو اور راشن باندھ کر ہمراہ کر دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عازم سفر ہوئے اور غار ثور میں جا کر جلوہ گزیں ہوئے۔ یہ منظر کشی کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

چوں رفتند چندیں بدامان دشت
قدوم فلک سایہ مجروح گشت

آپ ﷺ نے کچھ دور تک صحرا میں' دشت میں سفر فرمایا تو آپ ﷺ کے قدوم مبارک زخمی ہو گئے۔

ابوبکر آنگہ بہ دوشش گرفت

ولے ایں حدیث است جائے شگفت

جب آپ ﷺ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا لیکن کہتے ہیں کہ یہ بڑی حیرت کی بات ہے! یہ عام بات نہیں ہے کہ کسی نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اٹھا لیا! یہ بڑی حیرت کی بات ہے!

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔

ولے ایں حدیث است جائے شگفت

لیکن یہ بات بڑی حیران کن ہے۔

کہ در کس چناں قوت آمد پدید

کہ بار نبوت تواند کشید

کہ کسی فرد میں اتنی طاقت آ گئی کہ اس نے نبوت کا بوجھ اٹھا لیا۔

تو ایک وقت ایسا بھی آیا جب ساری کائنات کا رابطہ حضور ﷺ سے کٹ گیا' زمین سے بھی قدوم مبارک اٹھ گئے۔ کسی چارپائی پر' کسی مکان پر' کسی سواری پر نہیں تھے بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ دوش ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھے اور ساری کائنات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں سے برکات نبوی حاصل کر رہی تھی۔ لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کڑی ہیں جسے معیت نبوی ﷺ کا اعلیٰ ترین معراج حاصل ہے۔ جس کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت ذاتی ہے اور اس میں صرف دو حضرات ہیں' محمد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور یہ درجہ دنیا میں کسی تیسرے کو نصیب ہی نہیں۔

نبیوں میں معیت ذاتی صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہے اور غیر نبیوں میں صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو معیت نصیب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب قوم نے کہا کہ پیچھے فرعون کا لشکر آ رہا ہے اور آگے سمندر ہے' ہم پہلے بھی رسوا تھے' آپ آئے تو آپ نے بھی ہمیں مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ ساتھ ہے۔ انہوں نے فرمایا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ○ میرا ''رب'' میرے ساتھ ہے' ہمیں راستہ بنا دے گا۔ یہ معیت صفاتی ہے کہ ''رب'' صفاتی نام ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے لئے' نیک لوگوں کے لئے وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ فرمایا گیا۔ یہاں نسبت ذاتی ہے۔ اللہ ساتھ ہے' کن کے؟ ''الْمُحْسِنِیْنَ'' آگے صفت آ گئی۔ معیت ذاتی ہے تو آگے بندے کی صفت ہے' صفت زائل ہو گئی تو معیت چلی جائے گی۔ نبی کو چونکہ ہمیشہ معیت حاصل رہتی ہے' اس لئے وہاں معیت صفاتی ہے۔ یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی شان ہے کہ آپ ﷺ کو معیت ذاتی حاصل ہے اور غیر نبیوں میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہے کہ انہیں اللہ کی معیت ذاتی حاصل ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ' اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا گیا۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ کوئی برکات نبوی ﷺ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالا بالا محمد رسول اللہ ﷺ سے حاصل کرے۔ نسبت اویسیہ سینۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلتی ہے جو لبریز مخزن ہے' برکات محمد رسول اللہ ﷺ سے بھرا ہوا خزانہ ہے۔

نسبت اویسیہ میں زمانی فاصلے

پھر نسبت اویسیہ میں صدیوں کا فاصلہ آ جاتا ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے 11 ہجری کو وصال پایا۔ دو سال بعد 13 ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو جاتا ہے۔ دو سال اور چند ماہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت رہی۔ حضرت حسن بصریؒ جو نسبت اویسیہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آتے ہیں اور دیگر تمام شجروں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد آتے ہیں' ان کا وصال 111 ہجری کے آخر میں ہوا۔ درمیان میں کم و بیش سو سال کا فاصلہ ہے۔ 13 ہجری اور 111 ہجری میں 98 سال کا فرق تو ویسے ہی پڑ گیا۔ وصال صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ کے وصال میں ایک صدی حائل ہے لیکن اس طویل مسافت کو طے کرتے ہوئے حضرت حسن بصریؒ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینۂ پرنور سے اکتساب فیض کیا جو برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔

حضرت حسن بصریؒ کے بعد حضرت داؤد طائیؒ آتے ہیں جنہوں نے پھر برکات اویسی طریقے سے حاصل کیں اور ان کا وصال 174 ہجری میں ہوا یعنی حضرت حسن بصریؒ کے وصال کے 63 سال بعد ہوا۔ اگرچہ حضرت امام حسن بصریؒ سے حضرت داؤد طائیؒ کی ایک ملاقات کا ذکر بھی تاریخ میں محفوظ ہے لیکن اکتساب فیض طریق اویسیہ سے ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ آتے ہیں جن کا وصال 297 ہجری میں ہوا اور یہاں 133 سال کا فاصلہ آ جاتا ہے لیکن روح کو اگر نسبت اویسیہ حاصل ہو جائے تو اکتساب فیض کے لئے صدیوں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ صدیاں اور زمانے وجود پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں لیکن روح ان سے بالاتر شے ہے۔

اس کے بعد حضرت عبیداللہ احرارؒ کا نام نامی آتا ہے اور آپؒ کا وصال 895 ہجری میں ہوا۔ ان کے اور حضرت جنید بغدادیؒ کے درمیان چھ صدیوں کا فاصلہ ہے۔ چھ سو سال کے بعد پھر ایک شخص روئے زمین پر نمودار ہوتا ہے جو

نسبت اویسیہ حاصل کرتا ہے اور دنیا کو برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور کر جاتا ہے۔

حضرت عبیداللہ احرارؒ تک پہنچتے پہنچتے چلہ کشی' ترک دنیا' پھٹے پرانے کپڑے پہننا' کم کھانا' کم سونا اور مجاہدوں کی روش چل گئی تھی جو آج بھی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ولی اللہ تو کوئی مجذوب ہوگا' جنگلوں میں رہتا ہوگا' اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہوں گے' وہ کھانا نہیں کھاتا ہوگا لیکن حضرت عبیداللہ احرارؒ رئیس آدمی تھے۔ ایک سو جوڑا ہل آپؒ کی زمین پر ایک وقت میں چلا کرتا تھا اور یہ سارے آپؒ کے ملازم تھے۔ صرف ہل چلانے والوں کا ایک سو خاندان آپؒ کے ساتھ پلتا تھا۔ باقی امور میں' جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے یا اجناس کی خرید و فروخت کرنے والے کتنے لوگ پلتے ہوں گے! آپؒ نے وہ پرانی روش ختم کر کے فرمایا کہ یہ طریقہ نہیں ہے کہ کپڑے بدل لو' لباس بدل لو' حلیہ بدل لو' نہیں! بلکہ عام آدمی کی طرح جس طرح زندگی بسر کرتے ہو' حدودِ شرعی کے اندر جو لباس عادتاً پہنتے ہو' وہی لباس پہنو اور جو غذا عادتاً کھاتے ہو وہی کھاؤ۔ مزا تو تب ہے کہ عام آدمی کی سطح پر رہ کر دل کو انوارات باری سے منور کر لو۔

چوں فقر اندر عبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبید اللّٰہی آمد

تو فقیری کو شاہوں کا لباس عبیداللہ احرارؒ نے پہنایا کہ فقیر بھی رہے اور بظاہر شہنشاہ بھی نظر آتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی تاریخ پیدائش 817 ہجری ہے۔ عمر میں وہ حضرت عبیداللہ احرارؒ سے گیارہ سال چھوٹے تھے۔ ان کا وصال اپنے شیخ کے وصال کے تین سال بعد 898ھ میں ہوا لیکن ایک ہی زمانہ پانے کے باوجود تاریخ میں خواجہ احرارؒ سے ان کی صرف چار ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے جن

میں ایک ملاقات وہ ہے جب خواجہ احرارؒ خود مولانا جامیؒ کے ہاں تشریف لائے۔ باہم خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا لیکن روحانی تربیت کی صورت نسبت اویسیہ ہی تھی۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی مشہور تصنیف تحفۃ الاحرار اپنے شیخ کی مدح و منقبت اور سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی نسبت کے متعلق ہے۔ نفحات الانس میں وہ حضرت عبیداللہ احرارؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امید ہے ان کے وجود کی برکت سے اس سلسلہ کا انتظام
یعنی اس لڑی میں امت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری
رہے گا۔''

اس کے بعد حضرت ابوایوب محمد صالحؒ ہیں جن کا تعلق یمن سے تھا اور بیشتر زمانہ دسویں صدی کا پایا۔ اواخر نویں صدی عیسوی میں' جب وہ اوائل عمر میں تھے' یمن سے خراسان (ہرات) کا سفر کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے اکتساب فیض کے بعد حج کے لئے چلے گئے۔ ان کے بعد حضرت اللہ دین مدنیؒ کا نام نامی آتا ہے جن کا مزار لنگر مخدوم میں ہے۔ انہوں نے برکات اپنے شیخ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ سے حاصل کیں اور ان کا زمانہ پایا۔ یہ دونوں ہم عصر ہیں اور انہیں مدینہ منورہ سے ہندوستان رخصت فرما کر حضرت ابوایوب محمد صالحؒ یمن تشریف لے گئے۔ یمن میں وصال ہوا اور یمن میں ہی آپؒ کا مزار پرانوار ہے۔

حضرت اللہ دین مدنیؒ برصغیر میں تشریف لائے' پنجاب میں جلوہ افروز ہوئے اور دین کا اتنا کام کیا کہ نام نامی ''اللہ دین'' مشہور ہو گیا۔ یہ نام یہاں کا دیا ہوا' پنجاب کا لگتا ہے' عرب کا نہیں لگتا۔ اصل نام پس منظر میں چلا گیا اور جو لقب یہاں عطا ہوا وہ ان کے نام نامی کے طور پر معروف ہو گیا۔ ان کے بعد

مولانا عبدالرحیمؒ آتے ہیں۔ ان کا وصال 30 جنوری 1957ء میں ہوا اور یہ تو کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ کہاں دسوی ھجری اور کہاں چودھویں ہجری! ان میں اور حضرت اللہ دینؒ میں بھی 4 صدیاں حائل ہیں۔

مولانا عبدالرحیمؒ سے شیخ المکرّم' قلزم فیوضات' بحرالعلوم حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نے برکات نبوت حاصل کیں۔ حضرت اللہ یار خانؒ نے حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کی صحبت پائی لیکن مولانا عبدالرحیمؒ تو حضرت اللہ دین مدنیؒ سے چار سو سال بعد آئے۔ انہوں نے حضرت اللہ دین مدنیؒ سے فیض کیسے حاصل کیا؟ تو یہاں ایک بات ہے جو وضاحت طلب ہے۔

برزخ سے یا عالم امر سے یا جو اہل اللہ دنیا سے کوچ کر چکے ہیں' ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے سالک کو برزخ میں رسائی چاہئے۔ کوئی زندہ شیخ ایسا ہو جو اس کی اتنی تربیت کرے کہ اس کی روح برزخ میں کسی اہل اللہ کی روح سے ہمکلام ہو سکے' ہم سخن ہو سکے' برکات حاصل کر سکے' تعلیمات حاصل کر سکے' جس کے لئے کسی زندہ شیخ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ حضرت عبدالرحیمؒ کے والد صوفی تھے جنہوں نے انہیں مراقبات ثلاثہ کرائے۔ احدیت' معیت' اقربیت تک مراقبات انہوں نے اپنے والد گرامی سے کئے۔ اگر کسی کے مراقبات ثلاثہ مضبوط ہو جائیں تو جس طرح یہ لوگ حلال کھاتے' سچ بولتے' ماحول سنجیدہ' سچا اور کھرا تھا' تو مراقبات ثلاثہ والا برزخ میں کلام کر سکتا ہے' اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔ ہمارے سامنے کتنے لوگوں کو حضرتؒ نے مراقبات ثلاثہ کے بعد برزخ میں کلام کروایا۔ اس کے ہم عینی گواہ ہیں۔ یہ جتنے لوگوں کے درمیان چار چار سو سال' دو دو سو سال کا فاصلہ آیا' یقیناً انہیں کسی نہ کسی نے کم از کم مراقبات ثلاثہ تو کروائے ہوں گے' ان کا برزخ میں

رابطہ تو کرایا ہوگا۔

باقی سلاسل کی انتہا' نسبت اویسیہ میں ابتداء ہے

یاد رہے کہ نسبت اویسیہ والوں کا قاعدہ یہ ہے کہ باقی سارے سلسلوں میں فنا فی اللہ اور بقا باللہ کو آخری منازل قرار دیا گیا ہے۔ فنا' بقا سلاسل کی انتہا ہے جبکہ نسبت اویسیہ میں فنا و بقا ابتدا ہے۔ فرمایا گیا:

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی

جہاں تمام سلسلوں کی انتہا آ جاتی ہے وہاں سے ہماری ابتدا ہوتی ہے۔

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی
آخرِ ما جیب تمنا تہی

ہر مبتدی کی جو انتہا ہے وہ ہماری ابتداء ہے اور ہماری انتہا یہ ہے کہ مانگنے کو کچھ نہیں رہتا۔

اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ بندہ مانگ سکتا ہی نہیں' مانگنے کی کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ لہٰذا جہاں پہ مراقبات ثلاثہ یا ربط بالارواح یا برزخ سے رابطہ کا تعلق ہے' تو جس کسی نے اتنا کام کیا' اسے نسبت اویسیہ والوں نے اپنے شجرے میں شامل نہیں کیا۔ شجرہ مبارک میں صرف وہ نام نامی آئے جنہوں نے فنا و بقا سے آگے چلایا اور انہیں عالم امر تک لے گئے۔

جہاں صدیوں کا فاصلہ ہے' یقیناً وہاں کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہوگا جو اس شیخ کو ملا اور جس نے اس کا رابطہ برزخ میں کروا دیا لیکن نسبت اویسیہ کے حاملین نے کم از کم جو معیار رکھا وہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ تھا اور اس سے آگے سلوک کو شمار کرنا شروع کیا۔ یہ تو الف' ب' ج' د ہے۔ جیسے قاعدے میں حروف ابجد ہوتے ہیں' نسبت اویسیہ میں یہ ابجد ہے۔

اوّلِ ما آخرِ ہر منتہی
آخرِ ما جیب تمنا تہی

جس طرح حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کو ان کے والد گرامی نے مراقبات ثلاثہ کروائے' اسی طرح پہلے بزرگوں کا رابطہ بھی ضرور کسی نہ کسی نے کروایا ہوگا مگر اس نام کو شجرہ مبارک میں جگہ نہیں دی گئی اور اس کی تلاش کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ اگر ضروری ہوتا تو شجرہ مبارک میں ضرور شامل ہوتا' اسی لئے شامل نہیں فرمایا گیا۔ یہاں ان ہستیوں کا ذکر ہے جنہوں نے فنا' بقا سے آگے چلایا' جنہوں نے سالک المجذوبی کروائی' جنہوں نے نوعرش طے کروائے:۔

آنکہ آمد نہ فلک معراج او
انبیاء و اولیا محتاج او

منازلِ سلوک

جسے عرش عظیم کہتے ہیں اس کے نو حصے ہیں اور اس کے اندر نو حصے نو عرش کہلاتے ہیں جس طرح اس شعر میں کہا گیا کہ:

آنکہ آمد نہ فلک معراج او
انبیاء و اولیا محتاج او

وہ ہستی جو معراج میں نو عرشوں سے اوپر تشریف لے گئی' نبی اور ولی جس کے محتاج ہیں' ﷺ! یہ فاصلے روح کے لئے ہیں' روحانی برکات کے لئے ہیں اور برکات نبوی ﷺ کے طفیل روح یہ فاصلے طے کرتی ہے۔ یہ میٹروں اور گزوں سے نہیں ناپے جاتے۔

پہلے عرش میں ایک لاکھ سولہ ہزار منازل ہیں' حضرت جیؒ نے شمار کرائی تھیں۔ پہلے عرش کے اندر اس کی چوڑائی میں ایک لاکھ سولہ ہزار منازل ہیں اور

ان کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جیسے آپ یہاں سے نگاہ اٹھائیں تو آپ کو ٹمٹاتا ہوا باریک سا ستارہ کہیں نظر آئے۔ بدن کی نگاہ اور روح کی نگاہ میں بڑا فرق ہے۔ اگر روح سالک المجذوبی پر کھڑے ہو کر دیکھے تو اسے دور ایک چھوٹے سے دیے جتنی روشنی نظر آتی ہے اور اللہ کسی کو وہاں لے جائے تو ایک بہت بڑی منزل ہے۔ ان منازل میں آپس میں اتنا اتنا فاصلہ ہے اور یہ ایک لاکھ سولہ ہزار منازل ہیں۔ اس کے بعد گنی نہیں گئیں' نہ حضرت جیؒ نے شمار کرائیں' نہ بعد میں کسی نے یہ جرأت کی۔ جب اس کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے تو اس کے اور دوسرے عرش کے درمیان جو خلا ہے وہ پہلے عرش کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ تیسرے عرش کی چوڑائی اس خلا سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد جو خلا ہے وہ اس کی چوڑائی سے زیادہ ہے۔ اس طرح نو عرش بنتے ہیں۔ جب نواں عرش ختم ہو جاتا ہے تو وہاں عالم خلق کی انتہا آ جاتی ہے اور آگے عالم امر شروع ہو جاتا ہے۔ وہاں روح انسانی اس لئے جا سکتی ہے کہ اس کی اصل امر ربی سے ہے' قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یہ عالم امر میں تشریف لے جا سکتی ہے' حاضر ہو سکتی ہے۔

برصغیر کی سرزمین کو اگر دل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو آسمان پر اتنے ستارے نہیں ہیں جتنے اس زمین میں اہل اللہ دفن ہیں اور ان کی ہر قبر سے نور پھوٹ رہا ہے لیکن اگر عالم امر میں پہنچنے والے اہل اللہ گنے جائیں تو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ گذشتہ سوا چودہ سو سال میں ان کی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ ہیں چونکہ برصغیر میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مدفن بھی ہیں۔ برصغیر میں پہلی قوموں میں جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے تھے' ان کے مدفن بھی ہیں لیکن وہ غیر معروف ہیں۔ بعض انبیاء علیہم السلام بھی اس سرزمین پر دفن ہیں جو بعثتِ آقائے نامدار ﷺ

سے پہلے بسنے والی قوموں کی طرف وقتاً فوقتاً آئے۔

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' جنہوں نے اس سرزمین پر اسلام کو روشناس کرایا اور اس زمین میں جن کا وصال ہوا اور وہ اس میں دفن ہوئے' ان کو چھوڑ دیں۔ ان کے بعد جب ولی اللہ کی بات آتی ہے تو یہ سرزمین قلب کی نظر سے اس طرح نظر آتی ہے جس طرح تاریک رات میں تاروں بھرا آسمان صاف نظر آتا ہے۔ اس میں اتنے ولی اللہ ہیں لیکن عالم امر میں پہنچنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ نسبت اویسیہ والے ولایت کو اس طرح شمار کرتے ہیں کہ جو عالم امر میں پہنچا وہ اپنے گھر پہنچا' ترقی اس سے آگے کرے گا۔

نسبت اویسیہ والے مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ' اگر یہ سارا سفر کر کے عالم امر میں پہنچ گیا تو ابھی گھر پہنچا ہے۔ بارگاہ الوہیت کی حاضری یا وصول حق تو اب اس سے آگے شروع ہو گا کہ یہاں سے وہ بارگاہ الوہیت کی طرف' بارگاہ الٰہی کی طرف' وصول حق کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔

نسبت اویسیہ کے شجرہ میں جتنے نام نامی آپ نے سنے' دو حضرات مشائخ عظام میں بھی ہیں جو سالک تک ہیں لیکن ان کے نام شجرہ مبارک میں اس لئے شامل ہیں کہ جن لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا وہ عالم امر میں ان بلندیوں تک چلے گئے جہاں تک کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان کے ساتھ ان کے نام نامی بھی شجرے میں آ گئے۔

میں یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ مشائخ میں سے میں آپ کو دو نام بھی بتاؤں۔ ہمارے سارے مشائخ ہیں' ہمارے سارے باپ ہیں اور باپ اگر کاشتکار ہو' بیٹا بادشاہ بن جائے تو باپ' باپ ہی رہتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اب

بادشاہ کو باپ کی عزت مل گئی' نہیں! باپ کی عزت باپ ہی کے پاس رہتی ہے خواہ وہ غریب کا شتکار ہو اور بیٹا بادشاہ بن جائے۔ بعد میں آنے والے خواہ جتنے بھی منازل حاصل کرلیں' وہ انہیں کے طفیل ہیں۔ ساری برکات انہیں کے سینے سے' انہیں کے قلب سے ہو کر آتی ہیں لہٰذا یہ جرأت نہیں کی جا سکتی۔ ہاں! دو حضرات کے علاوہ باقی تمام عالم امر کے باسی ہیں' اور ان دو کی اولاد بھی عالم امر تک پہنچی ہے۔ یہ ہے شجرۂ نسبت اویسیہ!

اس شجرہ پر کسی نے سوال کیا تھا کہ درمیان میں جو فاصلے ہیں ان میں رابطہ کس نے کروایا۔ میں نے اس کا جواب عرض کر دیا کہ جس کسی نے رابطہ بالروح کروا دیا لیکن منازل بالا نہیں کروا سکا' اس کا احسان تو مانا گیا لیکن اتنا نہیں کہ اس کے نام کو شجرہ میں شامل کیا جاتا۔ لہٰذا شجرہ ان ہی ناموں کا ملتا ہے جو کسی روح کو لے کر عالم بالا تک گئے۔

مشائخ عظام سلسلہ عالیہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ جن مشائخ نے ایک ہی زمانہ پایا' ان کی باہمی صحبت کا عرصہ بہت مختصر تھا' صرف چند ملاقاتیں اور اس کے بعد طریق نسبت اویسیہ سے ہی آگے تربیت و ترقی نصیب ہوئی۔

یہ اس دور کی خصوصیت ہے کہ حضرت جیؒ کے ساتھ مسلسل ربع صدی کی صحبت نصیب ہوئی۔ شاید اس عہد تاریک تر میں پھر سے برکات نبوت ﷺ کا نور بانٹنے کے لئے کڑے مجاہدوں' جو ربع صدی پر محیط ہیں اور مسلسل صحبت شیخ کی ضرورت تھی کہ کارگاہ ربوبیت میں جہاں اور جب جس شے کی ضرورت ہوتی ہے' مہیا فرمائی جاتی ہے اور آج اسی توجہ شیخ کا اثر ہم چار دانگ عالم میں دیکھ رہے ہیں۔

مکتبہ پبلک لائبریری
0333-5602157
اسلام پورہ جبر

جدامجد نسبت اویسیہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔

(النساء آیت 69)

قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام سے متصل صدیقین کا ذکر ہوا اور اس کے بعد شہداء کا' یہ تینوں ہی شہادت کے مدارج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی' اس کی صفات اور اس کے پیغام پر کامل و اکمل شہادت انبیاء علیہم السلام نے دی۔ اس کی تصدیق غیر انبیاء میں سے کامل و اکمل درجہ میں صدیقین کے حصہ میں آئی اور ان کے بعد شہداء اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے منصب شہادت پر فائز ہوئے۔ اس طرح غیر انبیاء میں بلند ترین درجۂ شہادت صدیقین کے حصہ میں آیا ہے جو شہداء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ صدیقین میں سے اکمل ترین درجہ صداقت صرف ایک ہستی کو اس پائے کا حاصل ہوا کہ کوئی اور اس درجہ تک نہ پہنچ سکا' وہ تھے خلیفۃ رسول اللہ ﷺ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حسب ونسب

قبیلہ قریش کی شاخ تمیم کے ابوقحافہ کے ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش 571/572ء یعنی سال عام الفیل کے اڑھائی برس بعد ہوئی' گویا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے عمر میں اڑھائی برس چھوٹے تھے۔ قریش کی شاخ تمیم' خاص اہمیت اور مرتبہ کی حامل تھی کہ خون بہا اور تاوان کی رقم مقرر کرنا اس کے سپرد تھا۔ گھر والوں نے عبداللہ نام تجویز کیا لیکن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کنیت ابوبکر سے مشہور ہوئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ابن ابی قحافہ کا نام بھی مستعمل ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ نے یہ نام بھی استعمال فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''عتیق'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جس کی تشریح آقائے نامدار ﷺ نے یہ فرمائی کہ وہ جہنم سے آزاد ہیں' هَذَا عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شجرہ نسب پانچویں پشت میں حضور ﷺ سے جا ملتا ہے۔

رفاقت قبل از بعثت

اعلانِ بعثت سے قبل بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحمت عالم ﷺ سے مثالی رفاقت تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کے اخلاق وفضائل سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص مماثلت رکھتے تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بعثت کے موقع پر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے کہ آپ ﷺ اقربا پر شفقت فرماتے ہیں' سچ بولتے ہیں' بیواؤں' یتیموں اور بے کسوں کی دستگیری

کرتے ہیں' مہمان نوازی فرماتے ہیں' وہی الفاظ عرب کے ایک سردار ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں قریش مکہ کے سامنے ادا کئے۔ اس نے کہا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقرا و مساکین کے دستگیر ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں' مہمان نواز ہیں' حق کی راہ میں جو لوگ مصائب جھیلتے ہیں ان کے مددگار ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادات حضور ﷺ کے مزاج کا پرتو نظر آتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچپن سے ہی اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ سے متصف تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہی انہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی۔ اخلاق وفضائل کی مماثلت نے آپس میں تعلقات اس قدر بڑھا دیئے تھے کہ حضور ﷺ صبح شام دونوں وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر تشریف لاتے اور یہ دستور مکی زندگی میں اعلان بعثت کے بعد بھی عرصے تک جاری رہا۔

تصدیق وشہادت

نزول وحی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں تھے۔ واپس آئے تو حاضر خدمت ہوئے۔ آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اعلانِ بعثت فرمایا تو اقرار شہادت میں انہوں نے لمحہ بھر توقف نہ کیا۔ وہ تو پہلے سے ہی اعلانِ نبوت کے منتظر تھے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میں نے جس کسی پر اسلام پیش کیا وہ متردّد ہوا لیکن ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بلا جھجک اور بلا تامل میری تصدیق کی اور فوراً ایمان لے لائے۔ علامہ بیہقیؒ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے ہی آثار بعثت اور دلائل نبوت کی تصدیق کر چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رویائے صادقہ کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بعثت کی خبر دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح میں دو ایسی رویائے صادقہ کی خبر ملتی ہے۔ پہلے خواب کی تعبیر میں بحیرا راہب نے انہیں خبر دی تھی کہ تمہاری قوم میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث ہوں گے۔ دوسرے خواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ایک چاند مکہ معظمہ پر طلوع ہو کر مختلف حصوں میں بٹ گیا اور ان میں سے ایک ٹکڑا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں داخل ہوا۔ پھر تمام اجزا مل گئے اور پورا چاند آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں آ گیا۔ اہل کتاب میں ایک تعبیر کرنے والے نے بتایا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کی پیروی کریں گے جس کی آمد کا انتظار ہے اور اس کے تمام پیروکاروں میں سب سے فضیلت والے ہوں گے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صاحب مشاہدہ کہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آقائے نامدار ﷺ کی روشن پیشانی پر نور نبوت کی ضیا فشانی کا مشاہدہ کر رہے تھے اور اعلان نبوت کے منتظر تھے۔

حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے منتظر تھے اور حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ جونہی حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا' صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان کا اظہار کر دیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق و شہادت میں ایمان و تیقن کی وہ کیفیت نظر آتی ہے جس میں اول تا آخر کسی لمحہ' کسی دلیل یا وضاحت کی ضرورت پیش نہ آئی۔

لقب صدیق

حضور ﷺ کا عالم بیداری میں معراج جسمانی ایک ایسا محیر العقول واقعہ ہے جس کی دنیا کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ معراج شریف سے واپسی پر سرورِ کائنات ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ دنیا میں سب سے پہلے اس کی تصدیق کون کرے گا۔ جواب ملا: ''ابوبکر صدیق'' گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا لقب ''صدیق'' سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے استعمال کیا۔

ابوجہل نے واقعہ معراج سنا تو طنزاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ آج آپ کے دوست نے عجیب بات کہی ہے کہ راتوں رات مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا سفر کیا ہے اور آسمانوں کی سیر کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضور ﷺ نے کہا ہے تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے یہ جواب سنا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لقب ''صدیق'' سے سرفراز فرمایا۔

سکینۃ الاولیاء میں محمد دارا شکوہ نے معراج کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول مزید کا ذکر کیا ہے:

''اگر سرور عالم ﷺ یہ فرماتے کہ مجھے تمام اہل خانہ سمیت معراج حاصل ہوا ہے تو یقیناً میں قبول کرتا۔''

ایثار وقربانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان لانے کے بعد اپنا تن، من، دھن سبھی کچھ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد 39 ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ عرض کرتے ہوئے بیت اللہ میں دعوت عام کی اجازت مانگی کہ انہیں یہ دیکھ کر قلق ہوتا ہے کہ کفار تو اعلانیہ بت پرستی کریں لیکن دین حق محجوب ومستور رہے۔ حرم کعبہ میں اسلام کے حق میں یہ سب سے پہلی تقریر تھی جس کا سخت ردعمل ہوا۔ ہجوم کفار نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ بیہوش ہوگئے اور خاندان والوں نے زخمی حالت میں گھر پہنچایا۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو نبی رحمت ﷺ کی دعا کے صدقے میں اسی وقت ایمان کی دولت نصیب ہوئی جبکہ والد ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خصوصی اعزاز ہے کہ ان کی چار پشتیں صحابی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے کے موقع پر چالیس ہزار درہم سرمایہ کے تاجر تھے اور مکہ کے اہل ثروت لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابن ماجہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان نقل ہے کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال سے ان کنیزوں اور غلاموں کو خرید کر بکثرت آزاد کیا جو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں کفار کے ظلم کا شکار تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت سات صحابۂ کبار بھی ان میں شامل ہیں۔ سفر ہجرت کے اخراجات کے لئے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرمایہ کام آیا۔ مدینہ منورہ پہنچے تو پانچ ہزار

درہم بچ گئے تھے۔ مسجد نبوی کی زمین دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو انہوں نے ہدیۃً پیش کر دی لیکن حضور ﷺ نے اس کی قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دلوائی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر گھر کا تمام اثاثہ پیش کر دیا اور جب آقائے نامدار ﷺ نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا ہے تو عرض کیا:

ان کے لئے اللہ اور رسول ﷺ ہی کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مالی ایثار کا تذکرہ خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی فرمایا گیا۔ محسن انسانیت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''رفاقت اور مال میں مجھ پر سب سے بڑا احسان ابوبکر کا ہے۔'' (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی میں شرکت

سفر ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غار ثور میں حضور ﷺ کی رفاقت کا جو منفرد اعزاز حاصل ہے وہ صرف ان ہی کا حصہ ہے۔ آقائے نامدار ﷺ سے ان کی روز اول سے رفاقت کے پیش نظر عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سفر ہجرت میں ان کو آپ ﷺ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تو یہ بھی معمول کی رفاقت کے مطابق تھا۔ تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضور ﷺ کے قتل کا ناپاک منصوبہ بنایا تو جبرائیل

امین حاضر خدمت ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ کفار کی سازش سے آگاہ کرتے ہوئے یہ فرمان الٰہی بھی گوش گزار کیا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر ہجرت میں ہمراہ لے جائیں۔ گویا سفر ہجرت کی یہ رفاقت احکم الحاکمین کے حکم کے تحت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حضور ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی کے شرف سے سرفراز فرمایا جائے۔

حضرت جیؒ اور حضرت امیر المکرّم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اس پہلو کے حوالے سے بارہا ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ منقبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت امیر المکرّم کا خطاب گزشتہ باب میں گزر چکا جس میں آپ نے علامہ باذل کے اشعار کا حوالہ دیا۔ حضرت جیؒ بھی اپنے خطابات میں اکثر یہی اشعار پڑھا کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی معیت تو ہر ایک کو حاصل ہے لیکن جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کی معیتِ ذاتی کا ذکر آیا' اس کے لئے کسی صفت کی شرط لگا دی گئی لیکن قرآن حکیم میں صرف ایک مقام ایسا ہے جہاں معیتِ باری تعالیٰ جانبین کے لئے کسی شرط یا صفت کے بغیر اسمِ ذات کے حوالے سے بیان کی گئی ہے:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

فکر مند نہ ہوں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ التوبہ ۴۰

یہاں مَعَنَا میں جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اس معیتِ ذاتی میں داخل ہو گئے جو صفات کی شرط سے ماوریٰ ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذاتی معیت کا یہ اعزاز صرف اس ہستی کو ملا جو روئے زمین پر بعد از انبیاء افضل ترین تھی اور اس اعزاز میں کوئی اور ان کے ساتھ شریک نہیں۔ یہ آیت حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کی اتنی بڑی سند ہے جس کی رو سے علماء کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت و صحابیت قرآن مجید میں منصوص ہے اور اس بنا پر ان کی صحابیت کا منکر کافر ہے۔

وہ ساعتیں بھی کیا خوب تھیں جب اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور آپ ﷺ کے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہم معیت ذاتی میں شریک تھے' کسی شرط کا ذکر نہ کسی صفت کا تذکرہ۔ یہ ان جذبوں کی پذیرائی تھی جن کا اظہار غارِ ثور کی تنہائیوں نے دیکھا۔ حبیب کبریا ﷺ کا سر مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں تھا۔ آپ ﷺ محوِ استراحت تھے اور ان تنہائیوں کے رفیق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمالِ نبوی ﷺ میں کھوئے ہوئے تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خواب کی تعبیر تھی جو انہوں نے اسلام لانے سے قبل دیکھا تھا کہ پورا چاند ان کی گود میں آ گیا ہے۔ اس عالم میں غارِ ثور کے آس پاس مکہ والوں کے قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ یہ لوگ آقائے نامدار ﷺ کی جان کے درپے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ کفار کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ اپنی ذات کے بارے میں تو وہ ہر فکر سے بے نیاز تھے لیکن ایک بے کلی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ گود میں حبیب کبریا ﷺ کا رخ انور اور اطراف میں آپ ﷺ کے خون کے پیاسے کفارِ مکہ کے قدموں کی آہٹ۔ ایک طرف وہ ہستی جو باعث تخلیق کائنات ہے' رحمۃ للعالمین ہے' ان کفارِ مکہ کی بھلائی کے لئے مضطرب لیکن اب انہی کے ہاتھوں اپنے مولد و مسکن اور بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور' دوسری طرف ناسمجھ کفارِ مکہ جو اپنے محسن اور

خیر خواہ کی جان کے درپے ہیں۔

یقین تھا کہ حبیب کبریا ﷺ کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے جس کے حکم سے مکہ مکرمہ چھوڑا اور اب ہجرت کی پہلی منزل' غار ثور میں تین رات کے لئے پڑاؤ ڈال رکھا تھا لیکن اس عالم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیثیت ایک امین کی سی تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا گھرانہ آقائے نامدار ﷺ کی حفاظت اور خدمت پر مامور تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد بکریوں کے دودھ اور کھانے کی فراہمی تھی' غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکریوں کا ریوڑ چراتے ہوئے پاؤں کے نشان مٹا دیتے۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات پر ابوجہل کے ستم کا نشانہ بنی تھیں کہ انہوں نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ حفظِ امانت کے مکمل اہتمام کے باوجود دشمن غار ثور تک آن پہنچا تھا اور مشرکین مکہ کی گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں نظر آ رہی تھیں۔ اگر وہ جھک کر دیکھ لیں تو!

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی بے کلی کا اندازہ صرف وہی لگا سکتا ہے جس کی محبت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبوں جیسی گہرائی رکھتی ہو' محبوب محمد رسول اللہ ﷺ جیسا بے مثل و بے مثال ہو اور دشمن ابوجہل سا ظالم اور کمینہ ہو۔ حفاظت کے اہتمام میں تو کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا تھا لیکن کسی نادانستہ کوتاہی کی وجہ سے حبیب پاک ﷺ کو کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے! حفاظت الٰہیہ پر مکمل بھروسے کے باوجود یہی فکر لاحق تھی۔ دل کی بے قراری حد سے بڑھی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے سے عیاں ہوگئی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مکمل یقین کے باوجود اور انعام و اکرام کی خبر مل جانے کے بعد بھی دل اتنا ہی زیادہ بے قرار ہو جاتا ہے کہ مبادا اپنی طرف سے کوئی کمی رہ گئی ہو! غزوہ بدر میں فتح کی بشارت مل چکی تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ابوجہل اور دوسرے مشرکین مکہ کے مقتل کی نشاندہی بھی فرما دی تھی لیکن اس کے باوجود عریش بدر میں اللہ کے حضور دعا مانگتے ہوئے آپ ﷺ کا اضطراب اس قدر بڑھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلاسا دینا پڑا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

غار ثور میں کچھ اسی طرح کا معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ درپیش تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ مبارک پر جب دل کی بے قراری کی جھلک دیکھی تو آقائے نامدار ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھارس کا یہ پیغام دیا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

فکرمند نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حبیب پاک ﷺ کے رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی معیتِ ذاتی کے ذریعے وہ سکینہ نازل فرما دی جس نے دو عالم سے بے نیاز کر دیا اور کوئی حزن باقی رہا نہ فکر۔

آقائے نامدار ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے ثناخواں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے میرے رفیق غار کی نسبت بھی کچھ کہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا' یارسول اللہ ﷺ! کہا ہے:

وَثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَاعَدَ الْجَبَلَا

بلند غار میں رفاقت کرنے والے جو دو میں دوسرے تھے
ایسے وقت میں جب کہ دشمن پہاڑ پر چڑھ کر تلاش میں تھا
وَكَانَ حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْخَلَائِقِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ اَحَدَا
لوگ جانتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دوست ہیں
(انبیاء کے بعد) خلائق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں

حضور ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا:

''اے حسان تم نے سچ کہا' وہ ایسے ہی ہیں۔''

غارِ ثور کی تین راتیں

غارِ ثور میں آقائے نامدار ﷺ کی معیت میں تین راتوں کی قدر و قیمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے! اس کی قدر و قیمت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب سمجھتے تھے۔ وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کرتے:

''مجھ سے میری تمام نیکیاں لے لو لیکن غارِ ثور کی تین راتوں
میں سے صرف ایک رات عطا کر دو۔''

اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ درخواست قبول کر لیتے تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے یہ سودا دنیا و آخرت سے زیادہ قیمتی ہوتا لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام نیکیاں پیش کرنے کے باوجود بھی قیمت نہ لگا سکے کیونکہ یہ اعزاز جس ہستی کا تھا' پوری کائنات میں کوئی اور اس میں شریک نہ ہو سکا۔

ایک مرتبہ ستاروں بھرے آسمان کو دیکھ کر حبیبۂ حبیب کبریا سیدہ عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: کیا کوئی شخص ایسا بھی ہوگا جس کی نیکیاں ان ستاروں سے بھی زیادہ ہوں گی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال تھا کہ شاید آپ ﷺ ان کے والد گرامی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لیں گے۔ انہوں نے پھر پوچھا' اَيْنَ حَسَنَاتُ اَبِی بَكْرٍ کیا میرے والد کی نیکیاں اتنی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' غارِ ثور کی ایک رات ان ستاروں کے برابر نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔

ایک سعادت جو صرف رفیقہ حیات اور رفیق غار کے حصہ میں آئی

دامان رحمت ﷺ تمام جہانوں کے لئے جائے پناہ ہے۔ قیامت کی ہولناکیوں میں تمام انبیاء علیہم السلام' اولیاء کرام' پوری انسانیت' تمام مخلوق شفاعت مصطفیٰ ﷺ کی منتظر ہوگی کہ میدان حشر میں انتظار کی یہ کٹھن گھڑی تمام ہو لیکن وہ ہستیاں بھی کیا خوب تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کو بھی حوصلہ دینے کی سعادت حاصل کی۔ نزول وحی کے بعد آپ ﷺ غار حرا سے گھر تشریف لائے تو پورے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ حریم ناز سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا' مجھے کمبل اوڑھا دو۔ یہ حالت دیکھ کر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کو حوصلہ دلایا۔ گھبرائیں نہیں' اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرے گا۔

اسی طرح کا ایک موقع اور بھی آیا۔ عریش بدر میں آقائے نامدار ﷺ نے اللہ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں:

''بارالٰہا! یہ قریش اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آج تیرے

رسول (ﷺ) کی تکذیب پر تل گئے ہیں۔ اللہ! آج وہ
مدد آ جائے جس کا تو نے وعدہ فرمایا تھا۔ بارِالھا! اگر آج
تیرے یہ نام لیوا مٹ گئے تو قیامت تک تیرا نام لینے والا
کوئی نہ ہوگا۔''

آہ وزاری میں دوش مبارک سے چادر بار بار سرک رہی تھی جسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنبھالتے۔ حضور ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر وہ خود بھی رقت میں ڈوب گئے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! اب بس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ
ضرور پورا کرے گا۔''

یہ سن کر حضور ﷺ خوشی کی حالت میں عریش بدر سے یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ○ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اتنی جمعیت ہے کہ ضرور غالب رہے گی مگر عنقریب یہ
جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔ (سورۃ القمر آیات 45'46)

آقائے نامدار ﷺ کی ڈھارس بندھانے کا یہ منفرد اعزاز یا تو رفیقہ حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حصے میں آیا' یا پھر رفیق غار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا۔

فہم قرآن

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چشم بصیرت اور فراست کی نگاہ سے قرآنی اشاروں میں پنہاں حقیقت کا مشاہدہ کرتے اور اس کی شہادت دیتے۔ حضور ﷺ سے سورۂ روم کی آیات میں رومیوں کی فتح کی خبر سنی تو ابی

بن خلف سے شرط لگا دی کہ رومی چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب ہوں گے اور مسلمان مشرکین مکہ پر فتح حاصل کریں گے حالانکہ اسی وقت یہ دونوں امر محال نظر آتے تھے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے ساتھ ہی ایرانیوں پر اہل روم کے غلبہ کی اطلاع ملی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرط کے سو اونٹ ابی بن خلف کے ورثاء سے وصول کئے اور اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیئے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جری اور صاحبِ خرد صحابہ پریشان تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلب اس قدر مطمئن تھا کہ بیعت رضوان کرنے والے صحابہ کو حوصلے بانٹ رہا تھا حتیٰ کہ سورۂ فتح میں مسلمانوں کے غلبہ کی نوید کی اطلاع سے اس کی تصدیق ہوگئی۔ دوسری طرف اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی خوشخبری پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہم مبارک دے رہے تھے لیکن صاحب مشاہدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے آقائے نامدار ﷺ کی دنیا سے روانگی کی خبر سمجھتے ہوئے رنج والم میں ڈوبے الگ بیٹھے تھے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کے اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے:

''محدثین لکھتے ہیں: اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ الْبُخَارِی یعنی
کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری شریف ہے۔ اس
کی کتاب التفسیر میں سورۃ النصر کے بارے میں آتا ہے۔
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ
اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ۧ

(جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور آپ ﷺ دیکھیں لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہوئے تو اپنے رب کی تسبیح بیان کریں اور شکر گزار ہوں اور اس سے بخشش طلب کریں' بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔)

جس وقت نبی کریم ﷺ نے یہ سورۃ پڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ زار و قطار رونے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا' نبی کریم ﷺ تو فتح کی خوشخبری سناتے ہیں' دیکھو انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ بعد میں وہ سمجھے کہ ہم سب سے زیادہ جاننے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں:

"اَعْلَمُنَا اَبُوبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ"

یہ فہم و فراست اور منشائے باری تعالیٰ کی سمجھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاصہ تھا جس کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت نے اکثر اعتراف کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بات پر فرحاں تھے کہ فتح کی خوش خبری مل گئی اور اب اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کے فوج در فوج داخل ہونے کا وقت ہے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سورۃ کو آقائے نامدار ﷺ کی روانگی کی خبر سمجھا کہ کارِ نبوت کی تکمیل کے بعد حبیب کبریا ﷺ کا اس دار فانی میں کیا کام!

جلد ہی وہ کٹھن لمحہ بھی آ گیا' حضور ﷺ کے داغ مفارقت سے صحابہ کرام میں کہرام مچا ہوا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار نکال رکھی تھی اور کہہ رہے تھے:

"جس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔"

اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا اور قرآن کی آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ تلاوت کی تو حقیقت حال سمجھ میں آئی کہ گویا یہ آیت اسی موقع کے لئے نازل ہوئی ہو۔

خلیفۃ رسول اللہ ﷺ

آقائے نامدار ﷺ کے عالم آب و گل سے عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد انصار و مہاجرین جن مشکل حالات سے دوچار ہوئے' ان کے بارے میں وہ سوچ سکتے تھے نہ ذہنی طور پر تیار تھے۔ اس گومگو کی کیفیت اور غیر یقینی صورتحال میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شخصیت تھی جس پر اتفاق رائے ممکن تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے وہ گرد چھٹ گئی جو ایک بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔

ثقیفہ بنی سعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر اتفاق رائے کی بنیاد یہ بنی کہ حضور ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نمازوں کی امامت کا حکم دیا تھا اور یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے رفیق غار تھے۔ اگرچہ یہ سیاسی پہلو بھی زیر بحث آیا کہ عرب قریش کے سوا کسی کی امارت نہیں مانیں گے لیکن حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطاب کے بعد کہ انصار کی خدمات صرف رضائے الٰہی کے لئے تھیں' انصار و مہاجرین یا قریش اور غیر قریش کی بات نہ رہی۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کے ساتھ ہی انصار کی بیعت کا آغاز ہو گیا۔ انصار کی بیعت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تمہارا امیر اس شخص کو بنایا جو تم میں سے سب

سے بہتر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا مقرب ہے اور یہی
وہ شخص ہے جسے غار ثور میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت
نصیب ہوئی۔ اس کے حلقہ بیعت میں شامل ہو جاؤ۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مختصر خطاب سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیعت کے لئے اس طرح دیوانہ وار بڑھے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ رسول اللہ ﷺ تھے جو صرف اور صرف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا اعزاز ہے۔ باقی تینوں خلفائے راشدین کو امیر المومنین کہا جاتا ہے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے جو کسی غیر نبی کے لئے سب سے بڑا مقام ہے اور پوری انسانیت میں وہ صرف ایک ہی ہیں' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ!

آقائے نامدار ﷺ نے خود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عالی مقام پر متعین فرمایا۔ آخری ایام میں شدت مرض کے باعث حضور ﷺ باہر تشریف نہ لا سکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سترہ نمازوں کی امامت کرائی۔ اس دوران ایک مرتبہ آقائے نامدار ﷺ دو اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور دوران امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارے سے منع فرمایا۔ ادائیگی نماز کی صورت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام الانبیاء ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور تمام مقتدی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

اقتدا کر رہے تھے۔ گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عملاً خلیفۃ رسول اللہ ﷺ نامزد فرما دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لَایَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْهِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّؤُمَّهُمْ غَیْرُهٗ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (ترمذی)

جس قوم میں ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہوں' اس کے لئے
مناسب نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص امامت کرے۔

حضور ﷺ نے 9 ہجری میں 300 بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل ایک قافلۂ حج روانہ فرمایا جس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھا گیا تو حضور اقدس ﷺ کے دستخط مبارک کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دستخط کئے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا' پھر آنا۔ اس نے پوچھا اگر میں آؤں اور آپ ﷺ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا: اِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَاْتِیْ اَبَا بَکْرٍ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اگر تو آئے اور مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آ (متفق علیہ)۔

ایسے متعدد واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اشارتاً' قولاً اور عملاً اپنے خلیفہ کے طور پر تعیین فرما دی تھی۔ نہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت' بلکہ کفار بھی اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے۔

غزوۂ احد میں لشکر اسلام کو میدان خالی کرنا پڑا تو ابوسفیان نے قریبی پہاڑی پر کھڑے ہو کر آواز دی ''مسلمانوں! کیا تم میں محمد ﷺ ہیں'' آپ ﷺ نے جواب دینے سے روک دیا تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لے کر پکارا' گویا کفار بھی خوب جانتے تھے کہ حضور ﷺ کے بعد ترتیب کیا ہوگی۔

آقائے نامدار ﷺ دار دنیا سے دار آخرت میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت خلافت لینے کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا کُنْتُ حَرِیْصًا عَلَی الْاِمَارَۃِ یَوْمًا وَّلَا لَیْلَۃً قَطُّ وَلَا کُنْتُ فِیْھَا رَاغِبًا وَلَا سَئَلْتُھَا اللّٰہَ قَطُّ فِی سِرٍّ وَّعَلَانِیَۃٍ وَمَا لِیْ فِی الْاِمَارَۃِ مِنْ رَاحَۃٍ

قسم ہے اللہ تعالیٰ کی! میں نے کبھی ایک دن یا ایک رات بھی امارت کی خواہش نہیں کی' نہ ہی میں اس کے لئے اپنے اندر کوئی رغبت رکھتا تھا اور نہ ہی میں نے کبھی خفیہ یا اعلانیہ اسے اللہ تعالیٰ سے مانگا اور نہ ہی امارت میرے لئے کوئی سامان راحت ہے۔

پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَطِیْعُوْنِیْ مَا اَطَعْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنْ عَصَیْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلَا طَاعَۃَ لِیْ عَلَیْکُمْ

میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہوں لیکن اگر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری کوئی اطاعت تم پر نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر رسول ﷺ پر بیٹھے تو حاضرین میں سے کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ الرسول ﷺ کہہ دیا۔ فرمایا: خلیفۃ الرسول ﷺ صرف حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے امیر المومنین کہنے کی اجازت دی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کی اطلاع ملی تو فرمایا:

''اَلْیَوْمَ انْقَطَعَتْ خِلَافَۃُ النُّبُوَّۃِ'' آج خلافت نبوت کا انقطاع ہوگیا۔''

ایک مرتبہ حضرت حسن بصری ؒ سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لئے نامزد کیا تھا تو انہوں نے فرمایا:

''واللہ! حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا ورنہ وہ اس درجہ کے متقی اور اللہ کے جاننے والے تھے کہ اگر ان کو حکم نہ ہوتا تو ہرگز مسلمانوں پر چھلانگ نہ لگاتے'' یعنی فوراً خلیفہ نہ بن جاتے۔

حضرت جی ؒ نے ایک مرتبہ فضیلت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موضوع پر خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا پہلو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عملاً خلیفہ مقرر فرما دیا۔ نماز کے تابع زکوٰۃ ہے اور حج کے تابع جہاد ہے۔ آپ ﷺ نے نماز میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا اور حج میں خلیفہ بنا کر بھیجا تاکہ دنیا دیکھ لے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے دیکھا' زمین

کی مخلوق نے دیکھا' آسمانوں کی مخلوق نے دیکھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے قرۃ العین فی فضیلۃ الشیخین میں بیان کیا کہ حضور ﷺ نے زبان سے' قولاً امت کو کہہ دیا کہ میرے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا' اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ کہ میں ان کو خلافت لکھ دوں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَرَضِهٖ اُدْعِيْ لِيْ اَبَابَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّي اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلَ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰى وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ۔ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ اپنے والد ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اپنے بھائی کو بلا لو تا کہ میں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کہنے والا کہے' میں زیادہ بہتر ہوں حالانکہ اللہ اور مومنوں کے نزدیک ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سوا کوئی دوسرا بہتر نہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے 2 سال 3 ماہ 10 دن کے مختصر دورِ خلافت میں سلطنت اسلامیہ کو استحکام ملا۔ نو زائدہ سلطنت کے خلاف ہونے والی بغاوتوں اور سازشوں کی نہ صرف سرکوبی ہوئی بلکہ سلطنت کی حدود میں بلادِ عراق' شام اور ایران کا اضافہ ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتہائی

مختصر دورِ خلافت میں اس قدر مہمات سر ہوئیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا پہلا خطبہ مختصر ترین ہوتے ہوئے جامع ترین تھا۔ اس خطبہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ملت اسلامیہ کے حسب حال اور آج کے ابتر حالات کی اصلاح کا حل تجویز کرتا ہے:

لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِ

وَلَا يُشِيْعُ قَوْمٌ قَطُّ الْفَاحِشَةَ اِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ

''جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور جس قوم میں فحاشی پھیل جاتی ہے اللہ اس کو مصائب میں گرفتار کر دیتا ہے۔''

اولین مصحف قرآن

قرآن حکیم کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے قرآن مجید کو ایک مصحف کی صورت لکھوا کر محفوظ کر لیا۔ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ نے صحابہ کبار بشمول حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاویہ اور حضرت حنظلہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آیات کی ترتیب اور مقام بتا دیئے جس کے مطابق آیات اور سورتوں کو اہتمام کے ساتھ لکھ لیا جاتا۔ اسی ترتیب کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے قرآن حکیم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب سے جنگ یمامہ کے دوران 1260 صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

شہید ہوئے جس میں حفاظ کرام کی بہت بڑی تعداد تھی۔ چونکہ حفاظت قرآن کا ایک ذریعہ حفاظ کرام بھی تھے' کثرت سے ان کی شہادتوں کو دیکھتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ قرآن حکیم کو تحریری صورت جمع کر لینا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مشورے کو پسند کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام پر مامور کیا جو حضور ﷺ کے مقرر کردہ کاتب وحی بھی تھے۔ انہوں نے قرآن حکیم کے تحریر شدہ مختلف حصوں کو اکٹھا کیا اور حفاظ کرام کی مدد سے حضور ﷺ کی دی ہوئی ترتیب کے مطابق پورے قرآن کا مصحف تیار کیا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا' پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مصحف کی مدد سے قرآن مجید کو ایک قرأت پر جمع کیا۔

شجاعت

مسند بزاز میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش نے حضور ﷺ پر دست درازی شروع کر دی۔ اس عالم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیوانہ وار آگے بڑھے۔ انہوں نے کسی کو ہٹایا' کسی کو دھکا دیا اور حضور ﷺ کو کفار کے نرغہ سے نکال لائے۔ ساتھ ساتھ کہہ رہے تھے' اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلاً اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ بدبختو! تم انہیں اس لئے قتل کرو گے کہ یہ کہتے ہیں اللہ میرا رب ہے۔ (الرحیق المختوم) یہ بیان کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک تر ہوگئی اور فرمانے لگے:

آل فرعون کا مومن اچھا تھا یا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ واللہ! ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک لمحہ آل فرعون کے مومن جیسے شخص کے ہزاروں لمحات سے بہتر ہے' اس لئے کہ وہ شخص اپنا ایمان پوشیدہ رکھتا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایمان کا اعلان کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی شجاعت و بہادری کی عظیم مثالوں سے عبارت ہے۔ ہجرت کا واقعہ ایک پرخطر راز تھا لیکن نہ صرف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ پورے گھرانے کے سینے اس راز کا مدفن بن گئے۔ بدطینت ابوجہل نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس زور کا طمانچہ مارا کہ ان کی بالی کان سے جدا ہوگئی لیکن وہ یہ راز نہ اگلوا سکا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ جری اور بہادر وہ سمجھا جاتا جو جنگ و حرز میں حضور ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا کیونکہ دشمنوں کا سب سے بڑا ہدف حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہی تھی۔ غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اعزاز ہے کہ وہ عریش بدر میں غزوہ کے آغاز سے آخر تک حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ غزوۂ احد میں جو بارہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ ﷺ کے پہلو میں کفار کے بھرپور حملہ کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر محافظت کا حق ادا کر رہے تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ اسی طرح غزوہ حنین میں جب کفار کی شدید تیراندازی کی وجہ سے لشکر اسلام میں ابتری پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان چند جانبازوں میں شامل تھے جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ غرض ہر مرحلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد فتنۂ ارتداد' جھوٹے مدعیان نبوت' قبائل کی بغاوت اور منکرین زکوٰۃ جیسے فتنوں نے یک بارگی زور پکڑا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان تمام محاذوں سے بیک وقت نبٹنا' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت' استقلال اور حوصلہ مندانہ طرز عمل کا ثبوت ہے۔ جس وقت مجاہدین اسلام مدینہ منورہ سے دور مختلف محاذوں پر برسر پیکار تھے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ کی حفاظت کی حکمت عملی تیار کی۔ باغیوں کے ایک گروہ نے مدینہ منورہ پر شب خون مارا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود ان کا مقابلہ کیا اور جب باغیوں نے پسپائی اختیار کی تو دور تک ان کا تعاقب کیا۔ باغیوں نے دوبارہ حملہ کی تیاری شروع کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر اسلام کی خود قیادت فرماتے ہوئے پو پھٹنے پر باغیوں کے کیمپ پر حملہ کر دیا اور ان کا صفایا کرتے ہوئے نجد کے راستے پر مقام ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا۔ اس واقعہ کے بعد باغیوں کو دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ شجاعت و بہادری کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بہترین جنگی حکمت عملی اور منصوبہ بندی بھی ملتی ہے جس کے نتیجے میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں' جو انتہائی پرخطر دور تھا' اسلامی حکومت کو استحکام اور وسعت نصیب ہوئی۔

انتہائے فنائیت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

دَارُنَا فَانِیَۃٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِیَۃٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَۃٌ وَکَسْلُنَا مَوْجُوْدَۃٌ

ہمارا دنیا کا یہ گھر فانی ہے اور یہاں کے احوال و اسباب ہمارے پاس ادھارے ہیں' ہمارے سانس بھی گنتی کے ہیں لیکن پھر بھی ہم غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جس درجہ میں مقام فنا حاصل تھا' کوئی صوفی اس درجہ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجۂ فنایت کی شہادت خود آقائے نامدار ﷺ نے ان الفاظ میں دی:

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اِبْنِ اَبِیْ قَحَافَۃَ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

جو شخص مردے کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ ابن ابی قحافہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھ لے۔

اپنے ارادے کی مکمل نفی اور خود کو منشائے باری تعالیٰ اور آقائے نامدار ﷺ کی مرضیات کے سپرد کر دینے کی چلتی پھرتی تصویر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات طیبہ کی صورت نظر آتی ہے۔

حضرت جیؒ درجۂ فنائیت کے اس حال کے لئے ''مردہ بدست غسال'' کی اصطلاح استعمال فرمایا کرتے تھے کہ غسال جس طرح چاہے اسے حرکت دے' مردہ خود حرکت کرنے سے لاچار ہے۔ آپؒ فرمایا کرتے کہ شیخ کے سامنے مرید کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے کہ اس کی اپنی خواہش اور ارادے کا وجود مٹ جائے۔

حقیقی تصوف

بات منازلِ ولایت کی انتہا کی ہو تو دائرہ صدیقیت کا ذکر ملتا ہے اور مناصبِ ولایت کا ذکر چھڑ جائے تو یہاں بھی بصد ادب و احترام منصب صدیق کا نام لینے کے بعد زبان رک جاتی ہے۔ دنیائے تصوف کی یہ عظمتیں جس ہستی کے نام سے موسوم ہیں' کسی بڑے سے بڑے صوفی کی اس ہستی سے کیا نسبت ہوسکتی ہے! سلوک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ختم' تصوف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تمام اور درجہ احسان میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکتا لیکن تصوف کے نام پر آج جس بے عملی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے' کیا اس کا کوئی شائبہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں نظر آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت اہل اللہ کے بارے میں پائی جانے والی اس عمومی غلط فہمی کا ازالہ کرتی ہے جس کے مطابق گوشہ نشینی اور ترک دنیا کو تصوف سمجھا جانے لگا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت دنیوی وسائل سے نفرت کا نہیں بلکہ ان کے حصول کا پیغام دیتی ہے تاکہ وسائل کو اللہ کے راستے میں دین کی سربلندی کے لئے اور طاغوت کے مقابلے میں استعمال کیا جاسکے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر یہ دعا کیا کرتے:

اَللّٰھُمَّ ابْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَھِّدْنِیْ عَنْھَا

اللہ! دنیا کو میرے لئے فراخ بنا لیکن اس میں مبتلا ہونے سے بچا۔

آقائے نامدار ﷺ کے عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے بعد امت پر جو مشکل ترین وقت آیا' اس موقع پر جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نے احتیاط کے پیش نظر مشورہ دیا کہ جھوٹے مدعیان نبوت اور منکرین زکوٰۃ سے باری باری نمٹا جائے اور جیش اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کو مؤخر کیا جائے لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس پرچم کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا تھا' میں اسے کس طرح لپیٹ کر رکھ دوں! لشکر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت فرماتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تقریر فرمائی اس سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سیاسی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے۔

''لوگو! میں تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ تم مجھ پر وہ بوجھ ڈالو گے' جس کے اٹھانے کی طاقت صرف نبی ﷺ کی ذات اقدس میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کی مخلوق سے آنحضرت ﷺ کو منتخب فرمایا تھا اور ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ مجھ میں کوئی ہمت نہیں ہے۔ میرا کام آنحضرت ﷺ کی اطاعت بجا لانا ہے۔ میں کوئی نئی چیز آپ لوگوں کے سامنے پیش نہیں کروں گا۔ اگر میں سیدھا رہوں تو میری اطاعت کرو۔ اگر ٹیڑھی راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔''

جیش اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہم بین الاقوامی اثرات کی حامل تھی۔ اس لشکر کی روانگی سے اس وقت کی سپر پاور سلطنت روم کو یہ پیغام مل گیا کہ مسلمان اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ دوسری طرف یہود سمجھ گئے کہ بین الاقوامی ریشہ دوانیوں سے' خاص طور پر نصاریٰ کے ذریعے' مسلمانوں سے اپنی جلاوطنی کا بدلہ لینا ممکن نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں محاذوں پر بیک وقت جنگ لڑی۔ لشکر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کرنے کے ساتھ ساتھ جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف لشکر کشی کی اور اس فتنہ کا سد باب فرمایا۔ مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی اصلاح کے لئے خطوط لکھے لیکن جو سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے طاقت سے ان کی سرکوبی فرمائی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے:

اَوَیُنْقَصُ الْاِسْلَامُ وَاَنَا حَیٌّ (مشکوٰۃ شریف)

کیا اسلام کو نقصان پہنچے گا اس حالت میں کہ میں ابھی زندہ ہوں۔

یہ ہے وہ سراپا عمل تصوف جس کا پیغام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا۔ اس کے علاوہ تصوف کا ہر وہ مفہوم جو حقائق سے فرار، سمجھوتے یا بے عملی کی کوئی بھی صورت پیش کرتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار اور تعلیمات کے منافی ہوگا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصوف کے جدامجد ہیں، غیر انبیاء میں ولایت الٰہی کے بلند ترین منصب پر فائز ہیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عملی زندگی حقیقی تصوف کا مکمل نمونہ ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کا یہ عملی پہلو ہر صوفی کے لئے واجب الاتباع ہے اور اس کے خلاف ہر طرز عمل، خواہ اسے تصوف کی آڑ میں کوئی بھی نام دیا جائے، ترک دنیا کہا جائے یا ملامت کے نام پر شریعت سے اعراض کی گنجائش پیدا کی جائے، حقیقت سے فرار تو کہلا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقی تصوف سے کوئی واسطہ نہیں۔

حضرت امیر المکرّم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کے عملی پہلو کو اپنے خطابات کا موضوع بناتے ہوئے اس ضمن میں اکثر یہ مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو ٹینک جیسا مؤثر ہتھیار مل جائے اور وہ ہر وقت

اس کو چمکانے، سنوارنے اور اس کی دیکھ بھال میں لگا رہے، دشمن اس کے سامنے آ جائے لیکن وہ فائر نہ کرے بلکہ بدستور ٹینک کی صفائی میں مصروف رہے تو اسے چاہیے کہ اس ٹینک میں اپنی قبر بنا لے۔ وہ صوفی جو مسلسل ذکر و فکر سے باطن کی صفائی میں تو لگا رہے لیکن تعلق باللہ سے حاصل ہونے والی قوت کو شیطان کے خلاف استعمال نہ کرے، اس کا ذکر و فکر میدان عمل میں قدم رکھنے سے مانع ہو اور اس کے منازل و مراقبات حقیقت گریزی کا سبب بن جائیں تو اسے حاملِ تصوف کہنا محض ایک خود فریبی ہوگی۔

منصبِ صدیق

آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

مَا صَبَّ اللّٰہُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اللہ نے جو میرے سینہ میں ڈالا، وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

ایک دوسری روایت میں عظمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح بیان فرمائی گئی:

لَایَبْقِیَنَّ فِی الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا بَابَ اَبِیْ بَکْرٍ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

''میری مسجد میں کوئی دروازہ باقی نہیں سوائے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دروازے کے۔''

اس حدیث مبارک کی تشریح میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی آقائے نامدار ﷺ کی کامل و اکمل محبت سے عبارت ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کا واحد دروازہ محبت ہے جس کی علامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ آقائے نامدار ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ منسلک ہے۔ حضور ﷺ کی محبت طالب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ پر لے آتی ہے جو اسے حضور ﷺ کی محبت تک پہنچا دیتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت اسے اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔''

حضرت امیر المکرّم نے برکات نبوی ﷺ کے ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اس طرح بیان فرمائی کہ نبی کریم ﷺ کی جس قدر برکات حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں' ان میں کوئی دوسرا ان کا ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں' پوری امت میں پھر ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ان کے بعد جس درجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں' پوری امت میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کے بعد جس درجہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاصل کیں' ان کے بعد کوئی ان کا ثانی نہیں ہے۔ فیوض و برکات کا مخزن و منبع سینۂ اطہر رسول اللہ ﷺ ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے سینے سے جو کچھ ابوبکر کے سینہ میں انڈیلا گیا ہے' وہ سوائے ابوبکر کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ اب ہر طالب کو نبی کریم ﷺ تک رسائی کے لئے باب

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی گزرنا ہوگا۔

حضرت امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی معرفت کے مطابق دیدار الٰہی سے مشرف ہوگا۔ جو بڑا عارف ہوگا اس کا دیدار الٰہی سے مشرف ہونا بھی بطریق کامل ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت کا درجۂ کمال اس حدیث مبارک سے واضح ہے جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور کسی کا حصہ نہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لِلنَّاسِ عَامَّۃً وَلِاَبِیْ بَکْرٍ خَاصَّۃً اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

اللہ تعالیٰ عوام کے لئے بالعموم تجلی فرمائے گا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بالخصوص۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے جملہ اولیاء متقدمین کرام کے مدارج اور مقام کی سیر کی تا آنکہ صحابہ کرام کی ولایت کے مقامات کو دیکھا کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فیضان نبوت ﷺ کے فیض اور انوار سے مستفیض ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیضان محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستفیض ہیں۔''

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ فضیلت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ نبوت اور صدیقیت کے درمیان کوئی فصل نہیں جس کی دلیل سورۃ النساء کی یہ آیات ہے۔

اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ

جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔ (النساء آیت 69)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی کی نسبت سے مناصب اولیاء میں سب سے بڑا منصب ہی ''صدیق'' ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حامل منصب صدیق کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف کو بطور معیار تحریر کیا ہے مثلاً وہ حق جو نبی ﷺ پر نازل ہوا' اس کی محبت میں اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے' اس حق کی محبت کے باعث کسی امر میں اختلاف نہیں کرتا' اس کا علم بالرویا ہونا' بغیر معجزہ (دلیل) کے سب سے پہلے ایمان لانا' حب الٰہی میں غرق رہنا' خوف وخشیت سے مغلوب رہنا یہی اوصاف کسی بھی دور میں ایک ''صدیق'' کے مزاج کا خاصہ ہوں گے۔

حضرت جیؒ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں بیان فرمایا کہ منصبِ صدیق سے آگے ایک منصب قربِ عبودیت کا بھی ہے جو سوائے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے' جو صدیق بھی ہیں اور حامل قرب عبدیت بھی ہیں' اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو عطا نہیں فرمایا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ اولیائے کرام میں جب منصبِ صدیق کا ذکر ہوگا تو اس کا تقابل کسی بھی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کرنا مقصود نہیں۔ غیر صحابہ میں اس منصب کی حیثیت ایک پرتو کی سی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منصب اور ایک غیر صحابی کا صدیق ہونا' دونوں میں کوئی تقابل ممکن ہی نہیں۔

اس منصب کے حاملین کی تعداد انتہائی اقل ہے۔ حضرت جیؒ اس ضمن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام غزالیؒ کے نام لیا کرتے تھے۔ حضرت امیر المکرّم نے حضرت جیؒ پر اپنے خصوصی مضمون ''حیات طیبہ'' میں اپنے

شیخ کے مناصب بیان کرتے ہوئے منصب صدیق اور قرب عبدیت کا تذکرہ کیا ہے جسے قرب عبودیت بھی کہا گیا ہے۔ یہ اس دور کا خاصہ ہے کہ جب ظلمت انتہا کو پہنچ گئی تو اسے برکاتِ نبوت ﷺ سے قطع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت جیؒ جیسی بلند مرتبت ہستی عطا فرمائی اور ان سے متصل حضرت امیر المکرّم کو پھر وہی قوت عطا فرما دی جو نور و ظلمت میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھی۔

حضرت امیر المکرّم نے مقاماتِ ولایت کے حوالے سے دائرہ صدیقیت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے جو عالم امر میں چوبیسواں دائرہ ہے۔ یہ منصب نہیں بلکہ مقام ہے۔ اس مقام سے آگے ولایتِ انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے جس میں کسی ولی کا قدم رکھنا اس خاکروب کی مانند ہے جسے اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی کے دوران شاہی محل میں جانا نصیب ہو جائے۔ اولیاء کرام میں جب کسی صدیق کا ذکر ہوگا تو اس کی حیثیت بھی اسی طور سمجھی جائے۔

سلسلہ تصوف خواہ کوئی بھی ہو اور اس کے شجرہ میں مشائخ عظام جو بھی ہوں' گذشتہ باب میں حضرت امیر المکرّم کے خطاب میں یہ حقیقت بیان ہو چکی کہ برکات نبوی ﷺ کا واسطہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات ہے لیکن نسبت اویسی سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ایسا منفرد ہے جس پر سلسلہ اویسیہ بجا طور پر خصوصی افتخار کا مستحق ہے۔ اس کا ادراک ان احباب کو بخوبی ہوا ہوگا جنہیں روحانی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آقائے نامدار ﷺ کے دست اقدس پر روحانی بیعت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک کو ہاتھوں میں لینے اور اس کا بوسہ لینے کی سعادت بھی نصیب ہوتی ہے۔ ایسے احباب کی کمی نہیں جنہیں یہ روح پرور نظارہ بخوبی یاد ہوگا اور وہ ان مبارک ہاتھوں کا لمس بھلا نہیں سکتے۔

وصال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جمادی الثانی 13 ھجری سے بخار کی شکایت شروع ہوئی جو پندرہ روز جاری رہا۔ بخار کے آغاز سے ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے وصال کا یقین تھا۔ مطمئن تھے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے' اللہ ہی اجر دینے والا ہے اور بہتر اجر دے گا۔ اس بات سے بہت خوش تھے کہ نبی اکرم ﷺ سے جلد ملاقات ہونے والی ہے۔

بیماری کے عالم میں اپنے معاملات کو اس طرح سمیٹنا شروع کیا گویا سفر آخرت کی تیاری ہے۔ سب سے پہلے اپنے جانشین کے بارے میں صائب الرائے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرداً فرداً رائے لی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نامزدگی کا پروانہ لکھوایا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ہی پڑھ کر سنایا گیا۔ جب یہ فرمان پڑھا جا رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور حاضرین نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہوئے قبولیت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیت فرمائی جو فصاحت و بلاغت' خطابت اور علم و حکمت کے ایک نادر نمونہ کے طور پر تاریخ میں محفوظ ہے۔

قومی امور سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ذاتی امور کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تحفۃً دی ہوئی جائیداد میں ان کی اجازت سے ان کے بھائی بہنوں کو بھی شریک کیا۔ دورِ خلافت میں بیت المال سے جس قدر وظیفہ لیا تھا' اس کا تخمینہ لگایا اور اپنی زمین بیچ کر واپسی کا حکم دیا۔ آخر میں تجہیز و تکفین کے بارے میں

ہدایات دیں۔

وصایا سے فارغ ہوئے تو سکرات کا عالم شروع ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ شعر پڑھنے لگیں:

وَاَبْیَضُ تُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
مِثَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

وہ پرنور چہرہ جس کا واسطہ دے کر بادلوں سے بارش مانگی
جائے' جو یتیموں پر مہربان ہو اور بیواؤں کی پناہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوارا نہیں کیا کہ یہ شعر ان کے لئے پڑھا جائے۔ فوراً ٹوک دیا کہ یہ شان تو صرف رسول اللہ ﷺ کی تھی۔

اس موقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ ق کی یہ آیت پڑھی۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝

اور موت کی سکرات حق کے ساتھ آ گئی' یہ وہی ہے جس سے تو کتراتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو سورۃ ق کی یہ آیت تلاوت کی لیکن اس وقت جبریل امین کون سی آیت تلاوت کر رہے تھے! اس بارے میں خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝

اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ (سورۃ فجر آیت 27,28)

پھر عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! کیا خوب ارشاد ربانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں' اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! جب تم کو موت آئے گی تو اس وقت جبریل امین تم سے یہی کہیں گے۔''

آخر وقت زبان مبارک پر یہ دعا تھی:

رَبِّ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحین کے ساتھ ملا۔

رفاقت ابدی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خیال تھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت البقیع میں شہدا کرام کے ساتھ دفن کریں گے جبکہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاہتی تھیں کہ اپنے حجرے میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کریں۔

اسی اثنا میں غنودگی طاری ہوئی تو یہ آواز سنی:

ضَمُّوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

دوست کو دوست کے پاس پہنچا دو۔

ہوش آنے پر معلوم ہوا کہ حاضرین نے بھی اس آواز کو سنا ہے۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند ٹوٹ کر میرے حجرے میں آن گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا۔ پھر جب

رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور آپ ﷺ کی میرے حجرے میں تدفین ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا' لو یہ تیرے چاندوں میں سے ایک ہے اور یہ ان سب میں بہتر ہے۔''

دوسرا چاند آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود تھے جنہیں حضور ﷺ کے پہلو میں جگہ ملی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تیسرا چاند حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ آستانہ اقدس کے سامنے رکھ کر عرض کرنا:

''السلام علیک یارسول اللہ ﷺ! یہ ابوبکر حاضر خدمت ہے۔''

اگر شرف باریابی ہو اور باب کرم وا ہو جائے تو آستانہ اقدس میں دفن کر دینا' ورنہ جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

امام رازیؒ نے سورۂ کہف کی تفسیر کے شروع میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

لَمَّا حُمِلَ جَنَازَۃٌ اِلٰی بَابِ قَبْرِ نَبِیِّ ﷺ وَنُوْدِیَ السَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا اَبُوْبَكْرٍ بِالْبَابِ فَاِذِ الْبَابُ قَدْ اِنْفَتَحَ فَاِذَا بِھَاتِفٍ یَھْتِفُ مِنَ الْقَبْرِ اُدْخِلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت میں سے ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھا کر روضہ اطہر کے دروازے کے سامنے رکھا گیا اور آواز دی گئی' السلام علیک یارسول اللہ ﷺ! یہ

ابوبکر در اقدس پر حاضر ہے تو اچانک دروازہ کھل گیا اور آواز آئی۔

''دوست کو دوست کے ہاں داخل کر دو۔''

تدفین اس طرح ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے دوش مبارک کے برابر تھا۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک طویل اور جذبات سے بھرپور خطاب فرمایا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کی مکمل عکاسی کرتا ہے:

''اے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اللہ تم پر رحم فرمائے' تم رسول اللہ ﷺ کے محبوب' مونس راحت' معتمد' محرم راز اور مشیر تھے..... اسلام پر سب سے زیادہ مہربان' رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے لئے سب سے زیادہ بابرکت' رفاقت میں ان سب سے بہتر' مناقب اور فضائل میں سب سے بڑھ چڑھ کر' پیش قدمیوں میں سب سے اونچے اور وسیلہ کے اعتبار سے حضور ﷺ کے سب سے زیادہ قریب اور حضور ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ..... پس اللہ اسلام اور اپنے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تم کو جزائے خیر عطا فرمائے.....تم کس قدر خوش قسمت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق کے لقب سے نوازا۔ فرمایا: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (اور جو شخص سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں' سورۃ الزمر

آیت 33)۔ تمہاری حیثیت اسلام کے مضبوط قلعے کی تھی۔ کافروں کے لئے عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے' مومنین کے لئے رحمت' انسیت اور پناہ تھے.....تمہاری ہر بات اور ہر دلیل اپنے اندر خاص وزن رکھتی تھی اور تمہاری بصیرت و فراست درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی.....تم پہاڑ کی طرح مضبوط تھے اور نہایت مستحکم ارادے کے مالک تھے.....رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تمہاری موت جیسا کوئی حادثہ مسلمانوں پر کبھی نازل نہیں ہوا.....پس اللہ تم کو تمہارے نبی ﷺ سے ملا دے.....اللہ تمہارے اجر سے تمہیں محروم نہ رکھے اور ہمیں تمہارے بعد گمراہ نہ کرے۔ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۔

یہ خطاب جب تک جاری رہا' مجمع پر سکوت طاری رہا لیکن جونہی تقریر ختم ہوئی' فرط غم سے حاضرین کی چیخیں نکل گئیں اور سب نے بیک زبان کہا:

''بے شک اے رسول اللہ ﷺ کے داماد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! آپ نے سچ فرمایا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرہ مبارک میں داخل ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے خلیفۃ رسول ﷺ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر ہمیں سخت محنت و مشقت میں مبتلا کر دیا۔ آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا سا ہونا تو درکنار' اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی گرد تک پہنچ سکے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہر و باطن دونوں عالم میں اس بلند ترین منصب و مقام کے حامل ہیں جو صرف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خصوصی اعزاز ہے۔ امت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کاوشیں اس طرح ہیں جیسے کھیتی کے لئے بارانِ رحمت۔ آقائے نامدار ﷺ کے ساتھ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' اسلام میں بھی' غارِ ثور میں بھی' میدانِ بدر میں بھی اور گنبد خضرا میں بھی۔

مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے حالات سے قبل تبرکاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح کی ایک مختصر جھلک پیش کی گئی۔ ہر دور میں حصول سعادت کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں حسب توفیق باری تعالیٰ کہنے والے اپنا اپنا حصہ ڈالتے رہے' خواہ وہ آقا ﷺ کے مدح خوان حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں' حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبالؒ ہوں یا ایک خطا کار جو یہ چند اوراق ترتیب دے کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کے سائے میں پناہ کا متلاشی ہو۔ آخر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے باب میں آقائے نامدار ﷺ کے اس جامع ارشاد کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

''انبیاء علیہم السلام کے ماسوٰی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل کسی پر نہ تو آفتاب طلوع ہوا نہ غروب''۔

مناجاتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلیٰ پائے کے شاعر تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد خود کو مکمل طور پر معرکہ حق و باطل کے لئے وقف کر دیا

اور شعر و شاعری کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ رہی۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ درد دل کے اظہار کے لئے شاعری کا سہارا لینا پڑا۔ یہ وہ روز تھا جب آقائے نامدار ﷺ عالم آب و گل سے پردہ فرما گئے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر کیا گزری؟ تخیل اپنی تمام تر بلندی پرواز کے باوجود اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

اس روز ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم سوا ہوگا لیکن رفیق ہمدم اور یار غار کے دل پر جو گزری ہوگی' اس غم میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس کیفیت کو شعروں کی زبان دی ہے جو طبقات ابن سعد حصہ دوئم میں تین مرثیوں کی صورت میں محفوظ ہیں۔ ان اشعار کو پڑھتے ہوئے اس دکھ کا ادراک تو ممکن نہیں جو ثانیٔ اثنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر ٹوٹا' البتہ اس کی ایک جھلک محسوس کی جا سکتی ہے۔

يَا عَيْنُ فَابْكِيْ وَلَا تَسْأَمِيْ ۔۔۔ وَحُقَّ الْبُكَاءُ عَلَى السَّيِّدِ

اے آنکھ' گریہ کر اور اس سے ملول نہ ہو' ایسے سردار کے شایان شان ہے کہ اس پر روئیں

عَلَى خَيْرِ خَنْدَفَ عِنْدَ الْبَلَاءِ ۔۔۔ أَمْسَى يَغِيْبُ فِي الْمُلْحَدِ

ایسے سردار پر جو آزمائش کے وقت بہترین ثابت ہوئے' آج ان کی شام اس طرح ہوئی کہ قبر میں دفن ہو گئے۔

فَصَلَّى الْمَلِيْكُ وَلِيُّ الْعِبَادِ ۔۔۔ وَرَبُّ الْبِلَادِ عَلَى أَحْمَدِ

وہ مالک جو بندوں کا والی' اور شہروں کا پروردگار ہے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے۔

فَكَيْفَ الْحَيَاةُ لِفَقْدِ الْحَبِيْبِ وَزَيْنُ الْمَعَاشِرِ فِي الْمَشْهَدِ

اب زندگی کی کیا صورت ہے' وہ محبوب تو کھو گیا' جو تمام حاضرین صحبت کے لئے وجہ زینت تھا' وہ تو جاتا رہا

فَلَيْتَ الْمَمَاتُ لَنَا كُلُّنَا وَكُنَّا جَمِيْعاً مَعَ الْمُهْتَدِيْ

اے کاش' ہم' سب کو موت آ جاتی' اور سب کے سب اسی ہدایت یافتہ کے ساتھ ہوتے۔

وقال أبو بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه أيضا

لَمَّا رَأَيْتُ نَبِيَّنَا مُتَجَدِّلاً ضَاقَتْ عَلَيَّ بِعَرْضِهِنَّ الدُّوْرُ

جب میں نے اپنے پیغمبر کو کہ سب کے پیغمبر تھے' زمین کے اندر جاتے دیکھا تو مکانات باوجود اپنی وسعت کے مجھ پر تنگ ہو گئے۔

وَارْتَعْتُ رَوْعَةَ مُسْتَهَامٍ وَالِهٍ وَالْعَظْمُ مِنِّيْ وَاهِنٌ مَكْسُوْرُ

میں اس شیدائی کی طرح خوفزدہ ہو گیا جو گھبرایا ہوا حیران و پریشان پھر رہا ہو۔ میری ہڈی کمزور و سست و شکستہ ہو گئی

أَعَتِيْقُ وَيْحَكَ إِنَّ حُبَّكَ قَدْ ثَوَى وَبَقِيْتَ مُنْفَرِداً وَأَنْتَ حَسِيْرُ

اے عتیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرا محبوب تو دفن ہو گیا' اب تو اکیلا رہ گیا' تکان اور تعجب تجھ پر طاری ہے۔

يَالَيْتَنِيْ مِنْ قَبْلِ مَهْلِكِ صَاحِبِيْ غُيِّبْتُ فِيْ جَدَثٍ عَلَيَّ صُخُوْرُ

اے کاش میں اپنے صاحب کی وفات کے قبل ہی' کسی قبر میں اس طرح دفن ہو جاتا کہ مجھ پر پتھر ہوتے۔

فَلَتَحْدُثَنَّ بَدَائِعٌ مِنْ بَعْدِهٖ تَعْيَا بِهِنَّ جَوَانِحٌ وَصُدُوْرُ

آپ ﷺ کے بعد ایسے نئے نئے حوادث پیش آئیں گے' جن (کی گراں باری) سے پسلیاں اور سینے تھک جائیں گے۔

وقال أبو بكر الصديق رضى الله تعالىٰ عنه أيضا

بَاتَتْ تَأَوَّبُنِيْ هُمُوْمٌ حَشْدٌ مِثْلَ الصُّخُوْرِ فَأَمْسَتْ هَدَّتِ الْجَسَدَا

غم والم کے گروہ رات بھر پلٹ پلٹ کر میرے پاس آتے رہے' وہ ایسے سخت تھے کہ پتھروں کی طرح تمام شب جسم کو توڑا کئے۔

يَالَيْتَنِيْ حَيْثُ نَبَّئَتِ الْغَدَاةَ بِهٖ قَالُوا الرَّسُوْلَ قَدْ أَمْسَى مَيِّتاً فُقِدَا

اے کاش (اس وقت میں بھی مر گیا ہوتا) جس وقت دن کو مجھے خبر ملی اور لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے۔

لَيْتَ الْقِيَامَةُ قَامَتْ بَعْدَ مَهْلِكِهٖ وَلَا نَرَى بَعْدَهٗ مَالاً وَّلَا وَلَدَا

کاش آپ ﷺ کی وفات کے بعد قیامت قائم ہو جاتی کہ نہ ہم آپ ﷺ کے بعد مال و دولت کو دیکھتے اور نہ اولاد کو

وَاللّٰهِ أُثْنِيْ عَلٰى شَيْءٍ فَقَدْتُ بِهٖ مِنَ الْبَرِيَّةِ حَتّٰى أَدْخُلَ اللَّحَدَا

واللہ' مخلوقات میں سے جو چیز مجھ سے کھوئی جا چکی ہے میں ہمیشہ اس کی ثناء صفت کیا کروں گا یہاں تک کہ قبر میں داخل ہو جاؤں۔

كَمْ لِيْ بَعْدَكَ مِنْ هَمٍّ يَنْصِبُنِيْ إِذَا تَذَكَّرْتُ أَنِّيْ لَا أَرَاكَ أَبَداً

آپ ﷺ کے بعد غم والم کیا کچھ مجھے آزار پہنچاتے رہیں گے جب میں یہ باور کروں گا کہ اب مجھے کبھی بھی آپ ﷺ کا دیدار نصیب نہ ہوگا۔

كَانَ الْمُصَفَّاءُ فِي الْأَخْلَاقِ قَدْ عَلِمُوْا وَفِي الْعَفَافِ فَلَمْ نَعْدِلْ بِهٖ أَحَدَا

سب کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کیسے پاکیزہ اخلاق تھے' عفت و پرہیزگاری میں ہم سب کسی کو بھی آپ ﷺ کا ہمسر نہیں سمجھتے تھے۔

نَفْسِیْ فِدَاؤُكَ مِنْ مَیِّتٍ وَمِنْ بَدَنٍ مَا اَطْیَبَ الذِّکْرَ وَالْاَخْلَاقَ وَالْجَسَدَ

میری جان آپ پر قربان' کیا تابوت تھا' کیسا جسم تھا' آپ ﷺ کی یاد کتنی پاکیزہ تھی' اخلاق کیسے اچھے تھے' بدن کتنا لطیف تھا۔

ایک روز امیر المکرّم سے ایک نوجوان بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔ حضرت رونا نہیں آتا تو انہوں نے جواب دیا: رونا ہمیں بھی نہیں آتا تھا لیکن ایک مرتبہ دل میں خیال آیا کہ جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو مدینہ کی گلیوں میں کیا عالم ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے وہ منظر نگاہ بصیرت کے سامنے منکشف کر دیا تو آنسو اس طرح بہے کہ اب رکتے نہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مناجات عربی ادب کا شاہکار تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ مناجات انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کی سب سے مہتم بالشان ہستی کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی وہ دعا ہے جس کا ایک ایک لفظ عجز و انکساری کی بے مثل تصویر ہے۔ آخری شعر کی اثر پذیری کا یہ عالم ہے کہ اس کے درد سے انسان دنیا کی نسبت خود کو آخرت کے زیادہ قریب پاتا ہے۔ مناجات کا ایک ایک لفظ دل میں اترتا چلا جاتا ہے جس کا اثر قارئین خود محسوس کر سکتے ہیں۔

خُذْ بِلُطْفِكَ یَا اِلٰهِیْ مَنْ لَّهٗ زَادٌ قَلِیْل

مُفْلِسٌ بِالصِّدْقِ یَاْتِیْ عِنْدَ بَابِكَ یَا جَلِیْل

تھام اس کو لطف سے کہ توشہ اس کا ہے قلیل

صدق سے در پر تیرے آیا ہے مفلس اے جلیل

ذَنْبُهٗ ذَنْبٌ عَظِیْمٌ فَاغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِیْم

اِنَّهٗ شَخْصٌ غَرِیْبٌ مُذْنِبٌ عَبْدٌ ذَلِیْل

ہیں گناہ اس کے بہت' سو بخش تو جرم عظیم

ہے غریب یہ تیرا بندہ اور گنہگار و ذلیل

مِنْهُ عِصْیَانٌ وَنِسْیَانٌ وَسَهْوٌ بَعْدَ سَهْوٍ

مِنْكَ اِحْسَانٌ وَفَضْلٌ بَعْدَ اَعْطَاءِ الْجَزِیْل

اس کے عصیاں اور نسیان' بھول اوپر بھول ہے

پھر بھی تیرا فضل و احسان بعد عطائے جزیل

قَالَ یَا رَبِّیْ ذُنُوْبِیْ مِثْلَ رَمْلٍ لَاتُعَدّ

فَاعْفُ عَنِّیْ کُلَّ ذَنْبٍ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْل

بیشک اے رب' جرم میرے ان گنت ہیں مثل ریت

بخش دے سارے گناہ اور درگزر کر اے جمیل

قُلْ لِّلنَّارِ اَبْرِدِیْ یَا رَبِّ فِیْ حَقِّیْ کَمَا

قُلْتَ قُلْ یَا نَارُ کُوْنِیْ اَنْتَ فِیْ حَقِّ الْخَلِیْل

آگ کو تو کہہ کہ ٹھنڈی ہو مجھ پہ یارب میرے

جیسے تو نے کہہ دیا یانارُ کونی برخلیل

کَیْفَ حَالِیْ یَا اِلٰهِیْ لَیْسَ لِیْ خَیْرُ الْعَمَل

سُوْءُ اَعْمَالِیْ کَثِیْرٌ زَادُ طَاعَاتِیْ قَلِیْل

حال میرا ہے کیا الٰہی' کچھ نہیں اچھے عمل

ہیں برے اعمال میرے زاد طاعت ہے قلیل

اَنْتَ شَافِیْ اَنْتَ کَافِیْ فِیْ مُهِمَّاتِ الْاُمُوْر

اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الْوَکِیْل

سب ہماری مشکلوں میں تو ہی شافی تو ہی بس
تو ہی مالک اور کافی ہے تو ہی بہتر وکیل

عَافِنِیْ مِنْ کُلِّ دَاءٍ فَاقْضِ عَنِّی حَاجَتِیْ
اِنَّ لِیْ قَلْبًا سَقِیْمًا اَنْتَ مَنْ یَّشْفِی الْعَلِیْل

دے مجھے ہر درد سے آرام حاجت کر روا
تو ہی شافی مرض والوں کا' میرا دل ہے علیل

هَبْ لَنَا مُلْکًا کَبِیْرًا نَجِّنَا مِمَّا نَخَافُ
رَبَّنَا اِذْ اَنْتَ قَاضٍ وَالْمُنَادِیْ جِبْرَئِیْل

دے ہمیں گر سلطنت تو' لے بچا دہشت سے تو
رب ہمارے' جب تو قاضی ہو' منادی جبرائیل

رَبِّ هَبْ لِیْ کَنْزَ فَضْلٍ اَنْتَ وَهَّابٌ کَرِیْم
اَعْطِنِیْ مَافِیْ ضَمِیْرِیْ دُلَّنِیْ خَیْرَ الدَّلِیْل

دے خزانہ فضل کا' تو رب ہے وہاب و کریم
کر عطا جو دل میں میرے اور دکھا بہتر دلیل

اَیْنَ مُوْسٰی اَیْنَ عِیْسٰی اَیْنَ یَحْیٰی اَیْنَ نُوْح
اَنْتَ یَا صِدِّیْق عَاصٍ تُبْ اِلَی الْمَوْلَی الْجَلِیْل

ہیں کہاں موسیٰؑ و عیسیٰؑ ہیں کہاں یحییٰؑ و نوحؑ
رہ تو اے صدیقؓ عاصی جانب مولیٰ جلیل

امام التصوف
حضرت ابوعلی خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

اُم المومنین حضرت اُم سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باسعادت کنیز شریفہ کے ہاں حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی ولادت ایک روایت کے مطابق 15ھ میں ہوئی۔ آپؒ کے والد موسیٰ بن داعیؒ انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لائے تو انہوں نے آپ کے حسین چہرہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

سَمُّوْهُ حَسَنًا لِاَنَّهٗ حَسَنُ الْوَجْهِ

یعنی اس کا نام حسن رکھ کیونکہ اس کا چہرہ خوبصورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو یہ سعادت عظمیٰ عطا فرمائی کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گود آپؒ کا گہوارہ بنی۔ حضرت ام سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قدر شفقت سے آپؒ کی پرورش اور کفالت فرمائی کہ بعض روایات کے مطابق ایک مرتبہ بچپن میں پانی کی طلب کا اظہار کیا تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پیالے میں پانی عنایت فرمایا جو آقائے نامدار ﷺ کے زیر استعمال رہا تھا۔ یہ اسی سعادت اور ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شفقت اور تربیت کا اثر تھا کہ آپؒ دین کے اہم ترین شعبہ ''احسان'' کے امام کہلائے۔ حضرت

امام حسن بصریؒ کی اس فضیلت کے بعد کہ آپؒ کی تربیت کا شانہ نبوت ﷺ میں ہوئی، فضیلت کے باب میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض سوانح میں یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضور ﷺ کے پینے کے لئے جو پانی رکھا ہوا تھا آپؒ نے اس میں سے کچھ پانی پی لیا اور یہ جاننے کے بعد کہ یہ پانی حسن نے پیا ہے، حضور ﷺ نے انہیں دعا دی لیکن آپؒ کی تاریخ پیدائش کے متعلق کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آپؒ نے حضور ﷺ کا زمانہ پایا ہو۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام حسن بصریؒ تابعی تھے۔ اس روایت کے اختراع کا پس منظر شاید یہی واقعہ ہے کہ آپؒ کو اس پیالے میں پانی پینے کی سعادت ملی جو حضور ﷺ کے زیر استعمال رہا تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی کنیت ابوسعید بیان کی جاتی ہے اور جواہر فروشی کی وجہ سے حسن لولوائی بھی کہلاتے تھے۔ آپ نے 130 صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملاقات کی جن میں سے ستر صحابہ بدری تھے۔ 14 سال کی عمر تک مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زیر تربیت رہے۔ آپؒ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ 14 سال کے ہوئے تو والدین کے ہمراہ بصرہ چلے گئے جو اس وقت شہر علم تھا۔ یہاں آپؒ نے تفسیر و تجوید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سیکھی اور سلسلہ درس و تدریس شروع کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لائے تو اہلیت کا فقدان دیکھتے ہوئے انہوں نے یہاں کے واعظین کو خطاب سے روک دیا لیکن جب

خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں تشریف لائے اور آپؒ کا بیان سنا تو دریافت فرمایا:

''اے نوجوان، تو عالم ہے یا طالب علم''

آپؒ نے عرض کی:

''اے بزرگ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، اللہ کے آخری نبی ﷺ کے ذریعہ جو کچھ ملا، وہ لوگوں تک پہنچا رہا ہوں۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے فرمایا:

''یہ شخص وعظ کرنے کا حق دار ہے، یہ کامل ہے''۔

اس وقت حضرت حسن بصریؒ پہچان نہ سکے کہ یہ بزرگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ معلوم ہوا تو فوراً ان کے پیچھے بھاگے اور عرض کیا:

اے امیر المومنین مجھے وضو کرنا سکھا دیجئے یا بعض روایات کے مطابق ''طہارت'' سکھا دیجئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طشت منگوایا اور انہیں ظاہری و باطنی طہارت سکھائی۔ آپؒ کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت بھی نصیب ہوئی۔

ڈاکٹر علی عبدالقادر حسن مصری نے حضرت حسن بصریؒ کی تاریخ پیدائش اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ شہادت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ آپؒ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت امام حسن بصریؒ کی تاریخ پیدائش 15ھ ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت 40 ھجری میں ہوئی۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپؒ کی ملاقات کے بارے میں اکثر مورخین کی رائے میں کوئی ابہام نظر نہیں آتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے وقت

حضرت امام حسن بصریؒ کی عمر 25 سال تھی اور ملاقات کی روایت کا زمانہ بھی آپؒ کی نوجوانی کا ہے بلکہ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ آپؒ کو ان کی معیت میں حج ادا کرنے کی سعادت بھی ملی۔

امام تصوف

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جس درسگاہ سے تربیت حاصل کی تھی وہ آقائے نامدار ﷺ کی صحبت اقدس تھی جس نے انعکاسی طور پر بیک نگاہ تمام علوم وفنون ان کے سینوں میں ودیعت فرما دیئے۔ آج کسی بھی موضوع پر صحابی کا قول حرف آخر ہے، جس کے سامنے مفسرین ہوں یا محدثین، علماء ہوں یا فضلاء، متکلمین ہوں یا مفکرین، سب سکوت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد تابعین کا زمانہ آیا تو وہ نگاہ مصطفوی ﷺ میسر نہ تھی جو ایک ہی شخص کو سبھی علوم ودیعت فرما دیتی۔ اس دور میں علوم وفنون کے الگ الگ شعبے مدون ہوئے اور مختلف حضرات نے مختلف شعبوں میں تخصّص حاصل کی۔ وہ درجہ کمال جو ایک صحابی کو بیک نظر تمام شعبوں میں صحبت نبوی ﷺ کے ذریعے حاصل ہوا تھا، تابعین کے دور میں کسی ایک شعبے تک محدود رہا۔ اس دور میں شعبہ تفسیر میں الگ نام ہیں اور شعبہ حدیث میں الگ۔ امام احمد بن حنبلؒ کو امام فقہ تسلیم کیا گیا ہے اگرچہ مسند امام احمد بن حنبلؒ شعبہ حدیث میں بھی سند کا درجہ رکھتی ہے لیکن بات جب حدیث کی ہوگی تو امام بخاریؒ کا نام لیا جائے گا۔

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں لوگوں کی زندگیوں میں کافی تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ مبارک دور اختتام پذیر ہوا جسے براہ راست نگاہ نبوت ﷺ نصیب ہوئی تھی۔ سلطنت اسلامیہ کو فتوحات کے ذریعہ غیر معمولی وسعت ملی جس کے نتیجہ میں مختلف لادینی تہذیب وتمدن کے پروردہ

لوگوں سے روابط پیدا ہوئے۔ دولت کی ریل پیل ہوئی جس سے توکل اور قناعت میں کمی آ گئی۔ حب جاہ اور مال و دولت کے تکاثر نے باہمی نزاع و خلفشار کو جنم دیا۔ ان بدلتی ہوئی اقدار میں بے سکونی کی کیفیت پیدا ہوئی تو ایک طبقہ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پناہ ڈھونڈی اور ذکر وفکر کو اپنا شعار بنایا۔ حضرت امام حسن بصریؒ اس طبقہ کے امام تھے۔

اگرچہ آپؒ کے زمانے میں تصوف بطور ایک شعبہ معروف نہ تھا اور نہ ہی آپؒ کے متعلقین کو صوفیا کا الگ نام دیا گیا لیکن آپؒ نے مواعظ اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ ایک ایسے مکتب فکر کی بنا ڈالی جس کا مطمع نظر خلوص، تعلق مع اللہ اور خشیت باری تھا۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے اعضاء وجوارح کی نیکی اور روح وقلب کی نیکی میں امتیاز قائم کیا۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> ''اصل نیکی روح کی نیکی ہے اور سچی نیکی کا ایک دانہ نمازوں اور روزوں کے ہزار گنا وزن سے بڑھ کر ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچائی اور خلوص کے جس بلند ترین مقام پر فائز تھے، اس کی وجہ سے ان کے عمل کی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قدر ومنزلت ہے کہ بعد میں آنے والے اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: واللہ! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو میرے صحابہ کی ایک صاع کھجوروں کے اجر کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت امام حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ سے وہ قلبی تعلق پیدا کرنے کے نقیب تھے کہ عبادات صرف اعضاء وجوارح تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ قلب وروح بھی ان میں شریک ہو جائے اور حدیث جبریل کے مطابق ہر عبادت کو ''احسان'' کا درجہ حاصل ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عبادات کو یہ درجہ حاصل تھا جبکہ پہلی صدی

کے اواخر میں اس درجہ کو حاصل کرنے کے لئے محنت اور مجاہدوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی' اس کے حصول کا احساس پیدا کیا اور اسے حاصل کرنے کے لئے رہنمائی فرمائی۔

یہ کوتاہ نظری ہو گی کہ دین کے تمام شعبوں کو مدون کرنے والے حضرات تو اپنے اپنے شعبہ کے امام معروف ہوں لیکن حدیث جبریل علیہ السلام میں آقائے نامدار ﷺ کی زبان مبارک سے قرار دیئے گئے اہم ترین شعبے ''احسان'' کو دین کے ایک الگ شعبہ کے طور پر تسلیم نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے ائمہ کی مسلمہ حیثیت کا اعتراف کیا جائے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دور میں دین کے جملہ شعبوں کی تدوین ہوئی تو شعبہ احسان کی تدوین وترویج آپؒ کے حصہ میں آئی اور دیگر شعبوں کی آئمہ کی طرح آپؒ امام التصوف کہلائے۔ آگے چل کر اس شعبہ کے بزرگوں نے تصوف کی باقاعدہ تعلیم دی اور اس کے فروغ واشاعت کے لیے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا۔ ابونعمان اصفہانی نے صوفیاء کی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عبدالواحد بن زیاد نے ایران اور عراق کی سرحد پر ''آبادان'' کے مقام پر تصوف کی پہلی درس گاہ تعمیر کی اور اس طرح حصول تزکیہ کے لئے خانقاہی مکاتب کی ابتدا ہوئی۔

بصرہ میں حضرت امام حسن بصریؒ کے زیر تربیت شاگردوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ابن تیمیہؒ نے اسے دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ تصوف کی ابتدا بصرہ سے ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف کسی خاص دور کی پیداوار نہیں۔ حدیث جبریل میں دین کے جس شعبہ کو احسان کہا گیا ہے' اسی کے لئے مختلف ادوار میں مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی رہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے حضرت امام حسن بصریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس شعبہ کے لئے جہاد النفس

کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ جبکہ ایک حدیث مبارکہ میں اسے جہاد بالنفس کہا گیا ہے۔ اسی شعبہ کے لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے الاحیاء میں تہذیب الاخلاق کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ الفاظ خواہ کچھ بھی ہوں' تزکیہ نفس کہیں' ولایت کہیں' سلوک یا تصوف کہیں' حضرت امام حسن بصری اس شعبہ کے مسلمہ امام ہیں اور نسبت اویسیہ کے شجرہ کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ اس کا آغاز خلیفۂ رسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام التصوف حضرت حسن بصریؒ کے اسمائے گرامی سے ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال 13 ھجری میں ہوا جبکہ حضرت امام حسن بصریؒ کی تاریخ پیدائش کے متعلق 15 ھجری یا اس کے بعد کی روایات ملتی ہیں۔ اس طرح آپؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق اویسیہ حصول فیض کیا۔

خواجہ حسن بصریؒ کا تصوف

امام التصوف حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے عمل اور تعلیمات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی تصوف کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامل واکمل صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ امور دنیا کو نبٹاتے ہوئے استغنا کے پیکر تھے' حضرت امام حسن بصریؒ نے بھی جامع اور عملی تصوف کا سبق دیا۔ آپ صوفیاؒ کے لئے الگ طرح کے لباس یا حلیہ کے قائل نہ تھے۔ خود بھی انتہائی عمدہ لباس پہنتے اور فقیری لباس یا گلیم پوشی کو ریا اور تکبر خیال کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپؒ نے بھی عملی زندگی کا آغاز بطور تاجر کیا۔ ہیروں اور موتیوں کی تجارت کی وجہ سے آپؒ کو حسن لولوائی کہا جاتا ہے۔

آپؒ کے ہاں اللہ سے تعلق اور اعتماد کی وہ انتہا نظر آتی ہے کہ اس یقین کے ساتھ آگ میں ہاتھ ڈال دیا کہ وہ ان کے لئے بھی خلیل اللہ کی طرح ٹھنڈک اور سلامتی بن جائے گی اور اللہ کے بھروسے پر ایک نومسلم کو اخروی نجات کا پروانہ دے دیا۔ آپؒ نے زندگی کے عملی میدان سے فرار کی بجائے یہ سبق دیا کہ امور دنیا بھی سرانجام دیئے جائیں لیکن فکر و عمل آخرت کی نگاہ سے ہو جس کے نتیجہ میں اللہ سے تعلق میں درجہ احسان حاصل ہو جائے اور عمل کی دنیا میں سنت اور شریعت نبوی ﷺ کا نقشہ نظر آئے۔ تعلق باللہ، عملی دنیا اور اجتماعیت سے فرار کی نفی اور شریعت مطہرہ کا اتباع کامل حضرت امام حسن بصریؒ کے تصوف کی تین اہم خصوصیات ہیں جو شان صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امتیاز ہے۔

حضرت امام حسن بصریؒ سالکین کو زیادہ تر نفی اثبات کے ذکر کی تلقین کرتے اور فرمایا کرتے کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر کرتا ہے وہ اللہ کا محب بن جاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے پالیتا ہے۔

آپؒ اپنے مریدوں سے انتہائی شفقت فرمایا کرتے۔ آپؒ کا ارشاد ہے:

''میرے لئے میرے دینی بھائی میرے بیوی بچوں سے زیادہ قریب ہیں۔''

فرمایا کرتے:

''لوگو! میں جو کہتا ہوں وہ سنو کیونکہ میرا علم تمہارے لئے فائدہ بخش ہے جبکہ میرے اعمال تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔''

خواجہ حسن بصریؒ نے اپنے مریدوں کو ایک مرتبہ فرمایا:

''تم لوگ شکل وصورت میں حضور ﷺ کے صحابہ کی مانند ہو۔''

سب لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے لیکن آپؒ نے فرمایا:

''مگر افعال و کردار میں ان سے بالکل برعکس کیونکہ اگر تم لوگ ان کو دیکھ لیتے تو ان کو دیوانہ سمجھتے' اس لیے کہ وہ ایسے پیشوا تھے کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تو پرندوں کی طرح اڑتے اور ہواؤں کی طرح تیز چلتے مگر ہم لوگ ہیں کہ ایسے گدھوں پر سوار ہیں جن کی پیٹھیں زخمی ہیں' پس چلانے اور چلنے سے مجبور ہیں۔''

کرامات

کتب سوانح میں حضرت امام حسن بصریؒ کے احوال میں بہت زیادہ کرامات کا ذکر ملتا ہے۔ تبرکاً یہاں ایک ایسا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو نہایت سبق آموز ہے اور اس کا ذکر حضرت امام حسن بصریؒ پر لکھی گئی بیشتر کتب میں کیا گیا ہے۔

شمعون نامی ایک آتش پرست' خواجہ حسن بصریؒ کا پڑوسی تھا۔ آخری عمر میں بیمار پڑ گیا تو ایک روز آپؒ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد اس کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''تم نے ایک عمر کفر و شرک میں گزار دی ہے اور اب اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو' اسلام لے آؤ شاید اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہو جائے۔''

شمعون نے جواب دیا۔

''مسلمانوں کی تین عادات کی بدولت میں اسلام سے دور رہا ہوں اور اب مجھے اس میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی'

اول یہ کہ مسلمان دنیا کو برا کہتے ہیں جب کہ شب و روز دنیا کے متلاشی اور متوالے ہیں۔ دوم، موت پر یقین کامل رکھتے ہوئے بھی موت کے لیے کوئی سامان تیار نہیں کرتے۔ سوم یہ کہ خدا کے دیدار اور خدا کو حاصل کرنے کے بھی متمنی ہیں اور ہر وہ کام بھی کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں۔''

خواجہ حسن بصریؒ نے جواب دیا:

''تمہاری گفتگو بڑی اچھی ہے۔ اس میں حق شناسی کی دلیلیں ہیں مگر یہ بتا کہ تو نے صرف ان باتوں کی وجہ سے ستر برس آتش پرستی میں برباد کر دیئے جب کہ ایک مسلمان اور کچھ نہ کرے تو کم از کم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور اس بات سے اس کا قرب تو ملے گا۔ تیرا کیا خیال ہے تو نے آتش کو پوجا ہے تو آگے جا کر آگ سے محفوظ رہے گا اور ہم لوگوں نے آتش پرستی نہیں کی تو ہمیں آگ جلا دے گی!''

یہ کہہ کر آپؒ نے فرمایا:

''آگ جلائی جائے، میں اور شمعون دونوں اپنا ہاتھ آگ میں رکھ دیں گے۔ دیکھتے ہیں یہ کسے جلاتی ہے؟''

آگ جلائی گئی تو آپؒ نے اپنا ہاتھ آگ میں رکھ دیا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آگ نے کوئی ضرر نہ پہنچایا۔ شمعون نے یہ روح پرور منظر دیکھا تو اس کا دل ہدایت الٰہی سے منور ہو گیا۔ اس نے فوراً خواجہ حسن بصریؒ سے عرض کیا:

''حضرت اسی وقت کلمہ پڑھایئے۔ کفر و شرک میں ایک عمر بسر کی ہے اور اب چند سانس باقی ہیں، کیا خبر یہ گھڑی پھر

نصیب ہو کہ نہ ہو؟ اگر میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں تو کیا آپؒ مجھے ضمانت دے سکتے ہیں کہ میں عذاب الٰہی سے بچ جاؤں گا؟''

آپؒ نے فرمایا:

''کیوں نہیں، میں تمہیں لکھ دیتا ہوں کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور بخش دیں گے۔''

چنانچہ ایک اقرار نامہ تیار کیا گیا جس پر خواجہ حسن بصریؒ کے علاوہ دیگر عادل حضرات کے دستخط بطور گواہ بھی ثبت کیے گئے۔ پھر شمعون نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ ادھر وہ مسلمان ہوا، ادھر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپؒ نے اس کو غسل دیا، کفن پہنایا اور وہ اقرار نامہ اس کے ہاتھ میں دے کر اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا۔ رات نوافل میں بسر کی اور اللہ تعالیٰ کے آگے عرض کرتے رہے:

''اے رب کریم! میں تو خود گناہ گار ہوں، کسی کی بخشش کی کیا ضمانت دے سکتا ہوں! میں نے ایک دعویٰ کر دیا ہے، اب تو میری لاج رکھنے والا ہے ورنہ قیامت کے روز میں اس شخص کو کیا منہ دکھاؤں گا جس نے میری ضمانت پر کلمہ پڑھا''۔

اس بے کلی میں آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ شمعون کے سر پر تاج ہے اور وہ عمدہ لباس میں ملبوس جنت کے باغات کی سیر کر رہا ہے۔

آپؒ نے پوچھا:

''اے شمعون سنا تیرا کیا حال ہے؟''

شمعون بولا:

''اے حسن بصری' میں بتانے کے لئے وہ زبان اور الفاظ
نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا کیا مہربانیاں کی ہیں۔
مجھے میرے گناہوں کی معافی دی' مجھے جنت کے محلات میں
اتارا' مجھے اپنا دیدار کرایا اور وہ انعامات دیئے کہ بس میں
کچھ بھی بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔''

پھر اس نے وہ اقرار نامہ حضرت حسن بصریؒ کو واپس کرتے ہوئے کہا:

''اب آپؒ پر کوئی ذمہ داری نہیں' آپؒ ہر ضمانت سے
سبکدوش ہیں۔''

حضرت بصریؒ کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ اقرار نامہ آپؒ کے ہاتھ میں تھا۔ فوراً سجدے میں گر گئے اور عرض کی:

''اے مالک کون ومکاں! تیری ذات کتنی مہربان اور غفور و
رحیم ہے۔ ایک آتش پرست جس نے ستر سال تیری نافرمانی
کی اور فقط ایک مرتبہ کلمہ پڑھا' تو نے اس کو نہ صرف بخش
دیا بلکہ اس کو بلند و بالا درجات بھی عطا فرمائے۔''

آواز آئی:

''حسن بصری! تو نے ہمارے بھروسے پر وعدہ کیا اور ایک
گمراہ کو سیدھی راہ پر لایا' پھر ہم تمہیں کیونکر رسوا کرتے!
ہمیں تمہارا بھرم رکھنا منظور تھا۔''

اس واقعہ میں ہمارے لیے مقام فکر ہے کہ آج شمعون جیسے بے شمار لوگ ہمارے کردار کو دیکھتے ہوئے اسلام سے بدظن ہو چکے ہیں۔ ہم ان کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین رکاوٹ بن چکے ہیں۔ روز محشر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم

ان کے بھی مجرم ٹھہرائے جائیں گے!

امام التصوف کا وہ قول نقل کرنا بھی مناسب ہوگا جو کرامات کے موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ آپؒ نے فرمایا:

''کرامت وہ عمل ہے جس سے یقین ابھرے' کرامت وہ
عمل ہے جو بار آور ہو۔ جسے یہ دونوں کرامات نصیب
ہوئیں' اگر وہ پھر کسی اور کرامت کا طالب ہوا تو فریبی اور
جھوٹا ہے یا وہ علم و عمل میں غلط کار ہے۔''

ظالم حکمران اللہ کا عذاب ہیں

حجاج بن یوسف ایک مرتبہ اپنی سپاہ کے ہمراہ دوران وعظ آپؒ کی مجلس میں آن پہنچا۔ آپؒ نے حجاج کی آمد پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنا وعظ جاری رکھا اور بے باکانہ احکام خداوندی بیان کرتے رہے۔ آپؒ کا ارشاد مکمل ہوا تو حجاج نے دست بوسی کرتے ہوئے لوگوں سے کہا' اگر تم کسی مرد خدا سے ملنا چاہتے ہو تو حسن کو دیکھ لو۔

حجاج بن یوسف کے آئندہ نسلوں پر احسانات سے قطع نظر جن میں قرآن حکیم پر اعراب لگوانا' توسیع سلطنت اسلامیہ اور امت میں عقائد کے بگاڑ کو روکنا شامل ہیں' ایک جرم ایسا ہے جس پر آج بھی دل لرز اٹھتا ہے' یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے تھے جن کی پیدائش پر مدینہ میں خوشی منائی گئی۔ ہجرت کے دو سال بعد ان کی پیدائش کے ساتھ کفار کے اس دعوے کی تردید ہوگئی کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد مسلمانوں میں کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔ آقائے نامدار ﷺ کا لعاب دہن حضرت عبداللہ ابن

زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی غذا تھی۔ اس پائے کی ہستی کو حجاج بن یوسف نے بیت اللہ میں شہید کیا اور جسد مبارک کو تین دن تک سولی پر لٹکائے رکھا۔

خواجہ حسن بصریؒ حجاج کے اس جرم پر بہت زیادہ ناراض تھے لیکن جب عراق میں بغاوت ہوئی اور طے پایا کہ ہر وہ بچہ جو پگڑی باندھتا ہے' حجاج کے مقابلے میں تلوار لے کر میدان میں آ جائے تو حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے مخالفت کی۔ آپؒ ان لوگوں کو قابل تعریف نہ سمجھتے تھے جو بدعنوان والیان ملک کو برطرف کرنے کے لئے باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث ہوں۔ ابن الاشعث نے 81 ھجری میں انہیں اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ظالموں کے متشددانہ افعال خدا کی طرف سے عذاب ہیں جس کا مقابلہ تلوار سے نہیں کیا جا سکتا۔

اَعْمَالُکُم عُمَّالُکُم

تمہارے اعمال تم پر حکمران ہوں گے۔

حضرت امیر المکرّم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی قوم انسانیت چھوڑ کر بھیڑیا بن جاتی ہے تو جو زیادہ طاقتور بھیڑیا ہوگا' وہ ان کا سردار ہوگا۔ اپنے حکمرانوں کے کردار کو دیکھتے ہوئے خود اپنے کردار کا محاسبہ کرو۔

حضرت امام حسن بصریؒ اپنے زمانے کے حکمرانوں پر بڑی جرأت سے تنقید کرتے جو اصولوں پر مبنی ہوتی۔ 86 ھجری میں آپؒ نے حجاج بن یوسف کے حکم سے شہر واسط کی تعمیر پر اعتراض کر دیا تو اس کے مغضوب ٹھہرے اور روپوش ہونا پڑا۔

حجاج بن یوسف کے سپاہیوں نے حضرت سعید بن جبیر تابعیؒ کو بے دردی سے شہید کیا تو اس کے بعد وہ آپؒ کی تلاش میں نکلے۔ آپؒ کو اطلاع ملی

تو حضرت حبیب عجمیؒ کی خانقاہ میں روپوش ہو گئے۔ سپاہی یہاں بھی پہنچ گئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ حسن بصریؒ یہاں تو نہیں آئے۔ انہوں نے جواب دیا ''آئے ہیں اور حجرے میں ہیں۔'' سپاہی حجرے میں گئے مگر وہاں آپؒ کو نہ پایا۔ واپس آ کر ان سے دوبارہ سوال کیا ''حجرے میں تو نہیں ہیں' ہمیں ٹھیک سے بتائیں کہ وہ کہاں ہیں۔'' حبیب عجمیؒ نے کہا ''میں قسم کھاتا ہوں کہ حسن بصریؒ حجرے میں ہی ہیں۔''

سپاہی جب بھی حجرے میں جاتے اسے خالی پاتے۔ آخر تذبذب کے عالم میں تنگ آ کر خود ہی چلے گئے۔ حسن بصریؒ حجرے سے باہر نکلے تو حبیب عجمیؒ سے کہا: ''میں سمجھ گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے ان ظالموں سے نجات دلائی مگر آپ نے یہ کیوں کہہ دیا کہ میں حجرے میں ہوں۔'' حبیب عجمیؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''اللہ تعالیٰ نے میری برکت سے آپؒ کو غائب نہیں کیا بلکہ
سچ بولنے کی وجہ سے آپؒ کو حفاظت میں رکھا۔''

امام حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ

حضرت حبیب عجمیؒ کا تعارف یہ ہے کہ وہ حضرت امام حسن بصریؒ کے شاگرد اور آپؒ کی ایک کرامت تھے۔ ایک زمانے میں بصرہ کے سب سے بڑے سودخور تھے۔ اصل زر اور سود وصول کرنے میں کامیاب نہ ہوتے تو اس کی طلبی میں جو وقت ضائع ہوتا' اس کی قیمت وصول کئے بغیر نہ لوٹتے۔ ناگہاں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ دل میں سودخوری سے تنفر پیدا ہو گیا اور اطمینان قلب کے لیے آپؒ کی محفل میں حاضر ہوئے۔

لوگ بڑی وارفتگی سے حضرت حسن بصریؒ کا وعظ سن رہے تھے۔ لقمہ

حلال موضوع سخن تھا اور سود جیسے حرام کاروبار کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے اس قول کی تفسیر بیان کی جارہی تھی:

''جو چیز تمہارے خرچ سے بچ جائے اس کو حاجت مندوں میں تقسیم کردیا کرو۔''

روزِ محشر کے عذاب سے خبردار کرتے ہوئے خواجہ حسن بصریؒ فرمارہے تھے کہ اس دن کوئی دوستی یا سفارش کام نہ آئے گی اور نہ ہی عالی نسب ہونا کام آئے گا۔

حضرت حبیب عجمیؒ اپنے دل میں سودی کمائی کے متعلق ایک سوال لئے حضرت امام حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہاں اسی موضوع پر بات ہورہی تھی۔ حضرت جیؒ کی محافل میں بھی اکثر یہی صورت دیکھنے میں آتی کہ لوگ دلوں میں مختلف سوال لئے حاضر ہوتے لیکن دوران گفتگو یہ سوالات خود بخود حل ہو جاتے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی محفل میں بھی کچھ ایسی ہی صورت پیش آئی۔

حبیب عجمیؒ کو اس وقت بصرے کے لوگ ایک سود خور کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن اس وقت ان کے اندر کی دنیا بدل چکی تھی۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی تقریر سن کر حالت غیر ہوگئی۔ تقریر ختم ہوئی تو اٹھ کر خواجہ حسن بصریؒ کے پاس گئے اور عرض کیا:

''میں آپ سے تخلیے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

آپؒ نے فرمایا:

''سود خوری علی الاعلان کرتے ہو، سودی اقساط دیدہ دلیری سے وصول کرتے ہو اور مجھ سے بات تخلیے میں کرنا چاہتے

ہو! میں سود کے متعلق کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔''

انہوں نے عرض کیا:

''حضرت میں اپنے سابقہ مذموم اعمال کی وجہ سے سخت پریشان اور شرمندہ ہوں۔ آج میں نے اپنے سودی کاروبار سے توبہ کرنی ہے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنے تمام مقروضوں کے قرض معاف کردوں اور اپنے پاس جو رقم ہے اس کو خدا کی راہ میں لٹادوں۔''

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

''اگر یہ بات ہے تو اپنی باقی زندگی توبہ اور استغفار میں بسر کرو، میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تمہارے درجات بہت بلند کرے گا۔''

حضرت حبیب عجمیؒ بہت دیر تک روتے رہے اور عرض کی:

''اے خواجہ حسن بصریؒ! میں نے آپؒ کو اور اپنی اہلیہ کو شاہد و گواہ بنایا ہے اور اپنے گناہوں سے عملی توبہ کی ہے۔ آپؒ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فیصلے پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔''

خواجہ حسن بصریؒ نے ان کے لیے صمیم قلب سے دعا مانگی:

''اے اللہ! حبیب عجمیؒ کی توبہ قبول فرما اور اس کو اپنے ارادے پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما۔''

دعا ختم ہوئی تو حضرت حبیب عجمیؒ اپنے قرض داروں کے قرضے معاف کرنے کے لیے چل پڑے۔

تعلیمات

قرآن حکیم کی تفسیر میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد تھے۔ آپؒ کے مواعظ سے مفسرین نے ہر دور میں رہنمائی حاصل کی ہے اور قدیم وجدید تمام تفاسیر میں آپ کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ اپنے مواعظ کے ذریعہ حضرت امام حسن بصریؒ عمر بھر لوگوں کو ارتکاب گناہ سے منع کرتے رہے۔

ان مواعظ میں سے کچھ اجزا محفوظ رہ گئے ہیں جن کا شمار ابتدائی عربی نثر کے بہترین نمونوں میں ہوتا ہے۔ ان مواعظ کو بہترین اسلوب بیان کی بدولت اعلیٰ ترین بلاغت وفصاحت کی صف میں جگہ حاصل ہے۔ المبرد اور الجاحظ نے ان مواعظ کو اموی عہد کے سیاسی رہنماؤں کی مشہور تقریروں کے ساتھ اسلوب بیان کے مثالی نمونوں کے طور پر نقل کیا ہے۔ آپؒ کے اقوال اپنی جامعیت اور ادبی معیار کی وجہ سے عربی لغت کی اہم کتابوں میں بھی درج ہیں۔ ان میں سے دو مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

حَادِثُوا هٰذِهِ الْقُلُوْبَ فَإِنَّهَا سَرِيْعَةُ الدُّثُوْرِ۔

ان قلوب کو از سر نو جلا دے لو' کیونکہ یہ دل بہت جلد زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

اِجْعَلِ الدُّنْيَا كَالْقَنْطَرَةِ تَجُوْزُ عَلَيْهَا وَلَا تَعْمُرُهَا

اس دنیا کو ایک پُل سمجھو جس پر سے تم گذر جاتے ہو اور اس پر ڈیرے نہیں ڈال لیتے۔

عربی کے مواعظانہ ادب کی شاید ہی ایسی کتاب ہو جس میں حضرت امام حسن بصریؒ کے اقوال نہ ملتے ہوں لیکن آپؒ کی تعلیمات کی حفاظت کا اصل

ذریعہ اہل اللہ کی جماعت ہے جس نے آپؒ کی تعلیمات کو حفظ جاں بنا لیا' خود بھی ان پر عمل کیا اور یہی تعلیمات ان کی دعوت کی بنیاد بنیں۔ یہاں صرف چند ایک اقوال کا ذکر ممکن ہو سکے گا۔

ریا: سلوک کی راہ میں ریا اور تکبر سب سے بڑی ہلاکت ہے۔ ایسے لوگوں کے نام بکثرت ملتے ہیں جنہیں بلند مناصب اور مقامات ملے لیکن شیطان نے ریا اور تکبر کے وار سے انہیں داستان عبرت بنا دیا۔ اس ضمن میں امام التصوفؒ نے اپنے ایک شاگرد کو نصیحت فرمائی جو راہ سلوک کے ہر مسافر کے پیش نظر رہنی چاہیے۔ ایک مرید اتنا عبادت گزار تھا کہ جب بھی قرآن مجید کی کوئی آیت سنتا تو بے خود ہو جاتا اور زمین پر گر جاتا۔ آپؒ نے اس کو سمجھایا:

''تو یہ کام بے شک کر مگر اس کو لوگوں میں نہ کر۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ریا کی بیماری میں مبتلا ہو کر ہلاکت میں ڈال دیا جائے اور تیری یہ کیفیات تجھ سے سلب کر لی جائیں کیونکہ ریا کاری وہ مہلک بیماری ہے جس سے تمام مراتب آن کی آن میں چھن جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ختم ہو جاتی ہیں اور بڑے سے بڑا ولی بھی لمحہ بھر میں تہی دست بن جاتا ہے۔''

کچھ لوگوں میں برسر عام کسر نفسی کا اظہار ایک عادت کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ اسے بھی ریا قرار دیتے ہیں۔ آپؒ کا فرمان ہے:

''برسر عام نفس کی تحقیر دراصل نفس کی تعریف ہے''

حضرت امام حسن بصریؒ بہت نفیس اور عمدہ لباس پہنتے اور عمامہ کے بغیر کبھی گھر سے باہر نہ نکلتے۔ عموماً سیاہ عمامہ پسند فرماتے۔ فقیری لباس کو آپؒ جامہ ریا سمجھتے اور فرمایا کرتے کہ گلیم پوشوں میں زیادہ تکبر ہوتا ہے۔

صبر: ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہو اور صبر کی اقسام کے متعلق دریافت کیا۔ آپؒ نے فرمایا:

''صبر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ بلا اور مصیبت میں حق پر ثابت قدم رہنا اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے' ان سے رک جانا۔''

اس نے کہا: آپ بڑے زاہد ہیں' میں نے آپ سے بڑا زاہد کوئی نہیں دیکھا۔ آپؒ نے فرمایا:

میرا زہد رغبت اور لالچ کا نتیجہ ہے اور میرا صبر ابتلاؤں پر تکدر اور جزع وفزع کا نتیجہ ہے۔''

اس نے حیرت سے کہا' آپ نے تو میرا اعتقاد متزلزل کر دیا' وضاحت فرمائیں۔ حضرت امام حسن بصریؒ نے فرمایا:

''میرا زہد آخرت کی نعمتوں کی لالچ اور رغبت پر مبنی ہے اور میرا صبر مصائب دنیا پر جزع فزع نہ کرنا اور اخروی معاملات سے خوف وتکدر کا نتیجہ ہے۔''

تقویٰ: حضرت امام حسن بصریؒ نے تقویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

'' تقویٰ کی اصل روح یہ ہے کہ انسان غیض وغضب کی حالت میں بھی سچائی کا دامن نہ چھوڑے۔ ہر حال میں حق بات کرتا رہے اور جن باتوں کو معروف قرار دیا گیا ہے اور کرنے کا حکم دیا گیا ہے' ان کی پابندی کرے اور جن باتوں کی ممانعت کر دی گئی ہے' ان کی طرف نہ دیکھے اور نہ کرے تو وہ صحیح متقی کہلانے کا حق دار ہوگا۔''

آپؒ نے فرمایا:

''تقویٰ دین کی اساس ہے اور لالچ تقویٰ کو ضائع کر دیتا ہے۔ تقویٰ کے تین مدارج ہیں:

اول: غیض وغضب کے عالم میں سچی بات کہنا۔

دوم: ان چیزوں سے بچنا جن سے اللہ نے اجتناب کا حکم دیا ہے۔

سوم: احکام الٰہی پر راضی برضا رہنا۔''

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کسی شخص کو اس کے اعمال کی وجہ سے کمتر نہ سمجھتے۔ آپؒ کا ارشاد ہے کہ بعض اوقات ہم لوگوں کو ظاہری اعمال کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں جبکہ اللہ کے نزدیک ان کا جو مقام ہوتا ہے' اس سے ہم بے خبر ہوتے ہیں۔

توبہ: آپؒ فرمایا کرتے:

''جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے قرب الٰہی بڑھ جاتا ہے اور اسی طرح بار بار توبہ کرنے سے قربت بڑھتی جاتی ہے۔''

ایک مرتبہ خواجہ حسن بصریؒ کسی کے جنازے کے ساتھ شریک تھے۔ جب لوگ مردے کو لحد میں اتار چکے اور گھروں کی طرف جانے لگے تو آپؒ نے لوگوں سے کہا:

''تم نے اپنے اس مردہ بھائی کا انجام دیکھ لیا۔ یہ جگہ دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی منزل ہے' پھر غرور وناز کیسا! دنیا میں جب ہمارا انجام ایسا ہے تو ہمیں عبرت پکڑنی چاہیے۔''

آپ فرماتے:

''اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد دنیا کی

حالت کیا ہوگی تو یہ دیکھ لو کہ دوسروں کے مرنے کے بعد دنیا
کی حالت کیا ہے۔''

آپ فرمایا کرتے:

ہر فرد دنیا سے تین تمنائیں لئے چلا جاتا ہے:

اول: جمع کرنے کی حرص۔

دوم: جو کچھ کرنا چاہا' وہ نہ کر سکا۔

سوم: توشہ آخرت جمع نہ کر سکا۔

آپؒ کے ہمعصر تابعی یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ جب حسن آتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ اپنے کسی قریبی عزیز کو دفن کر کے آ رہے ہوں اور جب بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ ایک ایسے قیدی ہیں جس کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہو اور جب ان کے سامنے دوزخ کا ذکر کیا جاتا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا کہ دوزخ صرف انہیں کے لئے بنائی گئی ہے۔

یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن بصریؒ کو کبھی کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے اور زیادہ ہنسنے سے دل مر جاتا ہے۔ جب قرآن پڑھتے تو شدت تاثر سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؓ نے خواجہ حسن بصریؒ سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت کریں تو آپؒ نے فرمایا' تین چیزوں سے بچو:

اول: بادشاہوں کے قرب اور ان کی عنایات کی تمنا سے
کیونکہ ان کے مزاج بدلتے دیر نہیں لگتی۔

دوم: کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے خواہ

اس کو قرآن ہی کیوں نہ پڑھانا ہو۔

سوم: دنیا کے کسی بھی راگ رنگ سے۔

جس نے ان باتوں کو پلے باندھا اس نے فلاح کی راہ پائی۔''

مردہ دل: حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا:

''اعمال کی بربادی اور لوگوں کی بیماری کس میں ہے؟

آپؒ نے فرمایا:

''دلوں کی موت میں''

پوچھا گیا:

''دلوں کی موت کس میں ہے؟''

فرمایا:

''دنیا کی محبت میں۔ جب دنیا کی جیت' ہوس اور لالچ دل
و دماغ پر سوار ہو جائیں تب دل مردہ ہو جاتا ہے اور
سارے نیک اعمال ضائع اور برباد ہو جاتے ہیں۔''

كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (حیوانوں جیسے بلکہ ان سے بدتر)

ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے وعظ میں فرمایا:

''کتے میں دس خصلتیں ایسی ہیں جو بہت کم انسانوں میں
پائی جاتی ہیں۔ ایسا انسان جو ان خصلتوں سے یکسر عاری
ہے' اس سے کتا ہزار درجہ بہتر ہے:

کتا بھوکا رہتا ہے' یہ صالحین کی علامت ہے۔

ذاتی مکان کوئی نہیں ہوتا' یہ متوکلین کی علامت ہے۔

راتوں کو کم سوتا ہے' یہ شب زندہ دار لوگوں اور محبین کی

علامت ہے۔

کتے کی کوئی جائیداد نہیں ہوئی اور وہ کوئی میراث نہیں چھوڑتا' یہ صفت زاہدین کی ہے۔

اپنے مالک سے کبھی بے وفائی نہیں کرتا خواہ وہ کتنا ہی رنجیدہ کیوں نہ ہو اور مالک اسے کتنا ہی کیوں نہ مارے۔ یہ علامت صادقین کی ہے۔

وہ سب سے ادنیٰ جگہ بیٹھتا ہے' یہ علامت متواضعین کی ہے۔

اس کی سونے کی جگہ چھن جاتی ہے تو وہ چپکے سے دوسری جگہ چلا جاتا ہے' یہ علامت راضیین کی ہے۔

اس کو مارنے اور جھڑکنے کے بعد پیار کریں یا اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دیں تو سب کچھ بھلا کر دم ہلاتا چلا آتا ہے' یہ نشانی خاشعین کی ہے۔

جب اس کا مالک کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو وہ دور بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے' یہ علامت سالکین کی ہے۔

جب کسی جگہ کو چھوڑ دیتا ہے تو پھر کبھی اس جگہ کا خیال بھی نہیں کرتا' یہ نشانی مجردین کی ہے۔"

معرفت: آپؒ نے فرمایا:

"معرفت یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں ذرہ بھر خصومت نہ پائے۔ دل سے معرفت الٰہی اٹھ جائے تو اس کی جگہ برائی لے لیتی ہے جو تفکرات اور پریشانیوں کو جنم دیتی ہے۔"

حیات جاودانی: آپؒ فرماتے ہیں:

"حیات جاودانی اس چند روزہ عمل سے نہیں' نیک نیت سے ہے۔ فکر آئینہ ہے کہ تیری نیکیاں اور برائیاں تجھے دکھا دے۔ جو بات سر حکمت سے نہیں وہ آفت ہے۔ جو خاموشی سر فکر سے نہیں وہ تمام تر شہوت اور غفلت ہے۔ جو نظر سر عبرت سے نہیں وہ بالکل بیہودہ اور ذلت ہے۔"

نفاق: آپؒ نفاق کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ظاہر و باطن کا ایک دوسرے کے برعکس ہونا نفاق ہے۔ کوئی مومن ایسا نہیں ہوا اور نہ ہوگا جو اس خوف سے کانپتا نہ ہو کہ مبادا وہ منافق ہو۔ مومن وہ ہے جو ہر حال میں یکساں ہو' اس کا ظاہر اور باطن ایک سا ہو' ایسا نہیں کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے کہتا رہے۔"

دنیا کی محبت: حضرت خواجہ حسن بصریؒ مال و دولت سے محبت اور طلب دنیا سے متنبہ کرتے رہے۔ آپؒ فرمایا کرتے:

"انسان موت کے راستے پر گامزن ہو چکے ہیں اور جو مر گئے ہیں' وہ اپنے پیچھے دوسروں کے آنے کے منتظر ہیں۔"

کسی نے کہا فلاں نزع کی حالت میں ہے تو فرمایا:

"وہ تو ستر سال سے نزع کی حالت میں ہے' اب آزاد ہو جائے گا۔"

حضرت امام حسن بصریؒ نے ایک شخص کو' جو ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھا' اس کی دولت کی وجہ سے رد کر دیا۔ دنیا کے متعلق آپؒ نے فرمایا:

"دنیا دارِ عمل ہے۔ وہ شخص جو دنیا کو ناپسند اور دشمن سمجھتے

ہوئے زندگی گزارتا ہے' خود بھی کامیاب ہے اور دنیا کو بھی عزت بخشتا ہے۔ وہ شخص جو دنیا کی چاہت میں زندگی گزارتا ہے اور اسی میں ڈوبا رہتا ہے' وہ اپنا بھی نقصان کرتا ہے اور دنیا کے لئے بھی بے کار ہے۔''

بیباکانہ نصیحت: اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک نے عمر بن ہبیرہ کو عراق کی گورنری پر مامور کیا تو اس نے حضرت حسن بصریؒ کو بلا کر رائے طلب کی۔ آپؒ نے جواب دیا:

''ابن ہبیرہ! یزید کے معاملہ میں اللہ سے ڈر' اللہ کے معاملہ میں یزید سے نہ ڈر۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے لیکن یزید تجھ کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے پاس ایک فرشتہ بھیجے گا۔ وہ تجھ کو تیرے تخت سے اتار کر اور تیرے وسیع محل سے نکال کر ایک تنگ قبر میں ڈال دے گا۔ اس وقت تیرے عمل کے سوا کوئی شے تیرے کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی امداد کے لئے بنایا ہے۔ تم اللہ کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ اس کے دین اور بندوں پر سوار نہ ہو جاؤ۔ اللہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے اس کی مخلوق کے سامنے اظہار عبودیت کریں۔''

گناہ کبیرہ کا ارتکاب نفاق ہے: ایسا دنیا دار جسے اپنے دین اور ایمان کا احساس نہ ہو اور بلا تامل گناہ کرتا رہے' حضرت امام حسن بصریؒ نے اس کے لئے منافق کی اصطلاح استعمال کی۔ آپؒ کو اس عقیدے کے سب سے بڑے

نمائندے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ صاحب الکبیرہ منافق ہے۔

دشمنی: فرمایا:

''اگر تم کسی سے دشمنی کرنا چاہو اور وہ اللہ کا فرماں بردار بندہ ہے تو اس سے دستبردار ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے حوالے نہ کرے گا اور اگر وہ نافرمان ہے تو تمہارا مطلب خود بخود نکل آئے گا۔ اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے' پس ہر مسلمان تجھ سے محفوظ رہے گا۔''

آپؒ نے فرمایا:

''ہزار آدمیوں کی دوستی بھی ایک شخص کی دشمنی کے بدلے میں نہ خریدو۔''

غیبت: حضرت حسن بصریؒ کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے ان کی غیبت کی ہے۔ آپؒ نے اس کے ہاں کھجوروں کا ایک تھال بھیج دیا کہ تم نے اپنی نیکیاں میرے نامۂ اعمال میں منتقل کی ہیں۔ اجر تو نہیں چکا سکتا اس لئے کھجوریں نذر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

دنیا و آخرت: ایک شخص نے آپؒ سے دنیا اور آخرت کے متعلق سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا:

''دنیا اور آخرت کی مثال مشرق اور مغرب کی ہے۔ تم ان میں سے ایک سے جتنا قریب ہوتے جاؤ گے' دوسرے سے اتنا ہی دور ہٹتے جاؤ گے۔ عقلمند وہ ہے جس نے آخرت کی خاطر دنیا کی محبت کو خیر باد کہہ دیا۔''

صحبت بد: خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص کسی بدطبقہ کے لوگوں سے رسم وراہ پیدا کرتا ہے تو دراصل یہ اس کی اپنی برائی اور شرارت کا نتیجہ ہے کیونکہ اگر اس کی سرشت میں بھلائی ہوتی تو وہ ازخود نیک وطاہر لوگوں کی صحبت کی طرف راغب ہوتا۔ چنانچہ ہر برے آدمی کو کسی دوسرے شخص یا بری صحبت پر الزام لگانے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیے کہ وہ اپنی نااہلیت ونالائقی کے سبب برائی کے کنویں میں گرا۔

برے لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ صوفیاء کے گرد اپنی خواہشوں کے حصول کے لیے جمع ہوجایا کرتے ہیں اور نام نہاد صوفی بھی بن جاتے ہیں اور جب مطلب براری نہ ہوتو اپنی راہ لیتے ہیں اور صوفیاء کرام کے منکر ہوجاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اولیاء کرام کے ہاں حاضر ہوتے ہیں' وہ نہ صرف صوفیاء کی نظر میں مقبول ومنظور ہوجاتے ہیں بلکہ اللہ کریم بھی ان کو برگزیدہ مقام عطا فرماتا ہے۔ یہی نیک اور بدلوگوں میں فرق ہے کہ برے لوگ دنیاوی مقاصد حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں جب کہ نیک لوگوں کو آخرت کی دولت' بزرگان دین کی نظر کرم اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا درکار ہوتی ہے۔''

بری صحبت کے اثرات سے تنبیہ کرتے ہوئے آپؒ فرمایا کرتے:

''اِنَّ صُحْبَةَ الْاَشْرَارِ تُورِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ

یعنی برے لوگوں کی صحبت نیک لوگوں سے بدگمان کر دیتی ہے۔''

خواجہ حسن بصریؒ ہفتہ میں ایک مرتبہ وعظ کہتے جسے سننے کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوجاتا۔ آپؒ سامعین کی کثرت سے خوش نہ ہوتے بلکہ کسی درویش کی موجودگی سے خوش ہوا کرتے۔ حضرت رابعہ بصریؒ آپؒ کی ہم عصر تھیں اور وہ بھی آپؒ کا درس سننے آیا کرتی تھیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپؒ کے وعظ میں تو بڑے بڑے بزرگ حاضر ہوتے ہیں لیکن آپؒ صرف ایک بوڑھی عورت کے نہ ہونے سے وعظ کیوں ترک کر دیتے ہیں۔ فرمایا' ہاتھی کے برتن کا شربت چیونٹیوں کے برتن میں کیسے سما سکتا ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفۃ المومنین بنے تو ان کے نام حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ایک نصیحت آموز رسالہ تحریر فرمایا جو تاریخ میں محفوظ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آپؒ کو ایک مکتوب بھیجا اور ایسی نصیحت کے لیے درخواست کی جس سے انہیں ہر کام میں مدد ملے۔ آپؒ نے لکھا:

''اگر اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے تو دل سے ہر قسم کا خوف نکال دو اور اگر وہ مددگار نہیں تو کسی سے کوئی امید نہ رکھو۔ اس دن کو ہمیشہ یاد رکھو جب موت سر پر کھڑی ہوگی۔''

خواجہ حسن بصریؒ نے مسلمانوں کے سامنے قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کی عملی تفسیر پیش کی۔ ان کا بیان اس طرح حقیقت کی ترجمانی کرتا کہ دلوں میں اتر جاتا۔ تذکرہ نگار بیان کرتے ہیں:

''حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا بیان اس قدر درد وکرب اور سوز وگداز سے پر ہوتا تھا کہ آپؒ کی زبان سے جو بات نکلتی' لوگوں کے دلوں میں اتر جاتی۔ آپؒ کی زبان میں

غضب کی تاثیر تھی ۔ لوگ آپ کو امام زمانہ' صاحب کرامت اور مستجاب الوقت ولی تسلیم کرتے۔''

روئیت باری تعالیٰ

حضرت امام حسن بصریؒ ایسے لوگوں کے خیالات کی سختی سے تردید کرتے جو حضور ﷺ کی روئیت باری تعالیٰ کے منکر تھے۔ ایک بار کسی نے سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ لَقَدْ رَأٰی مُحَمَّدٌ عَلَیْہِ السَّلَامَ رَبَّہٗ"

مجھے اپنے پروردگار کی قسم بیشک نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے' جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"رَاَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِیْ وَقَلْبِیْ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ (صحیح مسلم)"

میں نے اپنے رب کو جسمانی آنکھ اور قلبی آنکھ سے دیکھا ہے۔

اس ضمن میں مشائخ عظامؒ کا لہجہ ہمیشہ یقین کامل کا آئینہ دار ہوتا ہے تاکہ کسی منفی سوچ کی گنجائش ہی نہ رہے۔ حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

''احادیث کی رو سے میرا اس بات پر ایمان ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے ہی نہیں' بلکہ جسمانی آنکھوں سے بھی دیکھا ہے' بیداری کے عالم میں دیکھا ہے نہ کہ خواب میں۔''

تسبیح کی سند

اوراد و وظائف کے شمار کے لئے تسبیح کا استعمال امت مسلمہ کا شعار

ہے۔ اس کی سند بھی حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں حضرت عمر مکیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسن بصریؒ کے ہاتھ میں تسبیح دیکھی تو دریافت کیا: حضرت' باوجود ایسی عظمت' شان اور ایسی عبادت کے آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے؟ آپؒ نے فرمایا:

''یہی ایک ایسی شے ہے کہ ہم ابتداء میں اس کا استعمال کرتے تھے تو ہم نے آخر میں بھی اس کو ترک نہ کیا۔ میں دوست رکھتا ہوں اس امر کو کہ ذکر اللہ دل سے کروں' ہاتھ سے اور زبان سے۔''

حضرت شیخ ابوالعباس رودادؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن بصریؒ کے قول سے واضح ہوا کہ تسبیح کا استعمال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بھی تھا' جیسا کہ آپؒ نے فرمایا' ہم ابتداء میں استعمال کیا کرتے تھے۔

خشیت اور خوف الٰہی

عمر کے آخری حصہ میں حضرت امام حسن بصریؒ پر اس قدر خشیت باری تعالیٰ کا غلبہ تھا گویا دوزخ صرف آپؒ ہی کے لئے بنی ہو اور خوف الٰہی سے سرخ و سفید چہرہ زعفران کی طرح زرد ہو گیا تھا۔ آپؒ ایک جگہ بیٹھے زار و قطار رو رہے تھے۔ لوگوں نے آپؒ سے گریہ زاری کا سبب پوچھا کہ آپؒ تو نہایت نیک عبادت گزار اور عابد شب زندہ دار ہیں۔ آپؒ نے فرمایا:

''میں یہ سوچتا ہوں کہ نادانستگی اور بھول میں مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو گیا ہو یا کوئی غلط قدم نہ اٹھ گیا ہو جو خدا کی درگاہ میں پسندیدہ نہ ہو اور مجھے یہ کہہ دیا جائے کہ اے

حسن! چلا جا' تیرا ہماری درگاہ میں کوئی مرتبہ و مقام نہیں اور
تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں۔''

ایک مرتبہ آپؒ اللہ تعالیٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ اے اللہ! تیری نعمتوں کا شکر نہ بجالا سکا اور ابتلاء کی حالت میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا لیکن عدم شکر کے باوجود بھی تو نے اپنی نعمتوں سے محروم نہ رکھا اور صبر نہ کرنے پر بھی مصیبتوں کا ازالہ کرتا رہا۔

وصال

عمر کے آخری حصہ میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ خوف الٰہی سے اس قدر گریہ زاری کرتے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری اور اپنے گناہوں کے خیال سے لرزہ براندام رہتے کہ وعظ و تلقین کا سلسلہ جاری رکھنا ممکن نہ رہا۔ جمعرات کی شب یکم رجب 110ھ کو آپؒ کا وصال ہوا۔

وصال کے وقت مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے' کون سا گناہ؟ کون سا گناہ؟ کسی بزرگ نے خواب میں آپؒ سے پوچھا کہ آپؒ عالم نزع میں یہ کیوں کہہ رہے تھے' کون سا گناہ؟ فرمایا' دم نزع مجھے یہ آواز آئی کہ اے ملک الموت سختی سے کام لے کہ ایک گناہ رہ گیا ہے۔ اسی خوشی سے مسرور بار بار کہہ رہا تھا۔ کون سا گناہ؟ گویا تمام حساب دنیا میں ہی بے باک ہو گیا کہ آخرت میں حساب کے لئے کچھ نہ بچا۔

امام التصوف خواجہ حسن بصریؒ نے جس رات انتقال فرمایا' اس رات کسی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور آواز آ رہی ہے کہ حسن بصری اپنے مولیٰ کے پاس حاضر ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہے۔

ابوسلیمان حضرت
داؤد بن نصر الطائیؒ

آپؒ کا پورا نام ابوسلیمان داؤد بن نصر الطائیؒ ہے۔ پہلے طبقہ یعنی درجہ اول کے اہل اللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپؒ نے امام اعمشؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ سے درس حدیث لیا اور بہت سی احادیث کتابت کیں۔ فقہ کی تعلیم آپؒ نے براہ راست امام ابوحنیفہؒ سے حاصل کی اور بیس سال تک ان سے شرف تلمذ رہا۔

حضرت داؤد طائیؒ جب تحصیل علم سے فارغ ہو چکے اور مقتدر علماء میں شمار ہونے لگے تو اپنے استاد حضرت امام ابوحنیفہؒ سے عرض کیا کہ اب ان کے لئے کیا حکم ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

عَلَیْكَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ

اب تجھے اپنے علم پر عمل کرنا چاہئے اس لئے کہ جو علم بغیر عمل کے ہے وہ اس بدن کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو۔

طریقت میں حضرت داؤد طائیؒ حضرت حبیب راعیؒ اور ایک روایت کے مطابق حضرت حبیب عجمیؒ کے ارادت مندوں میں سے تھے اور فیض بطریق اویسیہ امام التصوف حضرت حسن بصریؒ سے حاصل کیا اگرچہ ان کی صحبت بھی نصیب ہوئی۔ مشہور اہل اللہ حضرت فضیلؒ اور حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے ہم عصر

تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مایہ ناز شاگرد اور مانے ہوئے فقیہ ہونے کے باوجود جاہ ومنصب سے اعراض برتا اور زہد، ورع وتقویٰ اور تخلیہ کو اختیار کیا۔

حضرت داؤد طائیؒ کی زندگی میں اچانک تبدیلی کا باعث ایک عام سا واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپؒ کے سامنے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم تھا:

کون سا چہرہ خاک میں نہیں ملا
اور کون سی آنکھ زمین پر نہیں روئی

یہ سن کر آپؒ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو لوگوں نے کہا، بے ہوش کیوں ہوگئے تھے۔ فرمایا:

''جب تک میں بے ہوش تھا، لوگ ہوش مند سمجھتے رہے
اور اب جبکہ ہوش میں آچکا ہوں تو لوگوں نے بے ہوش
سمجھ لیا۔''

اس عالم بے خودی میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''میری طبیعت دنیا سے اچاٹ ہوچکی ہے اور ایک نامعلوم
سی شے قلب کو مضطرب کئے ہوئے ہے''۔

آپؒ کی یہ حالت دیکھتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''گویا اب تمہیں عرفان ذات ہورہا ہے، گوشہ نشینی اختیار کرلو۔''

کچھ عرصہ بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تاکید فرمائی کہ اب یہ بہتر ہوگا کہ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے ان کی باتوں پر صبر وضبط سے کام لو۔ تعمیل ارشاد میں ایک سال تک مختلف مجالس میں شریک ہوتے رہے لیکن خود ہمیشہ خاموش رہتے۔

حضرت امام حسن بصریؒ سے اکتساب فیض

یہی وہ زمانہ ہے جب آپؒ حضرت امام حسن بصریؒ کی محفل میں بھی شریک ہوتے۔ حضرت امام حسن بصریؒ وعظ وارشاد فرماتے اور آپؒ خاموشی سے برکات صحبت سے مستفید ہوا کرتے۔ کسی علمی گفتگو میں حصہ لیا نہ یہ معلوم ہونے دیا کہ آپؒ نے بغداد کی سب سے بڑی حکمت ودانش کی درسگاہ میں 20 سال گزارے ہیں اور شیخ جامعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ارشاد کے تحت مکتب قلب ونظر کا رخ کیا ہے۔

کسی نے حضرت امام حسن بصریؒ کو بتایا کہ ایک شخص خاموشی سے محفل میں شریک ہوتا ہے اور تخلیہ اختیار کئے ہمیشہ ستون کے پیچھے بیٹھا رہتا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب وہ حاضر ہو تو مجھے بتایا جائے۔ حضرت داؤد طائیؒ کی آمد پر حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا:

''تم اکیلے کیوں رہتے ہو، مخلوق سے کیوں نہیں ملتے؟''

آپؒ نے کہا:

''مجھ پر ایک بوجھ ہے جس نے مخلوق خدا سے جدا کر رکھا ہے۔''

امام حسن بصریؒ نے فرمایا:

''تم حسن کے پاس کیوں نہیں جاتے اور اس کی باتیں
کیوں نہیں سنتے؟''

آپؒ نے کہا:

''حسن اور تمام لوگوں سے علیحدگی کا سبب وہی کام ہے۔''

انہوں نے کام کی تفصیل پوچھی تو آپؒ نے بتایا:

''کوئی ایسا وقت نہیں ہوتا جب اللہ تعالیٰ مجھے نعمت نہ دے

اور میں گناہ نہ کروں۔ اس کی نعمت کے شکر اور اپنے گناہ
کے استغفار میں مشغول رہتا ہوں۔''

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا:

''تم اپنی جگہ ڈٹے رہو کہ تم حسن سے زیادہ فقیہ ہو۔''

حضرت امام حسن بصریؒ کی خدمت میں آپؒ کی اس حاضری اور گفتگو کا تذکرہ تاریخ تصوف میں محفوظ ہے۔ حضرت امام حسن بصریؒ کے یہ الفاظ کہ جب یہ نوجوان آئے تو بتایا جائے' ظاہر کرتے ہیں کہ امام تصوفؒ کی خدمت میں حاضری آپؒ کا معمول تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب حضرت داؤد طائیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ظاہری تعلیم حاصل کرنے کے بعد مخلوق خدا سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی۔ آپؒ کا حضرت امام حسن بصریؒ کی خدمت میں یہ جواب کہ اللہ کے شکر اور گناہوں کے استغفار سے فرصت نہیں ملتی' آپؒ کے اسی تخلیہ کی خبر دیتا ہے۔ اس عالم میں حضرت امام حسن بصریؒ کی خدمت میں بار بار حاضری سے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے لیکن ادب کا یہ عالم تھا کہ اس محفل میں اپنی موجودگی کبھی ظاہر نہ ہونے دی اگرچہ خود بھی بلند علمی مرتبت کے حامل تھے اور علمی موضوعات پر گفتگو کے اہل تھے۔

یہ حضرت داؤد طائیؒ کی ابتدائی عمر تھی جب کہ حضرت امام حسن بصریؒ کی زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ حضرت امام حسن بصریؒ کا وصال 110ھ میں ہوا۔ اس طرح حضرت داؤد طائیؒ نے حضرت امام حسن بصریؒ سے ان کے وصال کے بعد 63 سال تک روحانی فیض بطریق اویسیہ حاصل کیا۔

تخلیہ پسندی

حضرت داؤد طائیؒ ایک سال تک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہدایت کے

مطابق مختلف محافل میں شریک ہوتے رہے لیکن اس کے بعد تمام مصروفیات ترک کر دیں۔ اس عالم میں بھی جب کبھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان کسی فقہی مسئلہ پر اختلاف کی صورت پیدا ہوتی تو وہ ثالثی کے لیے آپؒ کی طرف رجوع کرتے اور آپؒ کا فیصلہ قبول کرتے۔ آپؒ امام محمدؒ کا ازحد احترام فرماتے اور اکثر کہا کرتے کہ انہوں نے محض دین کے لیے علم حاصل کیا جبکہ امام ابو یوسفؒ نے قضا و منصب کا عہدہ قبول کر کے اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کی پیروی نہیں کی جنہوں نے اس عہدہ سے انکار کی صورت کوڑے کھانا قبول فرمائے۔

حضرت داؤد طائیؒ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے رہتے۔ اللہ کے ذکر سے فارغ ہوتے تو فکر میں کھو جاتے۔ ایک رات آپؒ چھت پر تھے اور آسمان کے بارے میں تفکر کر رہے تھے۔ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ (آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں) اسی حالت میں آپؒ پر گریہ طاری ہو گیا اور اپنا ہوش نہ رہا۔ اس عالم میں چھت سے پڑوسی کے ہاں گر پڑے۔ اس نے تلوار سنبھالی اور سمجھا کوئی چور ہے۔ آپؒ کو دیکھا تو دریافت کیا' حضرت آپؒ کو کس نے گرا دیا؟ فرمایا' مجھے خبر ہی نہیں کس نے گرا دیا۔

حضرت داؤد طائیؒ مشہور تابعی حضرت حبیب راعیؒ سے بہت متاثر تھے اور ان کی طرح گوشہ نشینی کو افضل خیال کرتے۔ اس دور میں امت جب بحیثیت مجموعی دین پر کاربند تھی' تابعین اور تبع تابعین کی برکات کا اثر عام تھا اور ائمہ کرام کی مجالس سے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا' انفرادی طور پر بعض اہل اللہ نے گوشہ نشینی اختیار کی لیکن یہ تخلیہ ترک دنیا کے معروف تصور سے مختلف ہے۔ حضرت حبیب راعیؒ جنگل میں رہتے اور بھیڑیں پالتے' گویا آج کی

اصطلاح کے مطابق Sheep Farming کرتے۔ علم وعرفان کے متلاشی قلب ونظر کی پیاس بجھانے کے لیے جنگلوں اور ویرانوں میں بھی اہل اللہ کے ٹھکانوں کا رخ کرتے۔ یہ اس دور کے مکتب طریقت تھے' جہاں برکات نبوی ﷺ کے خزانے لٹائے جاتے۔

حضرت داؤد طائی کی گوشہ نشینی اور تخلیہ کو اس کے معروف تصور کے مطابق خیال نہ کیا جائے۔ تخلیہ کے اس عالم میں جب ہمہ وقت ذکر وفکر میں بسر ہوتا' برکات صحبت نبوی ﷺ کے متلاشی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے' کچھ عرصہ آپ کی صحبت میں گزارتے اور فیضیاب ہوتے۔ احباب کی رہنمائی اور تربیت کے لئے آپ کے اقوال علم وعرفان کا خزانہ تھے جو تاریخ تصوف کا حصہ بن چکے ہیں۔

حضرت داؤد طائی کے علمی مرتبے کا یہ حال تھا کہ امام ابوحنیفہ نے فقہی مسائل پر تحقیق کے لئے جو مجلس تشکیل کی ہوئی تھی' اس میں حضرت داؤد طائی نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ امامین فقہ حنفی حضرت امام محمد اور حضرت امام ابو یوسف بھی رہنمائی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اہل طریقت کے لئے آپ کی ذات تزکیہ قلوب کی درس گاہ تھی تو اہل علم کے لئے علمی تحقیق کا مرکز۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر وفکر کے سوا ہر دنیوی مصروفیت سے بے نیاز تھے لیکن جب کوئی ہدایت کا طالب حاضر ہوتا تو آپ اسے مایوس نہ کرتے۔

باطنی تخلیہ

تخلیہ ایک استثنائی صورت ہے جو کسی فرد کے اپنے خاص حالات کے منحصر ہے۔ اس کے برعکس اجتماعیت اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کی رہنمائی افضل ترین اور انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ حضرت جی پر بھی کچھ عرصہ گوشہ نشینی کا

دور آیا جس کا تذکرہ حیات طیبہ کے حصہ اول میں ''لذت آشنائی'' کے باب میں گزر چکا۔ اسی دور میں اگرچہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا لیکن آپ کا زیادہ وقت تخلیہ میں گزرتا۔ یہ حالت زیادہ دیر تک نہ رہی اور دربار نبوی ﷺ سے عندیہ ملنے پر آپ نے مناظروں کی صورت میدان عمل میں قدم رکھا۔

1978ء میں جب آپ کی مناظرانہ مصروفیات ختم ہو چکی تھیں اور سلسلہ عالیہ کی ترویج کا عمل بہت تیز ہو چکا تھا' بلندی منازل اور کمال استغنا کے نتیجہ میں آپ ایک مرتبہ پھر تخلیہ کی طرف مائل ہوئے لیکن مشائخ عظام نے اس کی اجازت نہ دی۔ لنگر مخدوم کے اجتماع میں حضرت جی شیخ شہاب الدین سہروردی' امام رازی اور ابوالقاسم سہیلی کے برزخی احوال پر گفتگو فرما رہے تھے کہ روئے سخن اپنی حالت کی طرف مڑ گیا' فرمانے لگے:

''چند سال پہلے برزخ کے حالات کی چھان بین کرتا' عالم بالا کے حالات دیکھتا' جنت دوزخ کا خیال کرتا لیکن پانچ چھ سال سے کوئی ہوش نہیں' کسی طرف خیال نہیں کرتا۔ اہل برزخ سے بات نہیں کرتا اور اگر کوئی کہے تو ساتھیوں سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ خیال کریں۔ دل چاہتا ہے تخلیہ اختیار کرلوں لیکن جماعت ایسا نہیں کرنے دیتی۔ دل چاہتا ہے بالکل الگ تھلگ ہو جاؤں' بات چیت چھوڑ دوں لیکن جماعت نہیں چھوڑتی' مشائخ اجازت نہیں دیتے' تخلیہ کیوں اختیار کرتے ہو؟ دو آدمیوں کو بھی فائدہ ہو جائے' زیادہ کو ہوگا۔

دل کرتا ہے کہ تخلیہ اختیار کرلوں' کوئی مرے کوئی

جیئے۔ اندرونی طور پر تخلیہ حاصل ہو گیا' بیرونی نہیں کر سکتا۔ قلبی طور پر استغناء حاصل ہے۔ مخلوق خدا کا فائدہ تو ہے۔ کوئی ساتھی ایمان لے کر فوت ہو جائے اور کسی معاملے میں ماخوذ ہو جائے' انشاء اللہ ماخوذ نہ رہے گا' نجات ہو جائے گی۔ لطائف منور ہوں' عذاب ہٹ جائے گا۔ اللہ اور شیطان' ادھر دوزخ اور ادھر خدا تعالیٰ' دونوں ساتھ نہیں ہو سکتے۔ صرف تعلق کام کرتا ہے' تعلق ہی کام کرتا ہے۔

برزخ میں ایک ساتھی سے کسی نے پوچھا' نجات کیسے ہوئی؟

حضرت جیؒ کی صحبت نے فائدہ دیا۔''

حضرت جیؒ کی اس گفتگو کی روشنی میں گوشہ نشینی مشائخ کے نزدیک پسندیدہ نہیں بلکہ لوگوں کی اصلاح احوال اور خیر خواہی اصل مقصود ہے۔ البتہ تخلیہ کی ایک صورت باطنی تخلیہ ہے جس میں کمال درجہ کا استغناء حاصل ہو جاتا ہے۔ قلبی طور پر دنیا سے بے نیازی اور باطنی طور پر مکمل یکسوئی کہ مرکز و محور صرف اللہ کی ذات ہو اور ہر فعل خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہو۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی حالت ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی کا عمل بھی جاری رہے۔

یہ تخلیہ یا گوشہ نشینی خواص کا تخلیہ ہے اور جب سوانح کی کتب میں حضرت داؤد طائیؒ کے تخلیہ کی بات ہو گی تو اس سے مراد وہ تخلیہ ہے جس کا ذکر حضرت جیؒ کے فرمان کی روشنی میں اوپر گزر چکا۔ اگر حضرت داؤد طائیؒ عوام الناس کے مروجہ مفہوم کے مطابق تخلیہ اختیار کرتے تو اپنے مریدین کی تربیت

کر سکتے نہ آپؒ کی تعلیمات سوانح کی کتب میں پائی جاتیں بلکہ اور کئی مجاذیب کی طرح آپؒ کا تذکرہ بھی نسیاً منسیاً کی صورت ڈھونڈنے سے نہ ملتا۔

بے عملی کا اکابر صوفیا سے کوئی تعلق نہیں

باطنی تخلیہ اور بے عملی و رہبانیت دو متضاد چیزیں ہیں۔ تصوف میں رہبانیت اور ترک دنیا کی پیوندکاری کے تانے بانے صحابہ کرام کی مقدس جماعت اور اکابر تابعین و تبع تابعین سے ملانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ بے عملی کا جواز پیدا کیا جا سکے لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں دین و دنیا کا بہترین امتزاج ملتا ہے جس میں دنیوی وسائل کا حصول بھی ہے اور دین کے لئے ان کا استعمال بھی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں البتہ تخلیہ کی صورت بھی نظر آتی ہے جو ان کے حسب حال تھی جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیکن یاد رہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت سلیمان فارسیؓ نے خلفائے راشدین کے زمانے میں امور سلطنت بھی انجام دیئے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں' تم ان میں سے جس کی اقتداء کرو گے' ہدایت پا جاؤ گے۔

متقدمین صوفیا میں حضرت داؤد طائیؒ اور حضرت حبیب راعیؒ کے ہاں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدا کا رنگ نظر آتا ہے لیکن اس

سے مراد بے عملی نہیں۔ حضرت حبیب راعیؒ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کی۔ ذریعہ معاش گلہ بانی تھا اور آبادی سے دور چراگاہ میں رہائش تھی جہاں رشد و ہدایت کے طلب گاروں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت داؤد طائیؒ نے بیس سال حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ گزارے اور فقہی مسائل میں آخر وقت تک امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رہنمائی کرتے رہے۔ ان تخلیہ پسند صوفیا کے طرز عمل کو بے عملی یا ترک دنیا کہنا درست نہ ہوگا۔

صوفیاء کے اس طائفہ میں تیسرا مشہور نام حضرت حبیب عجمیؒ کا ہے جنہیں مجذوب خیال کیا جاتا لیکن ان کی فہم و فراست کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے پاس سے گزر ہوا تو امام احمدؒ نے کہا ان سے کوئی فقہی سوال کیا جائے۔ امام شافعیؒ کہنے لگے' واصل باللہ لوگوں سے کیا سوال کرو گے' ان کا تو مسلک ہی جداگانہ ہوتا ہے۔ روکنے کے باوجود امام احمدؒ نے سوال کر دیا کہ ایک شخص کی ایک نماز قضا ہوگئی لیکن اسے یاد نہیں کون سا وقت تھا' وہ کس نماز کی قضا ادا کرے؟ حضرت حبیب عجمیؒ فرمانے لگے' ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ وہ پانچوں وقت کی قضا ادا کرے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا' میں نہ کہتا تھا کہ ان سے سوال نہ کریں۔ جنہیں عجمی کہا جاتا تھا' انہوں نے ایک فقہی مسئلے کا ایسا جواب دیا کہ فقہ کے امام بھی حیران ہو گئے۔

دور اول کے جن اکابر صوفیا کے متعلق ترک دنیا اور گوشہ نشینی کا اتہام ہے' ان کے ہاں عالمانہ سوجھ بوجھ اور اتباع شریعت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ تصوف کی آڑ میں بے عملی اور ترک شریعت کے جواز کے لئے ان اکابر صوفیا کے ناموں کا استعمال بد دیانتی پر مبنی بہتان عظیم ہے۔ شریعت سے تہی داماں نام

نہاد صوفیا کی ان فاقہ مست اکابرین سے کیا نسبت!

خواہش نفس کا استحصال

حضرت داؤد طائیؒ کے معمولات میں خواہش نفس کے مکمل استحصال کی صورت نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور فنائیت کا یہ عالم تھا کہ عبادت اور ذکر و فکر میں اپنی ذات کی خاطر کوئی مداخلت روا نہ تھی۔ کسی شخص نے پانی کا گھڑا دھوپ میں پڑا دیکھ کر عرض کیا' آپ اسے سائے میں کیوں نہیں رکھتے۔ فرمایا' جب یہاں رکھا تو سایہ تھا' اب دھوپ میں سے اٹھاتے ہوئے ندامت محسوس کرتا ہوں کہ ذکر الٰہی کے دوران اپنی ذات کے لئے گھڑا اٹھاتے ہوئے تضیع اوقات کروں۔

ایک بزرگ نے آپؒ کو دھوپ میں تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو سایہ میں آنے کی درخواست کی۔ فرمایا' مجھے اتباع نفس ناپسند ہے۔ ایک روز دوائی پینے کے بعد کہا گیا کہ تھوڑی دیر صحن میں ٹہل لیں تا کہ دوائی اپنا اثر کر لے تو فرمایا: مجھے شرم آتی ہے کہ قیامت کے روز کہا جائے کہ تو نے اتنے قدم نفس کی خواہش میں زمین پر رکھے۔

رات کو حضرت داؤد طائیؒ روٹی کی بجائے پانی میں ستو گھول کر پی لیتے۔ فرماتے' اس طرح اتنا وقت بچ جاتا ہے کہ پچاس آیات کی تلاوت ہو سکتی ہے' پھر یہ وقت کیوں ضائع کروں؟

دنیا سے بے رغبتی

حضرت معروف کرخیؒ نے' جو حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد اور ماموں حضرت سری سقطیؒ کے شیخ تھے' ایک زمانہ حضرت داؤد طائیؒ کی صحبت میں بسر کیا

اور فیض یاب ہوئے۔ آپؒ کے بارے میں حضرت معروف کرخیؒ کا قول ہے:

''میں نے فقراء میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جس کی نگاہ میں دنیا اتنی ذلیل وخوار ہو، جتنی داؤد طائیؒ کی نظر میں ذلیل تھی۔''

حضرت داؤد طائیؒ کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ دنیا اور اہل دنیا کی ان کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہ تھی البتہ فقراء کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان سے محبت کرتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد طائیؒ نے حجام کو ایک دینار دے دیا تو لوگوں نے کہا یہ اسراف ہے۔ آپؒ نے فرمایا، دین کے لئے مروت ضروری ہے۔

آپؒ نے ایک مرید کو فرمایا:

اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْاٰخِرَة

اگر سلامتی چاہتے ہو تو دنیا سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ کہ یہ تجھ پہ غلبہ نہ پالے اور اگر تکریم چاہتے ہو تو آخرت پر تکبیر پڑھ یعنی آخرت کے انعام واکرام کی خواہش کے گلے پر چھری پھیر دے۔

یہ وہ مقام بلند ہے کہ انسان جنت سے بے نیاز ہو کر جنت کے مالک کا طلب گار بن جائے۔

اس دور کے مشہور بزرگ حضرت ابوربیعؒ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور نصیحت کی درخواست کی تو آپؒ نے فرمایا:

''دنیا سے روزہ رکھو اور آخرت سے افطار کرو''۔

انہوں نے عرض کیا، ایک اور نصیحت فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا:

''بدگوئی سے پرہیز کرو، مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرو، دین کو دنیا پر ترجیح دو اور ہمیشہ یہ کوشش کرو کہ مخلوق کا خیال تک دل سے محو ہو جائے۔''

انہوں نے عرض کیا، کچھ اور فرمائیں تو آپؒ نے فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم ہے، مردے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

عرض کیا کچھ اور، فرمایا:

''ترک دنیا سے بندہ خدا تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔''

حضرت ابوربیعؒ چلے گئے تو بڑے دکھ سے خود سے مخاطب ہوئے:

داؤد! تو دنیا کو نصیحتیں کر رہا ہے لیکن یہ بتا کہ تو خود کس حد تک عمل پیرا ہے؟''

پھر خود ہی جواب دیا:

''شاید کچھ بھی نہیں، اللہ تجھ پر رحم کرے۔''

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے مرشد فضیل بن عیاضؒ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ وقت رخصت عرض کیا کہ میرے لئے کوئی نصیحت فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا:

''دنیا سے کنارہ کشی، دنیا سے حذر، دنیا سے پرہیز، دنیا سے گریز۔''

حضرت فضیلؒ رونے لگے تو آپؒ نے فرمایا:

''فضیل! تم مستجاب الدعوات ہو، اللہ سے دعا کرو کہ وہ میرا انجام بخیر کرے۔''

حضرت فضیلؒ نے جواب دیا:

آپ میرے لئے دعا کریں' میں آپ کے لئے کرتا ہوں۔"

ایک اور شخص نے نصیحت کے لئے درخواست کی تو اس کے حسب حال فرمایا:

"بدگوئی سے احتراز کرو' مخلوق سے کنارہ کش رہو' دین کو دنیا پر ترجیح دو اور اگر ممکن ہو تو مخلوق کا خیال ہی دل سے نکال دو"۔

حضرت داؤد طائیؒ ایک روز بازار کی طرف نکلے لیکن وحشت زدہ ہو کر واپس حجرہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں بھاگ رہے ہو تو فرمایا:

"سامنے دیکھو' مُردوں کا لشکر ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔"

کچھ ہی عرصہ بعد شہر میں وبا پھیلی تو اس میں آبادی کا بڑا حصہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت داؤد طائیؒ کا یہ واقعہ جب حضرت جنید بغدادیؒ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"حضرت داؤد طائیؒ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ انہوں نے مُردوں کا لشکر ضرور دیکھا ہو گا۔"

ورثہ میں ایک مکان ملا تھا۔ اسے بیچنے سے جو رقم حاصل ہوئی' اسی پر تمام زندگی گزار دی۔ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ خلیفہ ہارون رشید کے ہمراہ آپؒ سے ملاقات کے لیے آئے تو آپؒ نے ملنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں دنیا دار ظالموں سے نہیں ملتا۔ بعد میں ہارون الرشید کی والدہ کے اصرار پر ملاقات کی اجازت دی۔ وقت رخصت خلیفہ نے مالی امداد پیش کی تو آپؒ نے واپس کرتے ہوئے فرمایا' میں نے اپنا مکان جائز دولت کے عوض فروخت کیا ہے جو گزران کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ جب یہ رقم ختم

ہو جائے تو وہ مجھے دنیا سے اٹھا لے۔

کچھ عرصہ بعد امام ابو یوسفؒ نے خادم سے پوچھا کہ گزارے کے لیے کس قدر رقم باقی ہے۔ جب معلوم ہوا تو امام صاحب نے تخمینہ لگایا کہ حضرت داؤد طائیؒ اتنے دن مزید زندہ رہیں گے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ آپؒ نے جب اللہ تعالیٰ سے ایک بات کہہ دی تو وہ اس کے ہاں ضرور قبول ہو گی۔ چنانچہ جب یہ اثاثہ ختم ہوا تو کسی کی محتاجی سے قبل اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔

حضرت داؤد طائیؒ کی ذاتی رہائش ایک چھوٹے سے کمرے میں تھی جس کا ایک شہتیر ٹوٹا ہوا تھا۔ ایک شخص نے آپؒ سے پوچھا' یہ آپؒ کی چھت کا شہتیر کب سے ٹوٹا ہوا ہے تو فرمایا:

"تیس برس سے یہاں رہتا ہوں مگر میں نے چھت کو نہیں دیکھا"۔

آپؒ سے چھت کی مرمت کے لئے کہا گیا تو فرمایا' میں عہد کر چکا ہوں کہ دنیا میں تعمیر کا کوئی کام نہیں کراؤں گا۔ آپؒ کا وصال ہوا تو وہ چھت بھی منہدم ہو گئی۔

دنیا میں گھر تعمیر کرنے کے متعلق حضرت داؤد طائیؒ اور حضرت جیؒ کی سوچ میں یکسانیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت جیؒ کے گھر میں ساتھیوں کی رہائش کے لئے وسیع و عریض ہال کمرے اور بیش قیمت کتب کی حفاظت کے لئے لائبریری کی تعمیر کے بعد آپؒ کے چھوٹے سے رہائشی کمرے کی تعمیر کے لئے کہا گیا تو فرمایا:

"یہ کچا ہی رہے گا اس عارضی دنیا میں پختہ عمارت تعمیر کرنا میرے نزدیک دانش مندی نہیں۔ میں خود کچا' میرا کمرہ بھی کچا رہنے دو"۔

حضرت جیؒ کے وصال کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ کچا کمرہ منہدم ہو گیا۔

وصال

حضرت داؤد طائیؒ کا وصال نفحات الانس کی ایک روایت کے مطابق 5 رمضان المبارک 165 ہجری کو ہوا جبکہ 9 رمضان المبارک 164ھ کی روایت بھی ملتی ہے۔ شب بھر عبادت میں مشغول رہے۔ رات اختتام پذیر ہو رہی تھی تو سجدہ میں سر رکھا اور اسی حالت میں واصل باللہ ہو گئے۔

ایک شخص نے خواب میں آپؒ کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا۔ آپؒ فرما رہے تھے' آج مجھے قید سے چھٹکارا مل گیا۔ بیدار ہوا تو تعبیر معلوم کرنے آپؒ کے ہاں پہنچا۔ وفات کی خبر سن کر کہنے لگا' خواب کی تعبیر مل گئی' جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق حضرت داؤد طائیؒ وہ کامل مومن تھے کہ دنیا کی زندگی آپؒ کے لئے قید خانہ تھی اور وصال کے ذریعہ اس قید خانہ سے رہائی ملی۔ اس رات ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے فرشتے آ جا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا یہ کون سی رات ہے تو فرشتوں نے جواب دیا:

''آج حضرت داؤد طائیؒ نے انتقال فرمایا ہے اور جنت ان کے لیے آراستہ کی گئی ہے''۔

مجدد طریقت سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

اہل طریقت نے حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ کو سید الطائفہ قرار دیا۔ حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے ان کو طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں امام الائمہ کہا ہے۔ اسی طرح حضرت فرید الدین عطارؒ نے آپؒ کو مجدد طریقت کہا اور شاہ ولی اللہؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات کو اپنی کتاب الطاف القدس میں مختصر الفاظ میں سمیٹتے ہوئے آپؒ کے بعد پیدا ہونے والے تمام صوفیا کے لئے راہ طریقت قرار دیا۔ حضرت فرید الدین عطارؒ آپؒ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''حضرت جنید بغدادیؒ اہل تصوف کے پیشوا تھے' ان کو سید الطائفہ' لسان القوم کہتے تھے' طاؤس العلماء اور سلطان المحققین لکھتے تھے۔ شریعت اور حقیقت کی انتہا پر تھے۔ زہد و بخشش میں بے نظیر تھے اور طریقت میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کے زمانے میں اور ان کے بعد کے مشائخ ان کا مذہب رکھتے تھے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ تیسری صدی ہجری کے ممتاز شیخ طریقت ہیں۔

قریباً 227 ھجری سے 297 ھجری کا زمانہ پایا۔ آپؒ کا تعلق ایک ایرانی النسل خاندان سے تھا جو قبول اسلام کے بعد نہاوند (ایران) سے ترک سکونت کر کے بغداد میں آباد ہو گیا۔ والد محترم شیشہ اور ریشم کی تجارت کرتے اور کسب حلال کے حوالے سے معروف تھے۔ رزق کی فراوانی تھی' اللہ کی راہ میں کثرت سے مال خرچ کرتے اور اہتمام سے زکوٰۃ ادا کرتے۔ اہلیہ کے بھائی بھی تاجر تھے لیکن کاروبار کی بجائے ہمہ وقت اللہ سے لو لگائے رہتے' یہ مفلوک الحالی کا شکار تھے۔ حضرت جنیدؒ کے والد نے ان کو زکوٰۃ بھجوائی تو انہوں نے واپس کر دی۔ اس واقعہ نے پریشان کر دیا کہ جسے وہ رزق حلال سمجھتے تھے ایک اہل اللہ نے اسے رد کر دیا۔ حضرت جنیدؒ کی عمر اس وقت صرف چھ سال تھی۔ والد کی پریشانی دیکھ کر سبب پوچھا اور جب حقیقت کا پتہ چلا تو ماموں کو زکوٰۃ پیش کرنے خود چل پڑے۔

ماموں اہل طریقت میں معروف شخصیت حضرت سری سقطیؒ تھے جو بچپن ہی سے حضرت جنیدؒ کی پیشانی پر ان کی خوش بختی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ بھانجے کی آمد پر بہت خوش ہوئے کہ وہ ان کا گوہر مراد تھا لیکن جب زکوٰۃ کا تو خفگی کا اظہار کیا۔ اس وقت ماموں اور بھانجے کے درمیان جو گفتگو ہوئی تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا۔ حضرت جنیدؒ نے ماموں سے کہا' آپ کو یہ زکوٰۃ قبول کرنا پڑے گی' اس اللہ کے نام پر جس نے آپ کو اپنے فضل سے نواز رکھا ہے اور میرے باپ سے عدل کر رکھا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ نے اس فضل اور عدل کی وضاحت چاہی تو حضرت جنیدؒ نے سر جھکا کر عرض کیا:

''اللہ نے آپ کو پرہیز گار اور متقی بنا کر درویشی عطا کی' یہ

آپ پر اس کا فضل ہے۔ میرے باپ کو دنیاوی کاروبار میں عروج بخشا کہ آج وہ اپنے مال پر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں' یہ اس کا عدل ہے۔ وہ یہ مال حقداروں تک اللہ کے نام پر پہنچاتے ہیں' اب یہ حقداروں کی مرضی وہ اسے قبول کریں یا نہ کریں لیکن وہ یہ حق ادا کرتے رہیں گے۔''

چھ سال کی عمر میں حضرت جنید بغدادیؒ کی گفتگو میں علمیت کی وہ جھلک نظر آئی کہ آپؒ کے ماموں' جو خود علم و عرفان کی بلندیوں پر فائز تھے' لاجواب ہو گئے۔ حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے کی زبان سے یہ حکیمانہ گفتگو سنی تو فرط مسرت سے انہیں آغوش میں لے لیا اور زکوٰۃ بھی قبول فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت سری سقطیؒ کی سرپرستی میں حضرت جنیدؒ کی روحانی تربیت کا آغاز ہو گیا۔

بچپن میں ایک مرتبہ حضرت جنیدؒ جب اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے' حضرت سری سقطیؒ نے سوال کیا:

مَا تَقُوْلُ فِی شُکْرٍ یَا غُلَام

اے لڑکے' شکر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو' آپ نے جواب دیا:

اَلشُّکْرُ اَنْ لَّا تَسْتَعِیْنَ بِنِعَمِہٖ عَلٰی مَعَاصِیْہِ

شکر یہ ہے کہ تو اس کی نعمتوں سے اس کی نافرمانیوں پر مدد نہ لے۔

یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: مجھے زیادہ احتمال ہے کہ تیرا حصہ تری اسی زبان سے ہو گا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سری سقطیؒ کی اس بات سے ہمیشہ خائف رہا۔ اسی وجہ سے حضرت جنید بغدادیؒ نے وعظ و ارشاد

سے ہمیشہ احتراز برتا۔

اوائل عمر میں ہی والد محترم کا انتقال ہو گیا تو حضرت جنید بغدادیؒ ہمہ وقت اپنے ماموں سری سقطیؒ کے زیر تربیت آ گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سری سقطیؒ کے درجات بلند فرمائے' انہوں نے اپنے ہونہار بھانجے کی تربیت کا حق ادا کر دیا۔ ان کے ہاں بغداد کے مشائخ اور علماء کا تانتا بندھا رہتا۔ ان گرانقدر علمی محافل میں حضرت جنید بغدادیؒ بھی شریک ہوتے اور کم سن ہونے کے باوجود حضرت سری سقطیؒ ان سے سوالات کرتے تاکہ وہ بڑوں کی بات چیت میں حصہ لیں۔ ایک روز حضرت سری سقطیؒ نے حاضرین سے سوال کیا' کون سی ایسی چیز ہے جو آنکھوں سے نیند اڑا دے؟ کسی شخص نے کہا بھوک' کسی نے کثرت عبادت کہا' کسی نے کچھ جواب دیا۔ آخر میں حضرت جنیدؒ کی باری آئی جو عمر میں سب سے چھوٹے تھے تو آپؒ نے فرمایا:

عِلْمُ الْقُلُوْبِ بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

دلوں کا اس بات کو جان لینا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے بارے میں علم ہے کہ اس نے کیا کمایا۔

یہ سن کر حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا:

اَحْسَنْتَ يَابُنَيَّ میرے بیٹے تم نے خوب کہا!

سات سال کی عمر میں اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ کے ہمراہ حج کے لئے گئے تو حرم کعبہ میں کچھ صوفیا شکر کے موضوع پر مصروف گفتگو تھے۔ انہوں نے اپنی گفتگو مکمل کی تو حضرت سری سقطیؒ نے بھانجے سے کہا کہ شکر کے متعلق تم بھی کچھ کہو۔ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے صوفیا اور علماء کے سامنے حضرت جنید

بغدادیؒ کم سنی کے اس دور میں سر جھکا کر آہستہ سے گویا ہوئے:

''میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں کہ شکر کے موضوع پر پیش کر سکوں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو ہم اسے اپنے اللہ کی عطا سمجھ کر اس کا شکر ادا کریں کیونکہ وہی نعمتوں کا نوازنے والا ہے' وہی ہر نعمت کا منبع ہے۔ ہمیں اس کے احکام کی تعمیل میں خود کو وقف کر دینا چاہئے۔''

اظہار شکر تعمیل ارشاد اور بندگی میں ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے مختصر ترین الفاظ میں علماء کے سامنے حرم کعبہ میں ادائیگی شکر کی حقیقت بیان کر دی جس پر علماء دنگ رہ گئے۔

شکر کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک اور قول نقل کیا جاتا ہے جو اس موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا شکر صرف وہ شخص ادا کر سکتا ہے جسے اس کی تمام نعمتوں کا ادراک ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا ادراک چونکہ انسان کے بس کی بات نہیں' لہٰذا اللہ کا شکر ادا کرنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔

ترجیحات تربیت

حضرت سری سقطیؒ کے نزدیک حضرت جنید بغدادیؒ کی تربیت کی ترجیحات اور خدوخال ان کی اس دعا سے ظاہر ہوتے ہیں:

''جنید! میری اللہ سے یہ دعا ہے کہ تم ایک محدث صوفی بنو نہ کہ لوگ تمہیں صوفی محدث کہیں۔''

حضرت جنید بغدادیؒ کی تربیت بھی اسی طرح ہوئی کہ آپؒ نے سب سے پہلے ظاہری علوم حاصل کرنے میں دس سال لگائے اور علم حدیث اپنے ماموں سے حاصل کیا۔ آپؒ نے کچھ زمانہ اس وقت کے مشہور فقیہ حضرت ابوثورؒ کی صحبت میں بھی گزارا جو حضرت امام شافعیؒ کے اونچے درجہ کے شاگرد تھے۔ امام شافعیؒ کی طرح حضرت ابوثورؒ بھی اپنی ذاتی رائے پر حدیث ضعیف کو ترجیح دیتے۔ اسی نسبت سے حضرت جنید بغدادیؒ کو بھی سنت خیرالانام ﷺ سے گہری وابستگی نصیب ہوئی۔ اس وقت آپؒ کی عمر صرف بیس برس تھی لیکن حضرت ابوثورؒ کے ہاں آپؒ کے فتووں کو سند کا درجہ حاصل تھا۔ اپنی ظاہری تعلیم کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے پہلے علم حدیث و فقہ حاصل کیا اور اس کے بعد المحاسبیؒ کی صحبت اختیار کی۔ یہی میری کامیابی کا راز ہے کیونکہ تصوف کو قرآن و سنت کے تابع رہنا چاہیے۔ جس شخص نے تصوف سے پہلے قرآن حفظ نہ کیا اور اور حدیث میں سند حاصل نہ کی ہو' اسے دوسروں کی رہنمائی کا کوئی حق حاصل نہیں۔''

حضرت جنید بغدادیؒ ماموں کی محفل سے اٹھتے تو حضرت حارث المحاسبیؒ کے ہاں چلے جاتے۔ ایک روز ماموں نے پوچھا' تم یہاں سے اٹھ کر کہاں جاتے ہو؟ حضرت جنید بغدادیؒ نے جب المحاسبیؒ کا نام لیا تو حضرت سری سقطیؒ نے آپؒ کو ان کے علم کلام اور منطقی طرز استدلال سے متنبہ کیا۔

المحاسبیؒ معتزلہ کے رد میں بحث و مباحثہ میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے گرفت فرمائی کہ ایمانیات کے مسائل کو

مباحثوں اور مناظروں کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سری سقطیؒ کی اس رہنمائی کا یہ اثر تھا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کا حضرت المحاسبیؒ کے علاوہ حضرت محمد بن علی القصابؒ' حضرت ابن الکرنبیؒ اور ابوحفصؒ سے قریبی تعلق رہا جو اپنے اپنے مکتبہ فکر میں متشددانہ رجحانات رکھتے تھے لیکن آپؒ نے ان سب کے افکار کو قرآن و سنت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو اعتدال کا جامہ پہنایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کی جو راہیں متعین فرما دیں' ان سے جب بھی کسی صوفی نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو افراط و تفریط کا شکار ہوا۔

ورزش اور جہاد

حضرت جنید بغدادیؒ کی شخصیت کے اس پہلو کا بہت کم تذکرہ کیا جاتا ہے جو صوفیاء کے متعلق پائی جانے والی ایک عمومی غلط فہمی کا ازالہ کرتا ہے کہ اہل اللہ کا فن حرب' جسمانی صحت' ورزش اور عملی زندگی سے کیا سروکار!

دینی علوم کے ساتھ ساتھ حضرت جنید بغدادیؒ نے فن سپہ گری میں بھی مہارت حاصل کی۔ آپؒ اپنے ہم عصروں میں مانے ہوئے پہلوان تھے۔ زمانہ طالب علمی میں ملکی سطح پر منعقد ہونے والے مقابلوں میں حصہ لیتے اور بطور شاہی پہلوان معروف تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ نے رومیوں کے خلاف جہاد میں متعدد بار حصہ لیا۔ علامہ فضل احمد عارف نے ''سیرت جنید'' میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ بھی اپنے آٹھ مریدوں کے ہمراہ رومیوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے جس میں آپؒ کے مریدوں کو شہادت نصیب ہوئی۔ حالت امن میں جہاد کے لئے تیاری اور شہادت کے

لئے دعا گو رہنا' یہی سنت نبوی ﷺ ہے اور تصوف اس سے الگ نہیں ہوسکتا۔

سلوک وعرفان

حضرت جنید بغدادیؒ نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ سلوک وعرفان کے مجاہدوں میں بھی شب و روز لگائے۔ آپؒ کے حالات میں یہ کیفیت ملتی ہے کہ ابتدائی دور میں جب حضرت سری سقطیؒ کی محفل میں کوئی علمی گفتگو جاری ہوتی' حضرت جنیدؒ اچانک کسی اور ہی دنیا میں کھو جاتے۔ حضرت سری سقطیؒ آپؒ کی یہ حالت دیکھ کر کلام موقوف کر دیتے اور محفل سے اٹھ جاتے کہ آپؒ جن باطنی واردات سے گزر رہے ہیں' ان میں مخل نہ ہوں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے ماموں کے ہمراہ ایک حج تو بچپن میں کیا تھا جس کا تذکرہ گزر چکا لیکن بعض سوانح نگار آپؒ کے متعدد حج کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علی عبدالقادر حسن مصری نے صرف ایک حج کا تذکرہ کیا ہے جو غالباً آپؒ نے عنفوان شباب میں کیا ہوگا۔ اس حج کے دوران آپؒ مکہ مکرمہ میں مشائخ کی محفل میں بیٹھے تھے کہ عشق الٰہی کے موضوع پر بات چل نکلی۔ حضرت جنیدؒ اس محفل میں سب سے کم عمر تھے۔ آخر میں ان سے کہا گیا' اے عراقی نوجوان! تم بھی کچھ کہو۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے اللہ کے عاشق کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

> ''خدا کا عاشق تو وہ بندہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو مٹا دے' لگاتار اپنے پالنے والے کا ذکر کرنے والا ہو' حقوق اللہ کے ادا کرنے پر مدام کمربستہ ہو اور اپنے دل کی نگاہوں سے اس کی تجلیات کا نظارہ کرنے والا ہو۔ ایسے

> شخص کے دل کو ذات حق کے انوار نے جلا کر رکھ دیا ہے اور وہ ہر دم شراب محبت کے پیالے پیتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس شخص کے لئے اپنے غیب کے پردے ہٹا دیئے ہیں اور شہود سے نوازا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنے سفر حج کے دوران پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے آپؒ کی زندگی پر گہرے اثرات ڈالے۔ آپؒ نے فرمایا کہ میں نے اخلاص کی تعلیم ایک حجام سے حاصل کی۔ فرماتے ہیں کہ میرے بال بڑھے ہوئے تھے اور مجھے ان سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ بازار میں نکلا تو دیکھا کہ ایک حجام کے پاس کوئی امیر آدمی بیٹھا بال بنوا رہا تھا۔ میں بھی حجام کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اسے کہا:

> ''اللہ کے نام پر میرے بال کاٹ دو۔''

یہ سن کر اس نے امیر آدمی کی حجامت بنانا چھوڑ کر مجھے عزت واحترام کے ساتھ یوں بٹھایا گویا میں معزز ترین امیر گاہک ہوں۔ پھر اس نے بڑے سلیقے سے میرے بال کاٹے۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے مجھے ایک کاغذ میں چند درہم لپیٹ کر دیئے اور کہا:

> ''یہ حقیر سا نذرانہ ہے' قبول فرما کر عزت افزائی کریں۔''

میں اس حجام کے اس سلوک سے بڑا متاثر ہوا اور عہد کیا کہ جونہی مجھے کہیں سے کوئی رقم ملے گی' وہ اس حجام کی نذر کروں گا۔ اتفاقاً ایک دن بصرہ کے ایک شخص نے مجھے اشرفیوں کی ایک تھیلی دی تو میں نے وہ تھیلی حجام کو پیش کرتے ہوئے کہا:

> ''بھائی یہ تھیلی تمہارے اس احسان کا نعم البدل تو نہیں ہو

سکتی جو تم نے مجھ پر کیا تھا لیکن تم اسے قبول کر لو گے تو مجھے دلی مسرت ہوگی۔''

یہ سن کر وہ حجام غصے میں بھڑک اٹھا اور کہنے لگا:

''تم تو اللہ کے نام پر تجارت کرنے والے نکلے۔ میں نے اگر تمہاری کوئی خدمت کی تھی تو صرف اللہ کے لئے کی تھی۔ اب میں اللہ کے نام پر کئے جانے والے کام کا معاوضہ لوں گا؟ یہ تم نے کیسے سمجھ لیا!''

دوسرا واقعہ سیر الاولیاء میں مذکور ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مدینے کی گلیوں میں حق کو پایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا' کیسے؟ فرمایا:

''ایک روز میں مدینے کے بازار میں چلا جا رہا تھا کہ چند خستہ حال لوگوں کو دیکھا جن کی پریشانی کی کیفیت بیان میں نہیں آ سکتی۔ مجھے ان پر رحم آیا اور میں نے چاہا کہ ان کے ساتھ رہوں اور ان سے موانست اختیار کروں۔ چنانچہ میں ان کی صحبت میں رہا اور سمجھ گیا کہ اللہ شکستہ حالوں کے ساتھ ہے۔''

روحانی تربیت

حضرت سری سقطیؒ کا تعلق صوفیاء کی اس جماعت سے تھا جن کے سربراہ حضرت امام حسن بصریؒ تھے۔ چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ کی روحانی تربیت بھی حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے طریق تصوف پر تھی۔ اس تربیت میں

حضرت سری سقطیؒ اور دوسرے جن ہمعصر اہل اللہ کا حصہ ہے' تاریخ تصوف میں ان کے اسمائے گرامی بھی محفوظ ہو گئے ہیں۔ سوانح نگاروں نے حضرت جنید بغدادیؒ کی روحانی تربیت کے باب کو ان بزرگوں کے تذکرہ تک محدود رکھتے ہوئے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں سے کس بزرگ نے آپؒ کی شخصیت کے کس جوہر کو نکھارا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی تربیت کا یہ ابتدائی دور تھا جس کی تکمیل کے بعد بطریق اویسیہ آپؒ کی روحانی تربیت کا اصل مرحلہ شروع ہوا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے بارے میں یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آپؒ کی جن اہل اللہ کے ساتھ صحبت رہی' آپؒ ان میں سے کسی ایک پر قانع نہ ہوئے۔ آپؒ نے برگ ہائے رنگا رنگ سے خوشہ چینی کی لیکن اپنا منفرد تشخص برقرار رکھا۔ آپؒ کے ہاتھ میں جو پیمانہ تھا' اس کی تشنگی صرف منبع فیوض و برکات ﷺ ہی سے دور ہو سکتی تھی اور وہاں تک رسائی بجز طریق اویسیہ ممکن نہ تھی۔ چنانچہ تین صدیوں کی مسافت طے کرنے کے لئے آپؒ کو نسبت اویسیہ نصیب ہوئی جو زمان و مکان کی رکاوٹوں اور ظاہری واسطوں سے بے نیاز ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے قبل تین صدیوں میں نسبت اویسیہ کے شجرہ میں صرف تین نام آتے ہیں:

- ☆ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- ☆ حضرت امام حسن بصریؒ
- ☆ حضرت داؤد طائیؒ

نسبت اویسیہ میں حضرت جنید بغدادیؒ اس قدر اہم کڑی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ تک آپؒ سے قبل تین صدیاں اور تین مشائخ ہیں تو آپؒ کے بعد چھ صدیوں کی طویل مسافت کے بعد بغیر کسی واسطہ کے حضرت خواجہ

عبید اللہ احرارؒ کا نام آتا ہے۔ کچھ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نسبت طریق اویسیہ میں آپؒ کی ضیاء فشانی کا عالم کیا ہوگا!

حضرت امام حسن بصری امامؒ تصوف ہیں تو حضرت جنید بغدادیؒ نے مبادیات تصوف کی تعیین فرماتے ہوئے راہ طریقت کی نشاندہی فرمادی۔ اسی لئے تاریخ تصوف میں آپؒ کو ''مجتہد تصوف'' بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے لئے طبقۂ صوفیا میں سید الطائفہ کا لقب اس قدر متفق علیہ ہے کہ تمام سلاسل کے شیوخ آپؒ کے ذکر خیر میں اس کو مقدم جانتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہئے کہ جو طریقہ آج کے دن محفوظ ہے' اس کا منشاء جنید بغدادیؒ ہیں اور خرقہ بھی محفوظ وہی ہے جو جنید بغدادیؒ کے واسطے سے ہے۔''

خرقہ: خرقہ کی اصل سنت نبوی ﷺ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر کرتے ہوئے عمامہ عطا فرمایا تھا۔ اس سنت کے مطابق حضرت جنید بغدادیؒ سے خرقہ عطا کرنے کا دستور شروع ہوا۔ سلاسل طریقت میں اجازت کے ساتھ عمامہ' قبا' چادر یا جو کچھ بھی میسر ہو' عطا فرماتے ہیں۔ 'انتباہ' میں خرقہ کی تین قسمیں بیان کی گئیں ہیں؛ خرقہ اجازت' خرقہ ارادت اور خرقہ تبرک۔ خرقہ اجازت شیخ کی نیابت کی ایک صورت ہے اور کسی شجرہ یا سلسلہ کا تسلسل بیان کرتے ہوئے خرقہ سے مراد خرقۂ اجازت ہوتا ہے۔

مسند ارشاد

حضرت جنید بغدادیؒ کا ملکہ اظہار و بیان اپنی ندرت اور اثر پذیری کی

وجہ سے اہل بغداد کی توجہ کا مرکز تھا۔ حضرت سری سقطیؒ نے اپنے شاگرد کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت جنیدؒ وعظ و ارشاد شروع کریں لیکن ان کی اس خواہش کی تعمیل میں استاد کا ادب اور حیا مانع رہی۔ آپؒ حضرت سری سقطیؒ کے سامنے ہمہ تن گوش رہتے اور تہیہ کر رکھا تھا کہ جب تک وہ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہیں' وعظ و ارشاد سے کنارہ کش رہیں گے۔ بغداد کے دوسرے مشائخ سے بھی آپؒ کی صحبت رہتی۔ ان سب کی خواہش تھی کہ حضرت جنیدؒ مخلوق خدا کی رہنمائی کے لئے وعظ و نصیحت کا آغاز فرمائیں لیکن آپؒ کے ہاں فکر اور سکوت کا غلبہ تھا۔ اس عالم میں ایک شب حضرت جنید بغدادیؒ نے خواب میں دیکھا کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بنفس نفیس تشریف لائے اور فرمایا:

''کَلِّمْ عَلَی النَّاسِ''

لوگوں کو اپنی بات سنا۔ (نفحات الانس)

نیند سے بیدار ہو کر حضرت جنید بغدادیؒ نے خواب کو یاد کیا تو مسرت و انبساط سے سرشار ہو گئے۔ اپنی قسمت پر ناز تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں جبکہ آپؒ کے مرشد اب تک اس سے محروم ہیں لیکن جلد ہی اس خیال پر تنبیہ ہوگئی۔ خوشی کے عالم میں ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے شیخ سقطیؒ کا ایک شاگرد کھڑا تھا۔ آپؒ نے اسے اندر آنے کے لئے کہا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت آپ کے لئے شیخ سقطیؒ کا پیغام لایا ہوں' اسے سن لیں اور مجھے جانے کی اجازت دیں۔ آپؒ نے اثبات میں سر ہلایا تو شاگرد بولا:

''شیخ نے فرمایا ہے کہ جا کر جنید سے کہنا' اب وہ میری بات

غور سے سنے۔ جب تمہیں ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ وعظ و نصیحت کا کام سنبھالو تو تم نے انکار کیا۔ بغداد کے شیوخ نے اس خواہش کا اظہار کیا لیکن تم پھر بھی انکاری رہے' حتیٰ کہ میں نے تمہیں اس کے لئے کہا لیکن تم نے میرا کہنا بھی نہ مانا اور ہمیشہ وعظ و نصیحت عام کرنے سے پہلو بچاتے رہے۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس کی وجہ کیا تھی لیکن اب کی مرتبہ تمہیں حضور عالم ﷺ نے حکم دیا ہے اور دیکھ! حضور ﷺ کا کہا اس طرح مان کہ ہر کام پر آپ ﷺ کے حکم کو ترجیح دے۔''

یہ سن کر حضرت جنید بغدادیؒ کا سر شرم سے جھک گیا۔ شاگرد کو رخصت کر کے واپس حجرے میں آن بیٹھے اور دل ہی دل میں نادم ہوتے رہے کہ شیخ سے مسابقت کا خیال کیوں آیا! نادم ہو کر حضرت شیخ سقطیؒ کے پاس گئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ابھی آپؒ اظہار ندامت کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہے تھے کہ شیخ سقطیؒ ہونٹوں پر تبسم سجائے مخاطب ہوئے:

''میرے بچے! تجھے نادم ہونے کی ضرورت نہیں' مجھے سب علم ہے۔ یاد رکھ! جب روحانیت کے سفر کا آغاز ہوتا ہے تو شیطان راہ میں طرح طرح کے جال بچھاتا ہے۔ یہ اللہ کا ہی کا احسان ہے کہ وہ جسے چاہے شیطان کے شر سے محفوظ کر لیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ وہ تمہیں ہر موڑ پر شیطان موذی کے شر سے محفوظ رکھے۔''

تاریخ تصوف میں یہ چیز عام دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ سالک جس

کے دل میں اپنے شیخ سے کسی پہلو میں بھی بدگمانی' برتری یا بے نیازی کا خیال آجائے' وہ بالآخر مرتد طریقت ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ حضرت جیؒ کے زمانے میں اور آپؒ کے بعد کتنے ہی لوگوں کو بلندیوں سے پستیوں میں گرتے ہوئے دیکھا۔ الامان! شیخ کے مقابلے میں برتری کا احساس شیطان کا بدترین جال ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ اپنے شیخ سے مقام و مرتبت میں کہیں آگے تھے اور حضرت سری سقطیؒ نے خود بھی اس کی تصدیق فرمائی لیکن شاگرد کے لئے استاد سے برتری کا خیال سوئے ادب تھا۔

ایک مرتبہ حضرت سری سقطیؒ سے کسی نے دریافت کیا: کیا کسی مرید کا مرتبہ اپنے مرشد سے بھی بلند ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں' جنید کا مرتبہ مجھ سے بھی بلند ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کی نگاہ میں کس قدر وسعت تھی! اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے جب حضرت سری سقطیؒ نے بھی اس کا اعتراف کیا۔

رحمت باری تعالیٰ سے مایوسی شیطانی فریب ہے

انسان کو ہر وقت اپنے گناہوں پر لرزاں و ترساں رہنا چاہیے لیکن تلبیسات ابلیس میں ایک فریب یہ بھی ہے کہ وہ کثرت گناہ پر عقوبت کا اس قدر خوف طاری کر دیتا ہے کہ رجا کا پہلو نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی خوشخبری کے باوجود انسان مایوسی کا شکار ہو کر ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ کچھ اسی طرح کی کیفیت سے دوچار ایک نوجوان حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو رو کر کہنے لگا:

''حضرت مجھ سے ایک گناہ عظیم ہو گیا ہے اور اب کسی پل

بھی چین نہیں۔ خدا کے حضور معافی مانگتا ہوں' گڑگڑاتا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں۔ نہ جانے میری توبہ قبول بھی ہو گی یا نہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ مجھے توبہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔''

شیخ سقطیؒ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

''نوجوان! توبہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو اپنا گناہ ہی بھول جائے''۔

یہ سن کر نوجوان بیچارگی سے مزید رونے لگا اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھا کر بولا:

''گویا میں گناہ کر کے ایک دلدل میں اتر گیا ہوں اور میرا نکلنا دشوار ہی نہیں' ناممکن ہے۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا میرا مقدر بن چکا ہے''۔

شیخ سقطیؒ کچھ کہنے کی بجائے اسے خاموشی سے دیکھتے جا رہے تھے۔ نوجوان نے آنسو بھرا چہرہ اٹھا کر دوبارہ لرزتی ہوئی آواز میں شیخ سے پوچھا:

''لیکن میں نے توبہ کا مطلب یہ سنا ہے کہ آدمی اپنے گناہ بھلا دے' کیا یہ درست ہے؟''

حضرت جنید بغدادیؒ ان دنوں زیر تربیت تھے اور مسلسل توجہ سے نوجوان اور حضرت سری سقطیؒ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ اس سے پیشتر کہ شیخ سقطیؒ جواب دیتے' آپؒ بول پڑے:

''تو نے سچ سنا ہے' توبہ کا مطلب یہی ہے کہ انسان گناہ بھلا دے۔''

یہ بات سن کر حضرت سری سقطیؒ نے ناپسندیدگی کے عالم میں حضرت جنید بغدادیؒ پر نظر ڈالی۔ آپؒ اس نظر کا مفہوم سمجھ گئے لیکن سر جھکا کر ادب سے بولے:

''میں خیال کرتا ہوں یہ بات برحق ہے کہ اگر ایک انسان کا اللہ سے تعلق خراب ہو جاتا ہے اور وہ توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے پروردگار کو منائے اور دل میں مطمئن ہو جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ تعلق دوبارہ استوار ہو گیا۔ اب پرانے حالات کو بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے اور اپنی پہلی حالت کا خیال دل میں لانا اچھا نہ ہوگا۔''

شیخ سقطیؒ نے آپؒ کی وضاحت سنی تو فرمایا:

''جنید میرے بیٹے! تو نے سچ کہا' میں واقعی غلطی پر تھا۔''

کَلِّمْ عَلَی النَّاسِ کے فرمان کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ نے بغداد میں وعظ و نصیحت کی مسند سنبھال لی اور یہ فریضہ اس طرح ادا کیا کہ آپؒ کی شہرت اکناف و اطراف میں پھیل گئی۔ آپؒ نے اپنی فصاحت و بلاغت سے ایک عالم کو فیض یاب کیا' تعلیمات نبوی ﷺ کے گوہر لٹائے اور بے شمار لوگوں کی ظاہری اور باطنی اصلاح ہوئی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا خطاب القاء و الہام کے تابع ہوتا۔ جب گذارش کی جاتی کہ آپؒ نے جو ارشاد فرمایا' وہ دہرا دیں تو فرماتے:

''اللہ تعالیٰ نے وہ الفاظ میرے منہ میں ڈال دیئے اور زبان کو گویائی عطا کر دی۔ نہ وہ الفاظ کتابوں سے حاصل ہوئے' نہ کسی تعلیم سے بلکہ محض عنایت الٰہی سے ملے۔''

آپؒ ایک ہی سوال کا جب دوبارہ جواب دیتے تو انداز مختلف ہوتا اور نئے مفاہیم کھلتے۔ ابن سُریجؒ نے ایک مجلس میں حضرت جنید بغدادیؒ سے کہا:

''اے جنید! آج تمہارے بتانے سے پہلے میں نہ جانتا تھا کہ ان سوالوں کا جواب کیونکر دیا جاسکتا ہے؟''

آپؒ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی اور میرے منہ سے الفاظ کہلوا دیئے۔''

انہوں نے دریافت کیا:

''یہ بصیرت کیسے حاصل ہوئی؟''

فرمایا:

''یہ نتیجہ ہے میرے چالیس سال تک اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے کا۔''

کلام کے متعلق آپؒ فرماتے ہیں:

كَلَامُ الْاَنْبِيَاءِ نَبَأٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَكَلَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ اِشَارَةٌ عَيْنٍ مِّنْهُ

انبیاء علیہم السلام کا کلام بارگاہ رب العزب سے مستند اور یقینی خبر ہوتا ہے اور صدیقین یعنی اولیا کا کلام اس درگاہ سے آنکھ کا اشارہ ہوتا ہے۔

اظہار کرامت پر ناپسندیدگی

حضرت جنید بغدادیؒ کے حالات و واقعات میں کثرت سے کرامات

کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن آپؒ خود کرامات کے اظہار کو ناپسند کرتے۔ آپؒ کے دوستوں میں حضرت ابوالحسین احمد بن محمد النوریؒ سرفہرست تھے اور دونوں بزرگوں میں خاصی بے تکلفی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ انہیں ملنے گئے تو وہ تلاوت میں مصروف تھے اور ان کے جسم سے اس قدر روشنی پھوٹ رہی تھی کہ حجرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ آپؒ نے فرمایا' احمد! اس تماشے کی کیا ضرورت تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نور عطا کرنے والے کا کام ہے کہ وہ اس بات کو جانے! اگرچہ حضرت جنید بغدادیؒ اس جواب سے لاجواب ہو گئے لیکن آپؒ کا یہ مزاج تھا کہ اعتدال کی روش پسند فرماتے تاکہ صوفی کی زندگی عام لوگوں سے مختلف نہ ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی ایک بڑی کرامت نگاہوں کی وہ تاثیر تھی کہ آپؒ جس پر نظر ڈالتے اس کے دل کی دنیا بدل جاتی۔ خواب میں آقائے نامدار ﷺ کے فرمان کے تحت جب منبر ارشاد سنبھالا تو اثر پذیری کا یہ عالم تھا کہ آپؒ کی مجلس سے کئی لوگوں کو بے ہوشی کے عالم میں اٹھایا جاتا۔

حضرت ابوعلی رودباریؒ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک معروف شیخ ہیں جن کا تعلق رؤسا اور وزرا کے گھرانے سے تھا۔ ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ کی مجلس سے ان کا گزر ہوا تو آپؒ کسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: ''اِسْمَعْ يَا هٰذَا'' ارے سن! حضرت ابوعلی رودباریؒ نے خیال کیا شاید ان سے کہا گیا ہے۔ وہیں بیٹھ گئے اور آپؒ کی بات غور سے سننے لگے۔ بیان ختم ہوا تو مال و دولت اور گھر بار چھوڑ کر آپؒ کی صحبت اختیار کر لی اور توحید میں وہ درجہ پایا کہ وقت آخر ان کی زبان پر یہ شعر تھا:

وَحَقِّكَ لَا نَظَرْتُ اِلٰی سِوَاكَ
بِعَیْنِ مُوَدَّةٍ حتّٰی اَرَاكَ

قسم ہے تیرے حق کی! نہ تیرے سوا میں نے کبھی کسی کو محبت کی
آنکھ سے دیکھا اور نہ دیکھوں گا' جب تک کہ تجھے نہ دیکھ لوں۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کی محفل میں ایک مرید کیفیات جذب نہ کر سکا تو اس نے اللہ ہو کا نعرہ بلند کیا۔ یہ سن کر آپؒ نے سخت بیزاری کا اظہار کیا اور مرید کو پاس بلا کر ہدایت کی کہ آئندہ اس کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے سے پہلے محفل سے اٹھ کر باہر نکل جائے۔ تھوڑی دیر بعد آپؒ نے پھر وہیں سے سلسلہ کلام شروع کیا جہاں سے مرید کی دخل اندازی کے سبب ٹوٹا تھا۔

جوں جوں آپؒ درس دیتے جاتے' اللہ ہو کا نعرہ لگانے والا مرید بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ زبان پر قابو رکھنے کی بہت کوشش کرتا رہا مگر ضبط کا یارا نہ رہا اور دوبارہ اللہ ہو' اللہ ہو پکارنے لگا۔ آپؒ کو اس کی یہ دخل اندازی بری لگی اور دکھ کے ساتھ اس سے کہا' کم ظرف لوگوں کو چاہیے کہ ایسی مجالس میں نہ آئیں۔ یہ کہتے ہوئے آپؒ نے اس نوجوان کی طرف دیکھا تو وہ نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں گر گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت جنید بغدادیؒ صرف اپنے خاص مریدوں کو ہی شریک محفل فرماتے اور کسی پر نگاہ ڈالتے ہوئے توجہ میں احتیاط فرماتے۔

حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خانؒ کے ابتدائی دور میں دہریت زدہ ایک پروفیسر کو محفل ذکر میں بٹھا کر توجہ کے لئے درخواست کی گئی۔ نور پور کی اس مسجد میں زمین پر پرالی پڑی ہوئی تھی۔ حضرت جیؒ نے توجہ دی تو وہ تڑپ کر گر گیا۔ مسجد کے ایک سرے سے پرالی میں منہ ڈال کر رگیدتا ہوا دوسری

طرف نکل جاتا اور چلا چلا کر کہتا: ''اللہ ہے' اللہ ہے۔'' محافل شیخ میں توجہ کا اثر بارہا دیکھنے میں آیا ہے لیکن اس بات کو پسند نہیں کیا جاتا کہ وفور کیفیات میں دامن ہوش کو ہاتھ سے چھوڑ دیا جائے۔ ہمیشہ تلقین فرمائی جاتی ہے کہ واردات قلبی اور کیفیات کو جذب کیا جائے نہ کہ انہیں جزع وفزع سے ضائع کر دیا جائے۔

انتہائے عجز وانکساری

اپنی محافل میں لوگوں کی یہ حالت دیکھتے ہوئے حضرت جنید بغدادیؒ نے وعظ وارشاد کا سلسلہ بند کر دیا۔ اہل بغداد اور ہمعصر مشائخ نے بہت اصرار کیا کہ آپؒ یہ سلسلہ دوبارہ شروع کریں لیکن حضرت جنید بغدادیؒ نے کسی کی بات نہ مانی اور کافی عرصہ خاموش رہے۔ ایک روز کسی کے کہے بغیر آپؒ منبر پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ اس اچانک تبدیلی کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

''میرے سامنے حضور ﷺ کی ایک حدیث آئی ہے کہ
آخری زمانہ میں علماء آسمان کے نیچے بدترین افراد ہوں
گے جو ان کو وعظ ونصیحت کریں گے۔ میں جانتا ہوں کہ میں
سب سے برا ہوں' اس لئے میں نے وعظ شروع کر دیا ہے
تاکہ اس حدیث کی مخالفت نہ ہو جائے۔''

اللہ اللہ! عجز وانکساری کی یہ انتہا کہ جس ہستی کو امام الائمہ کہا جاتا ہے' اس کے ہاں اپنی ذات کی اس حد تک نفی ہے۔

پیکر عقل ودانش

حضرت جنید بغدادیؒ کا نام عقل ودانش کے لئے بطور استعارہ استعمال

کیا جاتا ہے اور یہ نام کمال ادب کی علامت بھی ہے۔ شیخ ابو جعفر حدادؒ کہا کرتے تھے کہ عقل اگر مرد ہوتی تو جنید کی شکل میں ہوتی۔ خلیفہ بغداد نے آپؒ کے ایک مرید کو بے ادب کہا تو اس نے جواب دیا' میں بے ادب کس طرح ہو سکتا ہوں جبکہ نصف دن حضرت جنیدؒ کی صحبت میں گزارتا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک نصرانی نوجوان مسلمانوں کے لباس میں آپؒ کی مجلس میں بیٹھ گیا اور دوران خطاب پوچھنے لگا:

''اے شیخ! رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ''

اس کی یہ بات سن کر آپؒ نے سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر اسے کہا:

''اسلام لے آ کہ تیرے اسلام لانے کا وقت آ پہنچا ہے۔''

امام یافعیؒ اس واقعہ کو حضرت جنید بغدادیؒ کے نور بصیرت کا مظہر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لوگ اس واقعہ میں جنیدؒ کی ایک کرامت جانتے ہیں اور میں کہتا ہوں اس میں ان کی دو کرامتیں ہیں۔ ایک اس کے کفر پر ان کا باخبر ہونا اور دوسری انہیں یہ معلوم ہونا کہ اسی وقت اسلام لے آئے گا۔''

شیطان سے مکالمہ

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کو خواہش محسوس ہوئی کہ وہ شیطان مردود کو دیکھ سکتے اور اس سے دریافت کرتے کہ اے ملعون' تجھے آخر کس چیز نے روکا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رہا اور فتنہ و فساد کا منبع بنا ہوا

ہے۔ مسجد سے باہر نکل رہے تھے تو دیکھا کہ ایک ضعیف العمر شخص عصاء کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ان کے پاس آ رہا ہے۔ اس کی وضع قطع تو ایک بزرگ کی سی تھی مگر دل میں اس کی قربت سے وحشت ہونے لگی۔ جوں جوں وہ آپؒ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا' اتنا ہی زمین اسے پیچھے کی طرف کھسکا دیتی۔ ناامید ہو کر وہ حضرت جنید بغدادیؒ سے بولا:

''جنید! تو خوش قسمت ہے کہ تیرے خالق نے میرے اور تیرے درمیان ایک دیوار حائل کر دی ہے' میں وہی ہوں جس سے تو ملنے کا خواہش مند ہے۔''

آپؒ کو جب یہ احساس ہوا کہ شیطان لعین سامنے کھڑا ہے تو فوراً غصے اور درشتی سے بولے:

''ملعون تجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا تھا؟''

شیطان یہ سن کر بولا:

''تم تو خود عبادت گزار ہو' عقل و شعور سے مالا مال ہو' مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کیا تم اس بات کو مان لو گے؟''

جنید بغدادیؒ سوچ میں پڑ گئے کہ آخر اسے کیا جواب دیں۔ اتنے میں آواز آئی:

قُلْ لِمَ كَذَبْتَ' لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَامُوْرًا لِمَ خَرَجْتَ مِنْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ

جنید اس سے کہو تو جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔ اگر تو خدا کا

بندہ ہوتا تو اس کے حکم سے باہر کیوں جاتا۔

فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِیْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِیْ بِاللّٰہِ وَغَابَ

ابلیس نے میرے دل کی یہ بات سنی تو چیخ کر یہ کہتا ہوا نظروں سے غائب ہوگیا: ''جنید! اللہ کی قسم تو نے مجھے جلا ڈالا۔''

حضرت جیؒ کے شاگرد اول قاضی ثناء اللہؒ کا شیطان سے مکالمے کا ذکر حیات طیبہ کے حصہ اول میں گزر چکا۔ یہی سوال انہوں نے بھی شیطان سے کیا تھا لیکن اس کا جواب اس موقع کے مطابق قدرے مختلف تھا۔ کہنے لگا: قاضی جی میں تو ازلی مردود ہوں۔ حضرت جیؒ فرمایا کرتے کہ ابلیس نے قاضی جی کا بھی احترام کیا اور انہیں قاضی جی کہہ کر پکارا۔

تلبیس ابلیس

شیطان اہل تصوف کو جس طرح عُجب میں مبتلا کرتے ہوئے تباہ کر دیتا ہے' اس کی ایک مثال حضرت جنید بغدادیؒ کے متعلقین میں بھی ملتی ہے۔ ایک مرید کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوگیا کہ اب میں کامل بزرگ ہوں اور شیخ کی صحبت کا محتاج نہیں۔ خواب میں دیکھتا ہے کہ ملائکہ اسے اونٹ پر سوار کر کے جنت میں سیر کے لئے لے جاتے ہیں۔ اس بات کی شہرت ہوئی تو حضرت جنیدؒ مرید کے پاس پہنچے اور اسے فرمایا' آج رات جب تم جنت میں پہنچو تو لاحول پڑھ لینا۔ مرید نے ایسا ہی کیا تو فرشتوں اور اونٹ کی بجائے مردار کی ہڈیاں نظر آئیں۔ فوراً تائب ہوا اور حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حضرت جیؒ کے حالات میں ایسے مریدوں کا تذکرہ ملتا ہے جو عُجب کا شکار ہوئے اور تباہ ہوگئے یہاں تک کہ ایمان سے بھی گئے۔ ایک شخص نے حضرت جیؒ کو بتایا کہ جب وہ منازل بالا طے کرتا ہے تو سواری کے لئے ایک گدھا مل جاتا ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا: دیکھنا' یہ گدھا کہیں تمہاری گردن ہی نہ تڑوا دے۔ یہی ہوا' یہ شخص حضرت جیؒ کے وصال کے بعد سلسلہ عالیہ سے الگ ہوگیا۔ ایک اور صاحب نے اجتماعی ذکر چھوڑ دیا۔ پتہ چلا کہ خود ہی مراقبات ثلاثہ سے آگے نکل چکے ہیں اور فرشتوں کی معیت میں سیر کعبہ کرتے ہیں۔ اجتماعی ذکر میں شریک ہوئے تو اصل مقام پر آ گئے اور تلبیس ابلیس سے باخبر ہوگئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وساوس شیطانی سے نفس کے وساوس شدید ترین ہوتے ہیں۔ وساوس شیطانی تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم پڑھنے سے دور ہو جاتے ہیں لیکن نفس کے وساوس کو دور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ترویج تصوف

حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کے تمام مسائل کی بنیاد سنت پر رکھی۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا علم حدیث سے ملا ہوا ہے۔ سب سے پہلے مسائل تصوف کو بھی آپؒ ہی نے ترتیب دیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے محمد بن علی قصابؒ سے پوچھا' تصوف کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا معلوم نہیں' پھر فرمایا:

خُلُقٌ کَرِیْمٌ یُظْھِرُ الْکَرِیْمُ فِیْ زَمَانٍ کَرِیْمٍ مِنْ رَجُلٍ کَرِیْمٍ بَیْنَ قَوْمٍ کِرَامٍ

بڑے مزے کی بات ہے۔ پہلے کہا معلوم نہیں، پھر کہا خُلُقٌ کَرِیْمٌ ایک عادت کریمہ جسے (اللہ) کریم ظاہر کرتا ہے، ایک کریم شخص میں کریم زمانے اور کریم لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے وہ خُلُقٌ کیا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے تصوف کے بارے میں فرمایا: تصوف یہ ہے کہ تو ایک ساعت بے تیمار کے بیٹھے اور ''بے تیمار'' کیا ہے۔ ''یافت بے جستن و دیدار بے نگہ یستن''۔ بے تلاش کے پالینا اور بے دیکھے دیکھ لینا کہ جو کوئی بینائی اور نظر سے دیکھتا ہے، اس کے اور اللہ کے درمیان غیر آ گیا جو توحید نہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں:

''تصوف نام ہے مخلوق سے خالق کی جانب رجوع، قرآن و سنت کا اتباع اور مشغول عبادت رہنے کا۔''

حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک تصوف لمحاتی یا رسوماتی نہیں بلکہ پوری زندگی بسر کرنے کا اسلوب ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''تصوف یہ ہے کہ صوفی اس طرح خدا کی معیت میں زندگی بسر کرے کہ غیر اللہ سے اسے کوئی وابستگی نہ رہے۔''

''تصوف وہ کوشش ہے جس میں ایک انسان پوری زندگی بسر کر دیتا ہے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ کے تلامذہ کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ تاریخ تصوف میں یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے آپؒ ہی نے تیسری صدی ہجری میں بغداد میں مدرسہ تصوف قائم کیا۔ آپؒ کے اونچے درجے کے شاگردوں میں حضرت شبلیؒ، الجریریؒ، جعفر الخلدیؒ اور ابوسعید الاعرابیؒ کا شمار ہوتا ہے۔ آپؒ کے شاگرد منصور الحلاجؒ نے عالم سکر میں اسرار توحید بیان کرتے ہوئے

دامن ضبط کو ہاتھ سے چھوڑا تو آپؒ نے اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ حضرت شبلیؒ کے بارے میں حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں:

''ہم اس علم کو تہ خانوں، غاروں اور گھروں میں چھپ کر بیان کرتے تھے۔ شبلی آئے تو وہ اس علم کو منبر پر لے گئے اور مخلوق کے سامنے اسے کھول کر رکھ دیا۔''

ایک مرتبہ حضرت شبلیؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کو ایک خط لکھا جس میں اشارات و اخفا اور ابہام کی زبان استعمال کی گئی تھی۔ آپؒ نے یہ ہدایت لکھ کر خط واپس کر دیا کہ اے ابوبکر! لوگوں کے معاملے میں احتیاط سے کام لو، تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے تم نے سب پردے چاک کر دیئے ہیں۔

فکر جنیدؒ اور تجدید طریقت

وہ عملی تصوف جس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی عبارت تھی اور جس کی صراحت حضرت امام حسن بصریؒ نے فرمائی، تیسری صدی ہجری میں خارجی آمیزشوں اور نظریاتی خرابیوں کا شکار ہونے لگا۔ یہ ابتدائی دور تھا اور تزکیۃ القلوب کے شعبہ کی تشریح اور تعبیر میں ذاتی آراء اور ایسے خیالات سرایت کر گئے جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ اسی دور میں مسلمانوں کے ہاں یونانی فلسفے اور علم الکلام نے زور پکڑا تو ایمان و یقین کو بھی عقل کے ترازو سے تولا جانے لگا۔ عقائد کے ثبوت میں عقلی دلائل کا سہارا لیا گیا لیکن جب عقل قرآن کی تعبیر میں ناکام ہوئی تو بے لگام عقل نے مذہب سے بغاوت کر دی اور اعتقاد کی بنیادیں ہل گئیں۔ یونانی فلسفے اور عقلیت کے اس سیلاب نے مسلمانوں کی دینی زندگی پر نہایت برا اثر ڈالا۔ مذہبی عقائد کو عقل کے سانچوں

میں ڈھالنے کی کوشش اور قرآنی آیات کی فلسفیانہ تاویلات سے مذہب کی حقیقی روح گم ہونے لگی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے دور کا بڑا مسئلہ یہ تھا کہ خوارج کے اثرات، یونانی فلسفہ اور عقلیت کے پیمانے سے دین کی چھان پھٹک نے ایمان و یقین کی بنیادیں متزلزل کر دیں تو اس کے ساتھ ساتھ عقیدہ توحید بھی متاثر ہوا۔ بجائے اس کے کہ اللہ کی پہچان دلوں میں ذکر و فکر اور تعلق باللہ سے پیدا ہوتی اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح جانا اور پہچانا جاتا جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے پہچان کرائی، ذات باری تعالیٰ کی معرفت کے لئے فلسفیانہ تصورات کا سہارا لیا گیا۔

اس دور میں مسلمانوں میں یونانی فلسفے کا رواج ہوا تو حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے ہم عصر صوفیا نے اس فتنے کے خلاف آواز اٹھائی اور عقل کے مقابلے میں عشق الٰہی پر زور دیا۔ آپؒ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ نے یونانی فلسفہ اور عقلی دلائل کے مقابلے میں تصوف کے ذریعے توحید کی تعلیم دی۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے خود بھی عشق الٰہی سے سرشار زندگی بسر کی اور فلسفے کے برے اثرات کا مداوا قلبی کیفیات کے ذریعے سے کیا۔ آپؒ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اللہ کو سوز دل اور اشک آلود آنکھوں سے تلاش کیا جائے، نہ کہ عقل روح کی رہنمائی کرنے لگے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''تصوف کی یہ راہ صرف وہی پا سکتا ہے، جس کے دائیں

ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حدیث اور سنت رسول مصطفیٰ ﷺ ہو۔ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔''

نور نبوت کو چھوڑ کر عقل کے جگنو کی جلتی بجھتی روشنی کے ذریعے حقائق کی تلاش ہر دور کے انسان کا المیہ رہا ہے۔ تیسری صدی ہجری میں حضرت جنید بغدادیؒ نے عقل و فلسفہ کی بجائے جن دو چراغوں کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کو عافیت کا راستہ قرار دیا ہے، اہل اللہ نے ہر دور میں راہ ہدایت کے ان دونوں چراغوں کی طرف دعوت دی ہے۔

ہمارے معاشرے میں بھی سرسید مکتب فکر اور پرویزی فتنہ کے اثرات سے عقلیت پرستی کا جو رواج چل نکلا ہے، اس کے نتیجہ میں ایمان و یقین سے فرار، کیفیات کا انکار اور دین کو عقل کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کو دانشوری قرار دیا گیا ہے، بلکہ ادب و شاعری میں سب سے بڑا دانشور وہ کہلاتا ہے جو پوری ڈھٹائی سے مذہب کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کرے۔ اس دور میں حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کا یہ قول حضرت جنید بغدادیؒ کے مذکورہ بالا الفاظ کی صدائے بازگشت ہے:

''صوفی وہ ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت اس طرح کرے کہ ایک ہاتھ میں قرآن ہو اور دوسرے میں حدیث۔''

نظریہ وحدت الوجود

وحدت الوجود کی اصطلاح اگرچہ چوتھی صدی ہجری میں حضرت محی

الدین ابن عربیؒ نے استعمال کی لیکن تاریخ تصوف بیان کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ نظریہ وحدت الوجود کا تصور واضح طور پر سب سے پہلے حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاں ملتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے نزدیک فکر کی انتہائی بلندیوں پر دنیائے فانی کا وجود ہی مٹ جاتا ہے جس کے بعد بقا باللہ کی حالت نصیب ہوتی ہے اور یہ وہ کیفیت ہے جسے قرآن میں فنا و بقا کہا گیا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ○

زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی صاحب عظمت، احسان کرنے والے، تیرے رب کی ذات۔ (الرحمٰن 26، 27)

اللہ اور بندے کے تعلق کی انتہاء یہ ہے کہ وہ واصل باللہ ہو جائے۔ حضرت جنید بغدادیؒ وصل کی اس کیفیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ چونکہ سب چیزوں کی اصل ذات باری ہے، اس لئے علیحدگی (تفریق) کے بعد آخر کار وہ پھر اسی ذات کی طرف عود کریں گی تا کہ پھر اس سے مل جائیں اور صوفی مقام فنا میں یہی درجہ حاصل کرتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''اس وقت تجھ سے خطاب کیا جائے گا اور مخاطب بھی تو خود ہوگا، تجھ سے تیرے حالات پوچھے جائیں گے اور تو خود پوچھنے والا ہوگا۔ برکات کا یہ کثرت فیضان ہوگا اور دونوں جانب سے اقرار و اعتراف ہوں گے۔ ایمان کی قوت باہم بڑھتی جائے گی اور رحمتوں کا لگاتار نزول ہوگا۔''

توحید خاص

وسط تیسری صدی ھجری کے آغاز میں صوفیا نے عقیدۂ توحید کو ایسی غلط

تعبیریں پہنائیں جو صریحاً توحید باری تعالیٰ سے متصادم تھیں۔ اس موضوع پر صوفیا قدیم کے ان اقوال کو، جو رموز و کنایوں کی زبان میں اظہار حقیقت تھے، ظاہری الفاظ کے مطابق ایسے معنی پہنائے گئے جو توحید کے باب میں عوام الناس کے لئے ٹھوکروں کا موجب بنے۔ عالم سکر میں بعض صوفیا اور مجاذیب کے اقوال کا سہارا لے کر دنیاداروں نے شریعت کی پابندیوں سے فرار کے لئے جواز گھڑنے شروع کر دیئے اور گمراہ فرقے وجود میں آنے لگے۔ اس طرح کے باطل اور گمراہ کن نظریات کے حامل فرقوں کا تذکرہ تاریخی حقائق کے طور پر تاریخ تصوف کا حصہ بن چکا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے نصف میں حضرت جنید بغدادیؒ، آپ کے ماموں اور استاد حضرت سری سقطیؒ، حضرت حارث محاسبیؒ اور دوسرے ہمعصر صوفیا نے توحید خاص کی صحیح تعبیر پیش کی اور عقیدہ توحید کے دفاع کا حق اس طرح ادا کیا کہ تاریخ تصوف میں آج تک کوئی صوفی فکر جنیدؒ سے انحراف نہیں کر سکا۔

حضرت حارث محاسبیؒ کا یہ واقعہ اس دور کی صورت حال کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ عقیدہ توحید کو کس طرح مسخ کیا جا رہا تھا، اس کے مقابل فکر جنیدؒ کیا تھی اور آپؒ کے ہم فکر صوفیا کس طرح توحید خاص کا دفاع کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت حارث محاسبیؒ کے دوست امیر حمزہ بغدادیؒ ان کے گھر آئے۔ حضرت محاسبیؒ نے ایک پرندہ پال رکھا تھا جو سریلی آواز میں گانے لگتا۔ حسب معمول ایک اجنبی کو دیکھ کر پرندہ خوش الحانی سے گانے لگا۔ پرندے کی سریلی آواز امیر حمزہؒ کے دل کو اس قدر اچھی لگی کہ وہ پکار اٹھے: ''واللہ یہ تو خدا ہے''۔ محاسبیؒ نے جو یہ سنا تو غصے سے کھول اٹھے اور سخت طیش کے عالم میں خنجر لے کر امیر حمزہ کے پیچھے دوڑے۔ ساتھ ساتھ کہتے جا رہے تھے ''حمزہ

اگر تو نے اپنے الفاظ واپس نہ لیے تو آج مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا' میں تجھے قتل کر دوں گا۔''

امیر حمزہؒ نے یہ سن کر معذرت خواہانہ انداز میں کہا: ''حضرت! اگر چہ میرے عقائد و نظریات اتنے ضعیف نہیں ہیں لیکن پھر بھی میری بات بدعقیدہ لوگوں کی مانند بن گئی جس کے لئے شرمسار ہوں اور اپنے کہے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

یہ سن کر محاسبیؒ نرم پڑ گئے اور کہا:

''بے شک تو عقائد میں پختہ ہے اور مجھے اس پر یقین ہے لیکن تو نے بات ہی ایسی کی کہ میں ضبط نہ کر سکا۔ اگر ایک معمولی پرندہ عام سے سر میں کوئی آواز نکال لیتا ہے تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی آواز نکل رہی ہے۔ خدا تو نا قابل تسخیر قوت ہے' وہ بھلا کیوں مجسم ہوگا!''

اس دور میں عقیدہ توحید کی بگڑی ہوئی تعبیروں کو ختم کرنے کے لئے حضرت جنید بغدادیؒ کے وعظ و ارشاد کا محور خالص عقیدۂ توحید تھا۔ کسی نے توحید خاص کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے فرمایا:

''توحید خاص یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم مردہ کی طرح ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام' قدرت اور تدبیروں کا تصرف اس میں جاری ہو''۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:

''جان لو کہ لوگوں کے اندر توحید کا پہلا درجہ عوام الناس کا ہے۔ دوسرے درجے میں وہ توحید آتی ہے جو دین کے

روایتی علم سے بہرہ ور علماء کی ہے۔ تیسرے درجے کی توحید کا تجربہ ان خواص کو ہوتا ہے جنہیں معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک عام آدمی کی توحید اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اظہار اور غیر اللہ کے ابطال میں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ سے امید و خوف بھی وابستہ رکھتے ہیں۔ توحید خواص کی پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے' ارباب و انداد اور اشیاء و اشکال کو نظر اور مشاہدے سے ساقط کیا جائے' اللہ کے حکم کو ظاہر و باطن دونوں میں نافذ کیا جائے اور اللہ کے علاوہ کسی سے کوئی امید نہ رکھی جائے کہ نفع و نقصان اور خیر و شر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

توحید کے موضوع پر حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''قَالَ التَّوْحِيْدُ مَعْنٰى يَضْمَحِلُّ فِيْهِ الرُّسُوْمُ يَنْدَرِجُ فِيْهِ الْعُلُوْمُ وَيَكُوْنُ اللّٰهُ كَمَا لَمْ يَزَلْ

توحید ایک ایسا مضمون ہے جس میں رسم و رواج' نقشے اور نشانات مٹ جاتے ہیں اور علوم اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اللہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔''

''توحید وہ حقیقت ہے جس میں تمام آثار و رسوم محو ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ اَلآنَ كَمَا كَانَ (اللہ تعالیٰ آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا) باقی رہ جاتا ہے۔''

''اَلتَّوْحِيْدُ اِفْرَادُ الْقَدِيْمِ عَنِ الْمُحْدَثِ

توحید یہ ہے کہ قدیم ہستی کو محدث (جو بعد میں وجود پائے) سے جدا کر دیا جائے یعنی:

» اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی کو ذوات حادثہ (اشیائے مخلوق سے متمیز کر دیا جائے۔

» اللہ تعالیٰ کی صفات ازلی کو اشیائے کائنات کی صفات سے متمیز کیا جائے۔

» اللہ تعالیٰ کے افعال کو اشیائے کائنات کے افعال سے متمیز کیا جائے۔

کیونکہ صرف وہی فاعل حقیقی ہے اور اس کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر بندوں کو فعل کی قدرت' طاقت اور قوت عطا نہ کرے تو کوئی شخص کوئی فعل یا کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔''

''اللہ تعالیٰ اور بندۂ مخلوق کے درمیان رابطہ بندے کے لئے اپنے مقام کی پہچان اور اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں ضم کر کے اس کے حضور میں حضوری ہے۔''

ایک مرتبہ آپؒ سے توحید کا مفہوم پوچھا گیا تو فرمایا:

''توحید وہ معانی ہے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی حالانکہ توحید کے معانی میں مکمل علم پوشیدہ ہے۔''

''توحید کا علم سرحد ادراک سے باہر ہے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحید کا آخری مقام یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات ختم کر کے تابع رضائے الٰہی بن جائے اور اس کی رضا

رضائے الٰہی بن جائے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''مجلسوں میں سب سے فضیلت والی اور سب سے اعلیٰ مجلس میدان توحید میں غور و فکر کے ساتھ بیٹھنا ہے۔ فرمایا: تو اللہ کا ہو کر رہ' اور اپنی اس آنکھ کو جس کے ساتھ اللہ عزوجل کا مشاہدہ کیا' غیر اللہ کے دیکھنے سے بچا۔ اگر تو ایسا نہ کرے گا تو اللہ کی نظر سے گر جائے گا۔''

لوگوں نے حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا' آپؒ کا وطن کہاں ہے؟ فرمایا: ''عرش کے نیچے'' یعنی میرا منتہائے مقصود' میری نظر کی منشا' میری روح کی آرام گاہ اور میرے کام کا سرانجام آخر قرب الٰہی ہے۔

امراض قلب

دلوں کے امراض کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ دلوں کے امراض خواہشات نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں' جیسے انسانی بدن کے امراض اخلاط انسانی کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں۔

حجابات

حضرت جنید بغدادیؒ بندے اور رب کے درمیان ہر طرح کے حجابات کی نفی کرتے ہیں۔ کسی نے آپؒ سے عرض کیا کہ خراسان کے بزرگوں میں تین طرح کے حجابات ہیں' ایک حجاب مخلوق' دوسرا حجاب دنیا اور تیسرا حجاب نفس۔ آپؒ نے فرمایا یہ تو عوام کے دل کے حجاب ہیں۔ خاص الخاص لوگوں کے حجاب اور ہیں۔ رُؤْيَةُ الْاَعْمَال وَمُطَالَبَةُ الثَّوَاب عَلَيْهَا وَرُؤْيَةُ النِّعَمْ یعنی اعمال کو دیکھنا' ان پر ثواب کا مطالبہ کرنا اور نعمتوں کو دیکھنا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے

ہیں کہ جو کوئی اپنے عمل کو دیکھتا ہے اس کا دل اللہ سے محجوب ہے اور جو شخص عمل کے معاوضہ کی جستجو کرتا ہے اور وہ شخص بھی محجوب ہے جو منعم کی طرف اس کی نعمتوں کی خاطر دیکھتا ہے۔

کسی شخص نے حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا' کیا عطا بغیر عمل کے ہوتی ہے۔ هَلْ يَكُونُ الْعَطَاءُ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ؟ آپؒ نے جواب دیا: فَقَالَ كُلُّ الْعَمَلِ مِنْ عَطَائِهٖ يَكُوْنُ۔ ہر عمل اس کی عطا سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمل بھی اس کی عطا ہے کیوں کہ عمل کا وجود' اس کے مبادی اور اسباب' سب اس کی طرف سے ہیں گویا سب عطا ہی عطا ہے' کرم ہی کرم ہے۔ انسان کیا' اس کے اعمال کیا اور ان پر مزید انعام کی طلب کیسی!

عمل پر انعام کی توقع یا عمل کی مقبولیت کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ کے نقطہ نظر کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ کے ہمعصر حضرت حماد قرشیؒ کے ہاں مہمان آئے تو انہوں نے اپنی بیوی کی اوڑھنی فروخت کر کے مہمانوں کا اکرام کیا۔ اسی وقت ایک شخص حاضر ہوا اور ہدیۂ تیس دینار پیش کئے لیکن حضرت حماد قرشیؒ نے قبول نہ کئے۔ گھر سے بیوی نے آواز دی کہ میری اوڑھنی بیچ کر سامان خورد و نوش خریدا ہے' اب ہدیہ قبول کیوں نہیں کرتے لیکن انہوں نے پھر بھی قبول نہ کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت حمادؒ کو بلا کر ماجرا سنا تو پتہ چلا کہ اوڑھنی فروخت کرتے ہوئے انہوں نے آواز سنی تھی کہ تو نے یہ کام ہمارے لئے کیا ہے' اس کا جواب تیرے پاس آئے گا اور وہ تیس دینار اس کا جواب تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: اَصَبْتَ' تو نے اچھا کیا جو دینار نہ لئے' یہ امر اس پر دلالت کرتا کہ تو نے اپنے عمل کو مقبول جانا اور عمل کے قبول ہونے کا حکم لگانا مناسب نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ صرف ثواب اور نعمتوں کے لالچ کو ہی حجاب نہ کہتے بلکہ آپؒ نے فرمایا: اَلْبَلَاءُ هُوَالْغَفْلَةُ عَنِ الْمُبْلِيْ۔ مصیبت و بلا یہ ہے کہ انسان مصیبت بھیجنے والے سے غافل ہو جائے یعنی اصل مصیبت یہ ہے کہ انسان مصیبت اور تکلیف میں اس قدر پریشان ہو جائے کہ مصیبت بھیجنے والے کی بجائے اس کی توجہ مصیبت میں الجھ کر رہ جائے۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاؤں میں سخت تکلیف ہوئی۔ درد ناقابل برداشت ہو گیا تو آپؒ نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پاؤں پہ دم کیا جس سے درد تو غائب ہو گیا لیکن ساتھ ہی القاء ہوا' جنید حیرت ہے تم نے اپنے نفس کی خاطر میرے کلام کو استعمال کیا! آپؒ اس قدر نادم ہوئے کہ عمر بھر ایسا نہ کیا۔

فکر جنیدؒ توحید کا وہ بلند ترین معیار ہے جہاں اطاعت الٰہی اور بندے کا اللہ سے تعلق صرف اللہ ہی کے لئے ہو اور وہ لذت اور خوشی کی کیفیات سے بھی گزر جائے یعنی کیفیت کا ادراک بھی مٹ جائے۔ بندہ جنت کی طلب اور دوزخ کے خوف سے بے نیاز ہو جائے اور جب اللہ اور بندے کے تعلق کی یہ کیفیت ہو گی کہ ہر غیر درمیان سے اٹھ جائے تو حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاں یہ توحید خاص ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے اللہ سے تعلق کے جس معیار کو طریقت میں توحید قرار دیا' صوفیاء کی جماعت اس سے کم پر کبھی تیار نہ ہوئی کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی مطلوب ہو۔ لَا مَطْلُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ البتہ جو شخص صوفی نہ ہو اس کے لئے توحید کے اس معیار کا ادراک ممکن نہیں۔

توحید کا یہ تصور بغداد کے علماء کی عقل و فہم سے بالا تھا۔ ان کی اکثریت نے علم کو حصول دنیا کا ذریعہ بنا رکھا تھا لیکن حضرت جنید بغدادیؒ

آخرت میں بھی اعمال پہ جزا وسزا سے بے نیازی کی تعلیم دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے حضرت جنید بغدادیؒ کے خلاف فتویٰ طرازی شروع کر دی کہ آپؒ جنت دوزخ سے بے نیازی کی تعلیم دیتے ہیں' اور حتیٰ کہ کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ حق یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ میں ذکر واذکار سے آج بھی یہی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔

مقدمہ تصوف

حضرت جنید بغدادیؒ کا دور بغداد میں صوفیاء کا دور تھا۔ الوہیت کے حوالے سے بعض صوفیا نے غیر محتاط زبان استعمال کی جس سے عوام الناس میں اضطراب پیدا ہوا۔ منصور الحلاجؒ کی اشاراتی زبان اور ایک خط جس میں لکھا تھا:

''یہ خط ہے الرحمٰن الرحیم کی طرف سے فلاں اور فلاں کو.....'' منظر عام پر آیا تو اسے دار پہ لٹکنا پڑا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے وصال سے کچھ عرصہ قبل یعنی تیسری صدی ہجری کے آخر میں تصوف اور صوفیا کے خلاف بغداد کے درباری علماء نے اس قدر زہر افشانی کی کہ خلیفہ بغداد المؤفق باللہ نے اہل اللہ کی جماعت کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ یہ گویا تصوف کا مقدمہ تھا جو حضرت جنید بغدادیؒ اور دوسرے صوفیاء کے خلاف خلیفہ کے سامنے پیش ہوا۔ اس موقع پر حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا:

''میں اصلاً محدث اور فقیہ ہوں۔ تزکیہ نفس کی اہمیت عوام پر واضح کرتا رہتا ہوں۔ میرا تصوف مقید بالکتاب وسنت ہے۔ جو بات قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو' وہ مردود ہے۔''

اس مقدمہ میں حضرت جنید بغدادیؒ اور آپؒ کے ہم فکر صوفیاء تو بری ہو گئے لیکن حضرت جنید بغدادیؒ نے محسوس کیا کہ صوفیاء کی انفرادی آزاد خیالیوں پر پابندی لگائی جائے۔ تصوف پر آپؒ کی گفتگو صرف آپؒ کے خاص شاگردوں تک محدود تھی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی۔ اگر کوئی شخص تصوف کے موضوع پر بات کرتے ہوئے اور خاص طور پر عقیدہ توحید کے بارے میں اشاراتی زبان استعمال کرتا تو آپؒ اس پر گرفت فرماتے۔ آپؒ نے اپنی ساری عمر شریعت کی پابندی میں بسر کی۔ فرائض کے علاوہ سنن اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتے تھے اور تلاوت قرآن حکیم معمول حیات تھا۔ آپؒ کی تعلیمات تصوف میں قرآن وحدیث کا خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ مکیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن الاعرابیؒ ''طبقات النساک'' میں مختلف صوفیاء کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں:

''آخری شخص جس نے تصوف کا درس دیا' وہ جنیدؒ تھے۔ انہیں وسعت نظر' صدق مقال اور اظہار مدعا کی اعلیٰ صفات ودیعت ہوئی تھیں اور ان کے بعد ہم اس بارے میں کسی دوسرے کا نام لیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔''

آپؒ کے شاگرد ابو جعفر خلدیؒ کا قول ہے:

''ہم حضرت جنید بغدادیؒ کے علاوہ کسی ایسے صوفی کو نہیں جانتے جس نے عقل وعرفان' علم کتابی اور مشاہدہ ذاتی کو اس طرح اپنی زندگی میں جمع کر لیا ہو۔ بغداد میں بہت سے ایسے علماء ہیں جو علم ظاہری میں ماہر ہیں مگر معرفت سے بیگانہ ہیں۔ اسی طرح بہت سے شیوخ ہیں جو علم باطنی میں

بہت بلند مقام رکھتے ہیں مگر علوم عقلی و شرعی سے بیگانہ ہیں
لیکن حضرت جنید بغدادیؒ دونوں کے جامع ہیں اور اس میں
شک نہیں کہ ان کا علم ان کے عرفان سے بڑھا ہوا ہے۔''

مقام افسوس ہے کہ تصوف سے نابلد ناقدین جب تصوف کی تاریخ رقم کرنے بیٹھتے ہیں تو اس میں یونانی فلسفے اور وحدت الوجود کے نام پر قرآن و حدیث کے خلاف نظریات کی آمیزش کے ذمہ دار حضرت حارث محاسبیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کو بھی ٹھہراتے ہیں جنہوں نے خود توحید خالص کی تعلیم دی اور اسلامی تصوف کو تمام آلائشوں سے نکھار کر پیش کیا۔

ذکر پاس انفاس اور لطائف

فی زمانہ کچھ لوگ اس پر معترض ہیں کہ سلسلہ عالیہ میں ذکر پاس انفاس یعنی ہر سانس کے ساتھ ذکر اسم ذات 'اللہ ھو' کی اس قدر تلقین کیوں کی جاتی ہے؟ ذکر کے اور بھی کئی طریقے ہیں تو ہر سانس کے ساتھ دل پر توجہ اور اللہ اللہ کرنے کا اس قدر اہتمام کیوں ہے؟ اس ضمن میں حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک انتہائی بصیرت افروز قول ایسے تمام اعتراضات کا سیر حاصل جواب ہے کہ ذکر کا یہ طریقہ پاس انفاس کہاں سے آ گیا؟

ایک شب حضرت جنید بغدادیؒ یادِ الٰہی میں مصروف تھے کہ اچانک توجہ میں ارتکاز نہ رہا۔ حجرے سے باہر نکلے تو ایک درویش کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پوچھا کس وجہ سے انتظار کر رہے ہو؟ درویش نے سوال کیا حضرت صرف اتنا بتا دیجئے کہ نفس کا علاج کیسے کیا جائے؟ آپؒ نے فرمایا:

''نفس کو ہر سانس پر اس حد تک کچل کچل کر ختم کر ڈالو کہ اس
میں اتنی طاقت ہی نہ رہے کہ وہ ایمان کی شکل اختیار کر لے۔''

اس قول میں سانس کے ساتھ ساتھ ضربات بھی ہیں کہ کچلنے کے لئے محنت چاہئے اور خالی سانس ہی نہیں بلکہ ذکر اسم ذات بھی کہ سانس نفس کو کچلنے کے لئے خود کوئی ہتھیار نہیں جب تک اسم ذات کی قوت سے لیس نہ ہو۔ ذکر اسم ذات کی یہ قوت صرف نفس کو ہی نہیں' خود اس بندے کو درجۂ فنائیت عطا کر دیتی ہے۔ سلسلہ عالیہ کے نظام تربیت میں ذکر پاس انفاس کے ذریعے قلب اور دیگر لطائف کو منور کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب ''الطاف القدس'' میں فرماتے ہیں:

''حضرت جنید سید الطائفہ قدس سرہٗ کے سلوک کی بنا پانچ
لطیفوں کی تہذیب پر ہے۔''

ترک دنیا

حضرت جنید بغدادیؒ فرمایا کرتے کہ ترک دنیا کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جا سکتا کہ انسان موٹے کپڑے پہن لے یا جو کی روٹی کھانا شروع کر دے' عالی شان گھروں سے منہ موڑ لے اور جنگلوں کی راہ لے اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنا لے۔ یہ ہرگز درست نہیں اور نہ ہی کوئی باہوش انسان اسے ترک دنیا قرار دینے کی ضد کرے گا۔ ترک دنیا تو اسے کہتے ہیں کہ دنیا میں رہو' لذیذ غذائیں کھاؤ لیکن ذائقہ جو کی روٹی کا محسوس ہو۔ مخمل بھی پہنو تو ٹاٹ کا گمان ہو۔ بھرے بازاروں میں سے گزرو تو یوں لگے کہ سنسان و بیابان ریگستان کا سفر کر رہے ہو۔

حضرت جنید بغدادیؒ خود بھی صاحب ثروت تھے۔ وسیع پیمانے پر ریشم کی تجارت کرتے اور اسباب و وسائل کی کمی نہ تھی۔ بغداد میں آپؒ کا مکان صوفیا کا مرکز تھا جہاں آپؒ کے احباب اور باہر سے آنے والے صوفیاء کی

خوب خاطر مدارت ہوتی۔ حضرت ابوحفصؒ تصوف کے ساتھ ساتھ شاہانہ بودوباش کے عادی تھے۔ انہوں نے حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاں اپنے مریدوں کے ساتھ طویل قیام کیا تو آپؒ نے ان کے مزاج کے مطابق میزبانی کی' یہاں تک کہ پہننے کے لئے روزانہ نیا جوڑا مرحمت فرماتے۔ بغداد کے غریب' فاقہ مست صوفیاء کی کفالت کا بوجھ بھی اٹھا رکھا تھا۔

حضرت جنید بغدادیؒ صوفیاء کے بارے میں پائے جانے والے عام تصور کے برعکس' جمالیاتی ذوق سے بھی بہرور تھے۔ اچھے شعر کی تعریف کرتے اور کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنی تقریر میں ایک شعر پڑھا اور فرمایا کہ یہ شعر اکثر حضرت جنید بغدادیؒ کی زبان پر رہتا:

اَیِّ شَیٍٔ عَلَی مِنی
العبد ما یملك بمولاۃ

حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کو ترک دنیا' گوشہ نشینی اور بے عملی سے نکال کر عملی تصوف کی تعلیم دی۔ تصوف کی یہ صورت شریعت مطہرہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے' اس میں ہمیشگی پائی جاتی ہے اور یہ آج بھی سب کے لئے قابل عمل ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ آپؒ کے بارے میں اپنی کتاب ''الطاف القدس'' میں فرماتے ہیں:

''سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہٗ اول وہ شخص ہیں کہ راہ متوسط اختیار کی اور ریاضت کو اختیار کیا۔ صوفیوں میں سے جو حضرت جنیدؒ کے بعد پیدا ہوا' وہ اسی راہ پر چلا اور حضرت جنیدؒ کا احسان اس کی گردن پر ہے' وہ جانے یا نہ جانے۔''

تفسیر قرآن

حضرت جنید بغدادیؒ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو آپ کے خطاب کا موضوع قرآن ہوتا۔ علمی گفتگو ہو یا خطوط' آپؒ کثرت سے قرآنی آیات بیان کرتے اور قرآن ہی سے استدلال کرتے۔ یہاں اس کی صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی○

اہل اللہ کے ہاں تفسیر قرآن میں یہ قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ جن آیات میں کسی نبی کا ذکر آتا ہے' وہ ہمیشہ اس مفہوم کو ترجیح دیتے ہیں جس میں انبیاء علیہم السلام کی شان میں کسی نقص یا کمی کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت جنید بغدادیؒ نے جو قرینہ اختیار کیا ہے' وہ کمال ادب کا مظہر ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

وَجَدَکَ مُتَحَیِّرًا فِی بَیَانِ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَهَدَاکَ لِبَیَانِهٖ لِقَوْلِهٖ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ

یعنی اے رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو لوگوں کے سامنے وحی پیش کرتے وقت اسے بیان کرنے میں متحیر پایا۔ پس ما انزل الله نے بیان کرنے کے معاملے میں بھی آپ ﷺ کی رہنمائی کر دی۔

اس پر آپؒ نے **وانزلنا علیك الذكر** والی آیت سے بھی استشہاد کیا۔

وَکُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَکَ

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ بزرگوں کے

حالات و واقعات سنانے میں کیا فائدہ ہے؟ آپؒ نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْحِکَایَاتُ جُنْدٌ مِنْ جُنُوْدِ اللّٰہِ تَقْوٰی بِھَا قُلُوْبُ الْمُرِیْدِیْنَ

اہل اللہ کی باتیں اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جس سے مریدوں کے قلوب کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

تعلیمات

حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات کا مرکزی موضوع تصوف ہے اور آپؒ نے اس کی تشریح قرآن وسنت کے حوالے سے فرمائی ہے۔ کثرت سے تلاوت قرآن پاک آپؒ کا عمر بھر معمول رہا اور آپؒ کی تعلیمات میں بھی جا بجا قرآنی آیات اور قرآنی استدلال کی جھلک نظر آتی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے خطوط اور اہم موضوعات پر خطابات جو آپؒ کے شاگردوں نے محفوظ کر لئے، آپؒ کی تعلیمات کا گرانقدر ذخیرہ ہیں جن کے احاطہ کے لئے عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔

تعلیمات تصوف میں حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ اور اس دور کے ہمعصر صوفیا سے مستفید ہوئے جن کی محافل میں آپؒ اکثر شریک ہوتے۔ اپنی تعلیمات میں آپؒ نے ان بزرگوں کا اکثر تذکرہ فرمایا ہے۔

تضییع اوقات: اس ضمن میں حضرت جنید بغدادیؒ حضرت سری سقطیؒ کی ایک روایت بیان فرماتے ہیں جس میں اہل اللہ کا فضول محافل میں بیٹھنا یا فضول گفتگو میں حصہ لینا ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے

ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ سے سنا کہ ایک دن ان کے بزرگ ابوجعفر سماکؒ اچانک ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت سری سقطیؒ کے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوجعفرؒ نے انہیں گھور کر دیکھا اور فرمایا:

یَاسِرِّی! صِرْتَ مُنَاخَ الْبَطَّالِیْن

اے سری! تو بے فائدہ باتیں کرنے والوں اور بیہودہ کام کرنے والوں کا پڑاؤ بن گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ مرید کو احکام شریعت کے سوا کچھ نہ سننا چاہیے، مرید کے لئے دنیا تلخ ہوگی اور معرفت شیریں۔

اللہ بندے کے بہت قریب ہے: حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ہمعصر حضرت ابوجعفر بن الکربیؒ سے بھی عقیدت رکھتے تھے اور اکثر ان کی صحبت اختیار کرتے۔ ان کے وصال کے دن آپؒ ان کے پاس بیٹھے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے کہ حضرت ابوجعفرؒ نے اپنا سر اٹھایا اور گویا ہوئے: ''بُعدَ ست ودوری'' بہت دور دیکھ رہے ہو، مراد تھی کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کے لئے بہت دور دیکھ رہے ہو۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے نگاہ زمین کی طرف کی تو انہوں نے پھر فرمایا: ''بُعدَست ودوری''۔ ابونصر سرّاج ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے اس قدر قریب ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے کے لئے نہ اوپر آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ نیچے زمین کی طرف۔

اِنَّ الْحَقَّ اَقْرَبُ اِلَی الْعَبْدِ مِنْ اَنْ یُّشَارَ اِلَیْہِ فِیْ جِھَۃٍ

بے شک حق سبحانہٗ وتعالیٰ بندہ کے زیادہ قریب ہے اس بات سے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے کہ وہ کسی جہت یا

کسی سمت میں ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی بہت قریب ہیں۔ (ق۔16)

توکل علی اللہ: حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؒ حضرت سری سقطیؒ کی محفل میں بیٹھے تھے کہ حضرت ابراہیم الصیادؒ ان کے پاس اس حالت میں آئے کہ چٹائی کے ٹکڑے کو تہہ بند بنا رکھا تھا۔ حضرت سریؒ نے ان کے لئے جبہ منگوایا اور کہا: ابواسحٰق، دس درہم رکھے تھے اس سے تیرے لئے یہ جبہ خریدا ہے۔ حضرت ابراہیمؒ نے وہ جبہ نہ لیا اور فرمایا:

''با فقرا نشینی و دہ درہم ذخیرہ کنی''

فقرا کے ساتھ بیٹھتے ہو اور دس درہم جمع رکھتے ہو۔

جبری مجاہدے: حضرت جنید بغدادیؒ صوفیاء کے ہاں دائماً بیداری کی مشقت کو پسند نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت سہیلؒ نے آپؒ کو لکھا، خواب غفلت سے بچو!

حضرت جنید بغدادیؒ نے جواب دیا: ہمارے سونے کا تعلق خدا کے فضل سے ہے جو ہمارے ذاتی فعل جاگتے رہنے سے بدرجہا افضل ہے۔

اَلنَّوْمَ مَوْهِبَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَلَى الْمُحِبِّيْنَ

نیند اللہ کی جانب سے اپنے دوستوں پر ایک عطا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے صوفیا کے ہاں جبر کے ساتھ خود کو جگائے رکھنے کے بارے میں یہ کس قدر مبنی بر حقیقت رائے بیان فرمائی جو راہ سلوک میں غیر ضروری مجاہدوں کی بجائے انسانی ہمت کے مطابق آسانیوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ یقیناً اس سے وہ نیند مراد نہیں جو ترک فرائض کا باعث ہو۔

شیخ سے عقیدت و احترام کا اظہار: حضرت ابوحفص حدادؒ حج کے لئے جا رہے تھے۔ بغداد میں آئے تو حضرت جنید بغدادیؒ نے ان کا استقبال کیا۔ حضرت ابوحفصؒ کے مریدان کے حضور باادب کھڑے ہوئے تو حضرت جنیدؒ نے ان سے پوچھا:

''آپ نے اپنے اصحاب کو بادشاہوں کے آداب سکھائے ہیں۔''

حضرت ابوحفص نے جواب دیا:

آداب ظاہر دوستان حق تعالیٰ
وا عنوان ادب باطن ست حق

ظاہر میں حق تعالیٰ کے دوستوں کا ادب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں حق تعالیٰ شانہٗ کا ادب موجود ہے۔

شیخ سے عقیدت، احترام اور محبت کے مظاہر دیکھتے ہوئے بعض لوگ تعجب محسوس کرتے ہیں۔ انہیں جان لینا چاہیے کہ ان جذبات کا محرک اللہ جل شانہٗ سے محبت ہے لیکن اس کے لئے وہ دل چاہیے جو درد آشنا اور عشق الٰہی میں دھڑکتا ہو۔

صحبت اشرار: حضرت سریؒ کا جب آخری وقت تھا تو انہوں نے حضرت جنیدؒ سے فرمایا:

اِيَّاكَ مِنْ صُحْبَةِ الْاَشْرَارِ وَلَا تَنْقَطِعْ عَنِ اللّٰهِ بِصُحْبَةِ الْاَخْيَارِ

اپنے آپ کو بدوں کی صحبت سے بچانا اور نیک لوگوں کی صحبت میں اللہ تعالیٰ سے بے تعلق نہ ہو جانا۔

نفس اور شیطان کا القاء: حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

''نفس اور شیطان کے القاء میں فرق یہ ہے کہ نفسانی خیال مستقل رہتا ہے اور کبھی جانے کا نام نہیں لیتا لیکن شیطانی خیال کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر لوٹ آتا ہے۔ نفسانی خیال میں ہمیشہ اسراء کی کیفیت ہوتی ہے اور یہ کبھی پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ انسان کے ساتھ چمٹ کے رہ جاتا ہے۔ تم اسے اپنے نفس سے دور کرنے کی جتنی بھی کوشش کرلو اس کا اصرار بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ نفسانی خیال کی حالت ایک بچے کی طرح ہوتی ہے کہ اسے کسی چیز سے منع کردو تو وہ اور زیادہ اس پر مصر ہوتا ہے اور ضد کرتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہوگا کہ تم شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کرو اور نفس کو اور زیادہ محنت اور ریاضت میں مبتلا کرو۔

شیطانی خیال کسی وقت بھی پیدا ہوسکتا ہے اور پیدا ہوتے ہی انسان کی عقل پر تسلط اختیار کرلیتا ہے۔ وہ انسان کو کسی ایک نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے یا گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور اگر انسان اس کی بات نہ مانے تو وہ کسی اور نیکی سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد انسان کو کسی ایک نیکی سے محروم کرنا نہیں بلکہ کسی بھی نیکی سے محروم کرنا اور کسی بھی گناہ کا ارتکاب کرانا ہے۔''

حقیقت حج: حضرت جنید بغدادیؒ حج کے متعلق فرماتے ہیں کہ زندگی

میں صرف ایک حج ہی کافی ہوتا ہے بشرطیکہ اسے حق کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اگر کوئی حج اس طرح ادا کرے جس طرح ادا کرنے کا حق ہے تو وہ اتنا تھک جاتا ہے اور اس کا دامن اتنا بھر جاتا ہے کہ پھر اسے دوسرے حج کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

ہمارے ہاں بار بار حج کا روز افزوں رجحان ہے اور ہر سال ایسے حاجیوں کی کھیپ تیار ہو رہی ہے جو مقصد حج سے ناآشنا اور ارکان حج کی ادائیگی سے بے نیاز صرف حاجی کہلانے کی خاطر دیار حرم کا چکر لگا آتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ حج کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ کی یہ گفتگو انتہائی بصیرت آموز ہے۔

آپؒ نے ایک شخص سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ جواب ملا: حج کرکے آیا ہوں۔

دریافت فرمایا: جس وقت تم حج کے ارادے سے باہر نکلے تھے' کیا گناہ ترک کردینے کا ارادہ بھی کیا تھا؟ جواب ملا: نہیں' ایسا تو کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ فرمایا: پھر تم حج کے لئے نکلے ہی نہ تھے۔

پھر پوچھا: سفر میں جب منزل پر منزل طے کررہے تھے' کیا مقامات حق بھی ساتھ ساتھ طے کئے تھے؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: تو تم نے سفر حج کی منزلیں طے ہی نہیں کیں۔

پھر دریافت کیا: جب تم نے روزمرہ کا لباس اتار کر احرام باندھا تھا تو کیا صفات بشریہ سے بھی مفارقت کی تھی؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: تو پھر تم نے احرام باندھا ہی نہیں۔

پھر پوچھا: جب تم عرفات میں کھڑے ہوئے تو معرفت حق سے بھی

بہرہ مند ہوئے تھے؟ جواب ملا: نہیں، فرمایا: پھر تو تم نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں۔

دریافت فرمایا: جب تم مزدلفہ گئے تھے تو نفسانی خواہش سے ہمیشہ کے لئے دست کش ہو گئے تھے؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: پھر تم مزدلفہ گئے ہی نہیں۔

پھر پوچھا: بیت اللہ کا طواف کرتے وقت جمال حق کا پرتو بھی دیکھا تھا؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: تو تم نے طواف کعبہ کیا ہی نہیں۔

پھر پوچھا: صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت تمہیں اس کے مرتبے و مقام کا فہم و ادراک بھی ہوا تھا یا نہیں؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: تم نے سعی بھی نہیں کی۔

پھر دریافت فرمایا: منیٰ میں جب تم نے قربانی کی تھی، تو اس کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا تھا؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: تم نے قربانی بھی نہیں کی۔

پھر دریافت کیا: جب تم نے سنگ ریزے پھینکے تھے تو نفس امارہ اور ہوا و ہوس کو بھی کچلا تھا یا نہیں؟ جواب ملا: نہیں۔ فرمایا: تم نے سنگ ریزے بھی نہیں پھینکے۔

ارشاد فرمایا: تم نے حج کے آداب و شرائط کو ملحوظ ہی نہیں رکھا، ان آداب و شرائط کے ساتھ دوبارہ فریضہ حج ادا کرو۔

تصنیفات

حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات تحریری صورت میں بہت کم محفوظ رہ سکیں۔ ان میں سے اکثر کا تذکرہ آپؒ کے تلامذہ نے کیا اور آپؒ کے بعد

صوفیاء کا طبقہ آپؒ کے اقوال کو بیان کرتا رہا۔ اس طرح یہ تعلیمات تاریخ تصوف میں محفوظ ہو گئیں۔ اگرچہ بعض تصانیف کا بھی حوالہ ملتا ہے لیکن بالجود ہو گئیں۔ چند خطوط و رسائل محفوظ رہ سکے ہیں جو آپؒ کے انداز تکلم اور زور بیاں کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان رسائل کی بڑی تعداد ایک اکیلے بلکہ نام مخطوطے کی صورت میں ابھی تک محفوظ ہے۔ آپؒ کے کلام کے بارے میں حضرت مصریؒ فرماتے ہیں:

> ''حضرت جنیدؒ متمکن تھے یعنی آپؒ کے کلام میں لوح اور شطح نہ تھے۔''

لوح سے مراد اسرار و رموز کی زبان جو عام فہم نہ ہو اور شطحات سے مراد وہ کلمات ہیں جن کا ظاہری مفہوم خلاف شرع ہو، ایسی باتیں جو مستی شوق میں بعض صوفیاء سے ادا ہو گئیں۔ جس طرح حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت منصور حلاجؒ کی زبان سے عالم سکر میں جاری ہونے والے الفاظ راسخ الاعتقاد لوگوں میں صوفیا اور تصوف کے بارے میں بدگمانی کی فضا پیدا کر دی تھی، حضرت جنید بغدادیؒ نے ضبط نفس سے کام لیا اور اپنے واضح تصورات پر مبنی تصوف کے لئے ایک ایسی بنیاد فراہم کر دی جس کے اوپر بعد کے اہل تصوف کی عمارتیں کھڑی کی گئیں۔

حضرت امام غزالیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیفات میں حضرت حارث محاسبیؒ کی تعلیمات پر اصول کی حیثیت سے اعتماد کیا، لیکن یہ بھی تاریخ تصوف کا حصہ ہے کہ یہ تعلیمات دراصل حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت حارث محاسبیؒ کی باہم گفتگو کا حاصل تھیں جنہیں مسند ارشاد پر حضرت جنید بغدادیؒ نے بیان کیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی تصنیف ''دواء الارواح'' میں حضرت حارث محاسبیؒ کے اقوال وفرمودات کو جمع کیا اور اپنے اسلوب میں بیان فرمایا۔ یہ تصنیف اب نابود ہو چکی ہے لیکن ان اقوال میں سے اکثر ''حلیۃ الاولیاء'' میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ مشائخ چشت کے ملفوظات میں آپؒ کی ایک کتاب ''العمدہ'' کا تذکرہ ہے۔ شیخ ابن عربی نے اپنی کتاب ''کتاب موتی'' میں حضرت جنید بغدادیؒ کی تصنیف ''منتخب الاسرار فی صفات الصدیقین والابرار'' کا ذکر کیا ہے۔ ایک اور کتاب ''المناجات'' کا ذکر ملتا ہے اور برلن کی لائبریری میں حضرت جنید بغدادیؒ کی کتاب ''قصیدۃ فی التصوف'' کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

ایک کتاب امثال القرآن' ایک شرح ''شرح سطحیات'' اور کشف المحجوب میں ایک کتاب ''تصحیح الارادہ'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ رسائل پر مبنی ایک کتاب ''رسائل جنید'' لندن سے شائع ہوئی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی تصانیف تحریری صورت میں نہیں ملتیں لیکن آپؒ کے خطابات لوگوں کے دلوں سے محو نہ ہو سکے یہاں تک کہ ابونصر سراج اور حضرت امام غزالیؒ جیسی صاحب قلم شخصیات نے اپنی تحریروں کے ذریعے انہیں زندہ جاوید کر دیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی محافل میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو ہوتی اور آپؒ کے شاگرد آپؒ کے فرمودات کو تحریری صورت میں محفوظ کر لیتے۔ اس وقت آپؒ کے یہ گرانقدر خطابات ''کتاب المیثاق' اخلاق اور صدق میں فرق' الوہیت اور توحید'' کے موضوعات پر محفوظ ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ کے بعد حقیقی تصوف پر جس نے بھی قلم اٹھایا وہ حضرت جنید بغدادیؒ کی

تعلیمات سے صرف نظر نہ کر سکا۔

خطوط

حضرت جنید بغدادیؒ کے انداز بیاں کی اثر پذیری کا اندازہ آپؒ کے چند خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو تاریخ تصوف میں محفوظ رہ سکے۔ یہاں ابوبکر کتانیؒ کے نام آپؒ کا مکمل خط اور مزید چھ خطوط کے ابتدائی حصہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ ان خطوں میں آپؒ نے تصوف کے لطیف اشاروں اور مخفی امور کی آسان فہم تشریح فرمائی ہے۔ حضرت ابوبکر کتانیؒ کے نام خط میں انسان پر وارد ہونے والے مابعد زندگی حالات کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ قاری ان حقائق سے اغماض نہیں برت سکتا۔ اہل اللہ کو حوصلہ دیا گیا ہے کہ دنیا میں ان پر آنے والے مصائب بطور سزا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان پر خصوصی توجہ کا مظہر ہیں۔ اس خط میں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ عام لوگ حضرت جنید بغدادیؒ کی بات سمجھنے سے قاصر تھے اور غلط مفہوم اخذ کر لیتے جو آپؒ کے لئے پریشانی کا موجب ہوتا۔ دوسرے خطوط کے ابتدائی حصے دعائیہ ہیں جن کے بعد معرفت باری تعالیٰ کو لطیف پیراؤں میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے شاگردوں کو ہدایت فرماتے کہ تصوف کے وہی مسائل عوام کو سکھائیں جو شریعت مطہرہ کے مطابق ہوں اور کوئی ایسا مسئلہ بیان نہ کریں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ ان کے شاگرد حضرت شبلیؒ نے انہیں ایک ایسا خط لکھا جس میں اسرار توحید فاش کر دیئے تھے۔ آپؒ نے اس کی پشت پر یہ عبارت لکھ کر خط واپس کر دیا:

''اے ابوبکر! اس قسم کی تحریر سے اجتناب کرو۔''

حضرت ابوبکر کتانیؒ کے نام

حضرت ابوبکر کتانیؒ اصحاب جنیدؒ میں سے تھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حرم شریف کا چراغ تھے۔ سالہا سال مکہ مکرمہ میں رہے اور ان کا مشہور قول ہے' اَلصُّوْفِیَۃُ عَبِیْدُ الظَّوَاھِرِ وَ اَحْرَارُ الْبَوَاطِنِ ۔صوفیا ظاہروں کے غلام اور باطنوں کے آزاد ہیں یعنی صوفی ظاہر شریعت کا پابند و غلام ہے جبکہ اس کا باطن غیر حق سبحانہٗ تعالیٰ کے تصرف سے آزاد ہو چکا ہے۔

حضرت ابوبکر کتانیؒ نے اپنی کسی ابتلا کا تذکرہ حضرت جنید بغدادیؒ کے نام خط میں کیا تو اس کے جواب میں آپؒ نے اس کا مفصل جواب تحریر فرمایا:

''بھائی! جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی تو تو کہاں ہو گا! جب گھر ویران ہو جائیں گے تو تیرا گھر کہاں ہو گا! جب فرودگاہیں چٹیل میدان' بے آب و گیاہ اور ویران ہو چکی ہوں گی' اس وقت تیری فرودگاہ کہاں ہو گی! جب تمام جگہیں مٹ کر بے نشان ہو چکی ہوں گی' اس وقت تیرا مکان کہاں ہو گا! جب تمام خبروں کا ذریعہ منقطع ہو چکا ہو گا' اس وقت تیری کیا حالت ہو گی! جب دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہوں گی' اس وقت تیری نگاہ کہاں ہو گی! جب دیکھنے اور سوچنے کا کوئی موقع و محل نہ رہا ہو گا' اس وقت تو کیا سوچ سکے گا! دن اور رات کی گردش کے ہوتے ہوئے تجھے کیونکر سکون حاصل ہو سکتا ہے! جب دردناک تدبیریں واقع ہوں گی تو تُو کس طرح اپنا بچاؤ کر سکے گا اور جب صبر و عزاء کی سبیل نہ رہی

ہو گی' اس وقت کس طرح صبر کر سکے گا۔

لہٰذا اگر تو رو سکتا ہے تو اب رو لے اور اب اس طرح رو جس طرح وہ غمناک پگلی اور دردمند عورت روتی ہے جس کے ہزاروں عزیز مر چکے ہوں اور عظیم المرتبت اولاد ہلاک ہو چکی ہو اور سابقہ محافظت تباہ ہو چکی ہو اور شفقت کرنے والے بزرگ (دنیا سے) جا چکے ہوں اور انوکھی قسم کے جھپٹے وارد ہوئے ہوں اور متزلزل کر دینے والی آندھیاں ان پر پے در پے آئی ہوں اور یکے بعد دیگرے تند اور جڑ سے اکھیڑ دینے والی آندھیاں چل رہی ہوں اور اس کے اعتکاف کو درہم برہم کر دیا ہو اور معرفت الٰہیہ کے روشن چہرے دکھائی دیتے ہوں۔

لہٰذا تیری جائے پناہ کہاں ہو گی اور تو نکل کر کہاں تک جا سکے گا جبکہ عقل کے پرزے اڑ چکے ہوں گے' دل پاش پاش ہو چکے ہوں گے۔ عقلیں اپنی جگہ سے اکھڑ چکی ہوں گی اور تمام کی تمام خبریں اٹھالی گئی ہوں گی اور تو تاریک مصائب میں مبتلا ہو گا۔ ستارے بے نور ہو چکے ہوں گے اور راستے مشتبہ ہوں گے جن کی تاریکی نے تجھے اس کے راستوں میں آمد و رفت کرنے سے بھٹکا دیا ہو اور جس کے زمین و آسمان تیرے اوپر چھائے ہوئے ہوں گے۔

پھر یہ کیفیت تجھے موجوں کے تھپیڑوں اور موجزن'

ڈھانپ لینے والے اور متحرک سمندر میں لے جائے گی جس کے مقابلے میں ہر سمندر یا نہر ہیچ ہوگی اور تو اس کے سامنے ایسا ہوگا جیسے سمندر کے سامنے تھوک یا لہر۔ اس نے تو تجھے گھنی موجوں میں پھینک رکھا ہے' چنانچہ وہ تجھے اپنی تہ بہ تہ موجوں میں پھینک دے گا اور اپنے شدید ہولناک اور حرکت کرنے والے پانی کے ساتھ تیرے اوپر چڑھ آئے گا۔ اس وقت تیرا ان تباہ کن ہلاکتوں سے کون نجات دہندہ ہوگا اور وہاں سے تجھے کون نکالے گا!

اے ابوبکر! میں یہ خط تیری طرف لکھ رہا ہوں۔ میں اللہ کی بہت تعریف کرتا ہوں اور اس دنیا و آخرت میں عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں۔ تیری طرف سے مجھے خطوط مل گئے تھے۔ ان میں جو کچھ تو نے لکھا تھا اسے میں سمجھ گیا تھا۔ تیرے ذہن میں جو خیالات آئے ہیں وہ (درحقیقت) مجھے جواب دینے سے مانع نہیں آئے۔ جس غم کا تو نے ذکر کیا ہے اس سے مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ میرے نزدیک تیری حالت اس شخص کی سی نہیں جس پر عتاب نازل ہوا ہو بلکہ میرے نزدیک تیری حالت اس شخص کی سی ہے جس پر اللہ کی توجہ ہو۔ تیری اپنی مصیبت ہی کافی ہے پھر میں کیوں اس میں اضافے کا سبب بنوں، میں تجھ پر شفقت کرنے والا ہوں۔

مجھے جواب لکھنے سے صرف اس بات نے روکا کہ

کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خط کا مضمون تیری لاعلمی سے کسی اور کے ہاتھ لگ جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت ہوئی کہ میں نے اصفہان کچھ لوگوں کو ایک خط لکھا۔ کسی نے اسے کھول کر اس کی نقل لے لی۔ اس خط کی بعض باتیں کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں اور میں انہیں اس الجھن سے نکالتے نکالتے تھک گیا مجھے اس پر ان کی خاطر بہت رنج اٹھانا پڑا۔ مخلوق کے ساتھ نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ ان کے سامنے ایسی باتیں لائیں وہ جانتے ہی نہیں' ان پر مہربانیاں نہیں کھلا سکتے ورنہ ہی یہ کہ انہیں ایسے کلام سے خطاب کیا جائے جسے سمجھ ہی نہ سکیں مگر بعض اوقات بغیر قصد اور ارادے کے ہو ہی جاتا ہے۔

اللہ تیری مدد اور بچاؤ کرے اور ہمیں بھی اور تجھے بھی سلامتی بخشے' خدا تجھ پر رحم کرے۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اپنے زمانے کے لوگوں کو پہچان۔ لوگوں سے ان امور کا طلب کر جنہیں وہ جانتے ہوں اور جن امور کو وہ نہیں جانتے انہیں ترک کر دے۔ ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جس سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کی مخالفت اور دشمنی کرتے ہیں۔ لوگوں کی مثال تو ان سواونٹنیوں کی سی جن میں ایک بھی سواری کے قابل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے علماء و حکماء کو رحمت بنایا ہے اور اس رحمت کو بندگان پر عام کر دیا ہے' لہٰذا تو اس لئے عمل کرتا جا

کہ تو اوروں کیلئے رحمت بنے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنی ذات کیلئے مصیبت بنا رکھا ہے تو تجھے چاہئے کہ جب تو مخلوق کے پاس جائے تو اپنی حالت کو ترک کر کے ان کی حالت میں ان کے پاس جائے اور ان کے محل و مرتبہ کے مطابق دل سے ان سے باتیں کرے۔ یہ طریقہ تیرے لئے بھی اور ان کے لئے بھی تبلیغ کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہوگا۔

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

حضرت جنید بغدادیؒ کے ایک مرید حضرت ابوبکر واسطیؒ توحید کے موضوع پر وہ اسرار و معارف بیان کرتے جو عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہوتے۔ اصلاح احوال کے لئے آپؒ نے انہیں تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

السلام علیك یا ابابکر ورحمة الله وبرکاته

عافانا الله وایاك باالکرامة۔ فهذا ابلغ لك ولهم وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا۔

علماء و حکما اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق پر رحمت ہیں۔ اپنی بات کرنے میں ایسا کیا کر کہ تو مخلوق کے لئے رحمت بنے اور خود کے لئے مصیبت۔ اپنے حال سے باہر آ اور ان کے حال میں ہو جا اور ان سے ان کی طاقت اور ان کے حال کے مطابق بات کہہ اور خطاب اس جگہ پر رکھ جس مقام پر تو ان کو پائے۔ پس یہ تجھے مقتضائے حکمت تک زیادہ پہنچانے

والی ہے اور ان کو بھی۔ اور ان سے ان کے حق میں ایسی بات کہہ جو ان کی سمجھ میں آنے والی ہو۔

چند خطوط کے ابتدائی حصے

بھائی! اللہ تجھے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے بنا دے اور اپنی ملکیت میں رکھ کر تیرے اندر ''جمع'' کی کیفیت پیدا کر دے اور اہل دانش کے علم کے ساتھ تجھے مخصوص کر دے اور تجھے وہ معرفت عطا کرے جو تیرے لئے مناسب ہو اور تیرے ان ارادوں کو پورا کر دے جو تو اپنی ذات سے اللہ کیلئے چاہتا ہے۔ پھر تجھے تیری ذات سے نجات دلا کر اپنے لئے کر لے' پھر اس کے خیال سے بھی فارغ کر کے اپنے لئے اور اپنے ساتھ کر لے تاکہ جن خیالات میں وہ تجھے پلٹنا چاہے' ان میں ان مشاہدات کے ساتھ جو تجھے کرائے جائیں' تجھے منفرد بنا دے اور کوئی شاہد تجھ تک نہ پہنچ سکے اور نہ اس حالت سے نکال سکے۔ یہ بالکل ابتدائی حالت ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان تمام نشانات کو محو کر دیتا ہے جو یکے بعد دیگرے تجھ پر وارد ہوتے ہیں اور یہ وہ نشانات ہوتے ہیں جو اپنے کرم سے اس نے تجھ سے اپنی بلند ذات کے ساتھ مخفی کر رکھے ہیں کیونکہ جن امور کو اس نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے وہ بہت بلند امور ہوتے ہیں۔

اس کے بعد وہ ذات تجھے تیری ذات کیلئے تیری

ذات سے الگ کر کے ''تفرید و تجرید'' کی ابتدائی حالت میں نیز ہونے والی ''تفرید'' کی حقیقی صورت میں لے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ منفرد ہوتا ہے تو فنا کر دیتا ہے اور یہ فنا اس شاہد کو فنا کر دیتی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس سے پہلے وارد ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر یہ صرف اس وقت ہوتا ہے جب مخلوق کی موجودگی کو فنا کر دیا جاتا ہے۔ تب کہیں جا کر حق تعالیٰ کی طرف سے حق کیلئے حقیقت الحقیقہ واقع ہوتی ہے۔ اسی سلسلے کے وہ امور ہیں جو اس کی حقیقت کی وجہ سے' جس میں علم کی انتہا علم توحید پر ہوتی ہے' علم ''تفرید التجرید'' پر وارد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس علم کی بڑی تعظیم کی ہے اور اسے ان کثیر التعداد لوگوں سے جو اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں' اس کے مدعی بنتے ہیں' اس کی تخلیق کرتے ہیں اور اسے اپنے لئے منتخب کرتے ہیں' چھپائے رکھا ہے۔

ایک اور خط کا ابتدائی حصہ

اللہ کرے خصوصیت پانے کی حقیقت تجھے نقص کی علامات سے مردہ کر دے اور نہایت مخفی طریقہ سے تجھے اپنے نفس کے حظ کو دیکھنے سے بچا کر اپنے جلال و بزرگی میں مشغول کر رکھے تا کہ اس کی یاد کے دوران تو اپنے ذکر اور حال کی طرف توجہ ہی نہ کر سکے۔ پھر اللہ تجھے یہ بات یاد دلائے کہ اس نے تجھے ازل قدیم میں یاد کیا تھا اور یہ

اس وقت کی بات ہے جبکہ تیری آزمائش کا وقت نہیں آیا تھا اور نہ اس مصیبت کی حالت کی ابتدا پیدا ہوئی تھی۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اس بات پر قادر بھی ہے۔

ایک اور خط کی ابتدا

اللہ تجھے اپنی اطاعت کے ساتھ عزت بخشے اور اپنی دوستی کے ساتھ مخصوص کرے۔ تجھ پر اپنی ''پردہ پوشی'' کا جھول ڈالے اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کی توفیق دے۔ تجھے اپنی کتاب کا فہم عطا کرے۔ تیری زبان سے حکمت کی باتیں نکلوائے' تجھے اپنے قرب کے ساتھ مانوس کرے' فوائد کے ساتھ مخصوص کرے اور تجھے مزید (انعامات) عطا کرے۔ اپنے دروازے پر لگائے رکھے اور تجھے ایسی خدمت پر لگائے رکھے کہ تو اس کا موافق بن جائے اور اس کی محبت کے پیالے کو چکھنے والا ہو جائے تا کہ اس دنیا کی زندگی دوسری دنیا کی زندگی کے ساتھ متصل ہو جائے' ایک حیات دوسری حیات کے ساتھ اور روح روح کے ساتھ۔ اس سے نعمت مکمل ہو گی اور تو عتاب سے بچ جائے گا' جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صحیح عافیت ہو گی اور کامل سلامتی۔

ایک اور خط کی ابتدا

غیب کی خبروں کی عجیب و غریب باتیں تیرے لئے رونما ہوں اور وہ حقائق رونما ہوں جو اپنے مکانوں

کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان کو پوشیدہ رکھنے کی عجیب باتوں کے جوراز ہیں' انہیں تجھ پر واضح کر دے اور حقیقت تجھے اپنے ان عطیوں کے ساتھ مخاطب کرے جواب تک پوشیدہ رہے ہیں۔ اس ذات کی زبان میں جو اپنی پوشیدہ جگہ سے گویا ہے' کیونکہ واضح ترین گفتار وہی ہوتی ہے جو اپنے بیان کے حکم کو واضح کر دے۔ واضح ترین گفتار وہ نہیں جو اپنی زبان سے فصاحت کی تصریح کرے۔ بلکہ وہ ہے جسے حق تعالیٰ اپنی مراد کے اعلان کرنے پر واقف کر دے مگر یہ بات اپنے وقت اور ساعت سے پہلے واقع نہیں ہوسکتی۔ ان امور کو سمجھنے کیلئے وہ لوگ مقصود ہیں جو اپنے زمانے کے لوگوں میں موجود ہوتے ہوئے بھی یکتا ہیں۔

ایک اور خط کی ابتدا

اللہ تعالیٰ تجھے اس طرح اپنی حفاظت میں لے جس طرح وہ اپنے خاص احباب کو لیتا ہے اور تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنی رضامندی کے طریقوں پر ثابت قدم رکھے اور تجھے اپنے انس کے خیموں میں داخل کرے اور تجھے اپنی طرح طرح کی بخششوں کے باغات میں بلند مرتبے پر پہنچائے اور تمام احوال میں تیری اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی حفاظت کرتا ہے۔ پھر تجھے ایسی دائمی حیات بخشے جو حیات قیومی میں سے لی گئی ہو' اس طرح کہ اس کے ساتھ ابدی دوام بھی ہو

اور تیری اپنی چیزوں سے تجھے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ لگا لے اور وہ چیزیں جو اس کی ہیں تیرے ساتھ لگا دے تا کہ تو ان کی دوامی حالت میں اس ذات کے ساتھ اکیلا رہ جائے۔ نہ تو تُو ہو نہ تیری مِلک کوئی چیز ہو اور نہ اس کا علم ہو' ہو تو واحد اللہ ہو۔

وصال

حضرت جنید بغدادیؒ پر عمر کے آخری حصہ میں خشیت الٰہی کا انتہائی غلبہ تھا۔ دم وصال فرمایا' مجھے وضو کرا دو۔ لوگ انگلیوں میں خلال کرنا بھول گئے تو آپؒ نے یاددہانی کرائی۔ وضو کے بعد سجدے میں چلے گئے اور گریہ و زاری شروع کر دی۔ سر اٹھایا تو کسی نے کہا' آپؒ اس قدر عابد ہو کر کیوں روتے ہیں؟ فرمایا:

> اس وقت سے زیادہ میں کبھی محتاج نہیں تھا۔ اب اس وقت جبکہ میری عمر کا صحیفہ لپیٹا جا رہا ہے' میں اپنی ستر سالہ طاعت و عبادت کو ایک بال میں لٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں جسے ہوا ہلا رہی ہے۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ توڑنے والی ہوا ہے یا ملانے والی ہوا ہے۔''

کثرت سے تلاوت قرآن حضرت جنید بغدادیؒ کا عمر بھر معمول رہا۔ وصال کے روز ایک قرآن مکمل ہوا تو پھر سے ابتدا کی اور سورۃ البقرۃ کی ستر آیات تلاوت کیں۔ عالم سکرات شروع ہوا تو کسی نے عرض کیا' اللہ اللہ کیجئے۔ فرمایا اس طرف سے غافل نہیں۔ انگلیوں پر وظیفہ شروع کیا اور جب داہنے

ہاتھ کی انگشت شہادت پر پہنچے تو انگلی اٹھا کر آخری سانس میں آپؒ نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا وصال 27 رجب 297 ھجری کو ہوا۔ نماز جنازہ آپؒ کے صاحبزادے حضرت قاسمؒ نے پڑھائی اور بغداد کے مشہور قبرستان شونیزیہ میں تدفین ہوئی۔

کسی بزرگ نے خواب میں آپؒ سے پوچھا' منکر نکیر کو کیا جواب دیا تو فرمایا' مَنْ رَّبُّكَ کے جواب میں بتا دیا کہ میں تو ازل ہی میں اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا جواب بَلٰی کہہ کر دے چکا ہوں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد حضرت شبلیؒ سے کسی نے آپؒ کے مزار پر کوئی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''اہل اللہ کی حیات وممات دونوں مساوی ہوتی ہیں' مزار پر جواب دینے میں ندامت محسوس کرتا ہوں کیونکہ اس وقت بھی آپؒ سے اتنی حیا رکھتا ہوں جو حیات میں تھی۔''

سلسلہ عالیہ کے مشائخ عظام کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ مکتب طریقت میں جب بھی بگاڑ کی صورت پیدا ہوئی' تجدید واحیاء کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ اس باب میں پہلا نام حضرت جنید بغدادیؒ کا ہے تو پانچ صدیوں بعد خواجہ عبید اللہ احرارؒ نظر آتے ہیں جبکہ تیسرا نام حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کا ہے جن کے وجود سے برپا ہونے والے کار تجدید واحیائے طریقت کا تذکرہ حیات طیبہ کے حصہ اول میں گزر چکا ہے۔

ناصر الدین

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ رمضان المبارک 806ھ میں باغستان (تاشقند) میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا نام عبید اللہ اور لقب ناصر الدین تھا۔ والد خواجہ محمود بن مولانا شہاب الدین شاشیؒ تھے اور والدہ حضرت خواجہ عمر باغشانیؒ کی اولاد سے تھیں جن کا سلسلہ نسب 16 واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

آپؒ کے دادا مولانا شہاب الدین شاشیؒ صاحب بصیرت وکرامات بزرگ تھے۔ ان کا وقت وصال آیا تو اہل خاندان کو طلب کیا۔ خواجہ عبید اللہ احرارؒ اس وقت بہت کم سن تھے۔ آپؒ کو دیکھتے ہی مولانا شہاب الدین شاشیؒ احتراماً اٹھ بیٹھے' گود میں لیا اور فرمایا کہ مجھے اس پوتے کے بارے میں بشارت ملی ہے کہ پیر عالمگیر ہوگا' اس سے شریعت وطریقت کو رونق ملے گی اور وقت کے بادشاہ اس کے تابع ہوں گے۔ بچپن ہی سے آپؒ کے مزاج میں تصوف کی طرف میلان اور اہل اللہ سے رغبت تھی۔ کم سنی میں اکثر مزارات مشائخ پر حاضری دیا کرتے۔

ابتدائی تربیت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی روحانی تربیت کا آغاز سمرقند میں ہوا۔ حضرت قاسم تبریزیؒ آپؒ کے معلم اول تھے۔ وہ مشائخ کبار میں سے تھے اور

وسیع حلقہ ارادت رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت توجہ اور شفقت سے آپؒ کی تربیت کی۔ فرمایا کرتے کہ یہ نوجوان نادر زمانہ ہے۔ ایک زمانہ اس کے نور باطن سے روشن ہوگا اور مردہ دلوں کو اپنے اعجاز مسیحائی سے زندہ کرے گا۔ حضرت قاسم تبریزیؒ صاحب جلال تھے اور ان کی خدمت میں کوئی شخص بلا روک ٹوک نہ آ سکتا تھا لیکن خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا یہ مقام تھا کہ جب چاہتے' تشریف لے جاتے۔ قیام سمرقند کے دوران مولانا سعد الدین کاشغریؒ اور مولانا نظام الدین خاموشؒ کی خدمت میں بھی اکثر حاضری دیتے۔ مولانا سعد الدین کاشغریؒ سے آپؒ کے تعلق خاص کا یہ عالم تھا کہ ان کے وصال کے بعد ان کی مسند ارشاد پہ فائز ہوئے۔

مولانا نظام الدین خاموشؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حالت مراقبہ سے اچانک چونک اٹھے۔ اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مشرق کی طرف سے عبید اللہ نام کا ایک بزرگ ظاہر ہوا ہے جس نے سارے عالم کو اپنے تحت کر لیا ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے مولانا خاموشؒ کے بارے میں تین بصیرت افروز واقعات منقول ہیں:

صحبت کا اثر: ایک دن خواجہ عبید اللہ احرارؒ مولانا نظام الدین خاموشؒ سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک شخص ملا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ جب مولانا نظام الدین خاموشؒ کی صحبت میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا' شاید تو نے شراب پی رکھی ہے؟ عرض کیا کہ راستے میں شراب سے مست ایک شخص سے کچھ باتیں کی تھیں۔ فرمایا' بس یہ اس کی حالت ہے جو تم میں سرایت کر گئی ہے' یعنی شرابی کے ساتھ بات کرنے سے شراب کا اثر حضرت خواجہ احرارؒ میں بھی ظاہر ہو گیا جسے مولانا نظام الدین خاموشؒ کی نگاہ بصیرت نے دیکھ لیا۔

شیخ مرید کی حالت سے لاتعلق نہیں ہوتا: ایک مرتبہ مولانا نظام

الدین خاموشؒ پر اس قدر شدید لرزہ طاری تھا کہ جس قدر بھی آگ جلاتے یا ان پر گرم کپڑے ڈالتے' سردی کی شدت کم نہیں ہو رہی تھی۔ اتنے میں مولانا خاموشؒ کا ایک مرید جو چکی پر گندم پسوانے گیا تھا' بھیگے ہوئے کپڑوں میں واپس لوٹا۔ وہ راستے میں پانی میں گر گیا تھا اور سخت سردی کھائے ہوئے تھا۔ مولانا خاموشؒ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا: اس کو گرم کرو' یہ اس کی سردی ہے جو مجھ میں سرایت کر گئی ہے۔ ایسے ہی کیا گیا تو مولانا خاموشؒ بھی اپنے حال میں واپس آ گئے۔ کچھ اس سے خیال کیا جا سکتا ہے کہ مرید شیخ کی حالت سے لاتعلق نہیں رہتا۔ مرید جب شیخ کی خدمت میں روحانی طور پر متعفن' گناہوں میں لتھڑا ہوا حاضر ہوتا ہے تو شیخ پر کیا گزرتی ہوگی! یہ تو عالی ظرفی ہے کہ سیہ کاروں کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور اظہار بھی نہیں فرمایا جاتا۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ اعمال و اخلاق کا اثر جمادات پر بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی جگہ نماز پڑھے کہ وہاں اعمال و اخلاق ناپسندیدہ ہوتے ہوں تو وہ نماز ایسی بابرکت اور پر انوار نہ ہوگی جیسی کہ ایسی جگہ ادا ہو جہاں ارباب جمعیت کا اثر پہنچا ہو۔

شریعت' حقیقت اور طریقت میں فرق: خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں:

> ''شریعت' حقیقت اور طریقت کے مابین فرق واضح کرنے کے لئے مولانا نظام الدین خاموشؒ جھوٹ کی مثال دیا کرتے۔ اگر کوئی شخص کوشش کرے کہ اس کی زبان پر جھوٹ جاری نہ ہو لیکن دل میں جھوٹ بولنے کا داعیہ موجود ہو تو یہ شریعت ہے لیکن دل سے اگر وہ داعیہ بھی جاتا رہے تو

یہ طریقت ہے اور اگر اختیار و بے اختیار زبان و دل سے یہ
بات ہی جاتی رہے تو یہ حقیقت ہے۔''

نسبت نقشبندیہ

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اپنے معلم اول حضرت قاسم تبریزیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''حضرت قاسم تبریزیؒ نے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ
کی صحبت اختیار کی تھی اور ان کے طریقہ کے معتقد تھے۔ اس
سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے خود کو اس طریقہ
(نقشبندیہ) پر رکھا ہوا تھا۔''

حضرت سید قاسم تبریزیؒ کے بارے میں نفحات الانس میں منقول ہے:

''جس وقت وہ سمرقند میں تھے' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے حوالے سے معرفت کی بہت باتیں سناتے۔
جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے' ان پر رقت
طاری ہو جاتی' موٹے موٹے سفید آنسو ٹپکتے اور مرید و
معتقد کہتے تھے کہ اس وقت وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے رنگ میں ہیں۔''

اوائل عمر میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو اپنے استاذ محترم حضرت سید قاسم تبریزیؒ کی صحبت نصیب ہوئی جہاں کثرت سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا جاتا۔ ان مبارک محافل کا اثر تھا کہ اوائل عمر میں ہی آپؒ کے دل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت نقش ہوگئی اور ذوقی

طور پر آپؒ نسبت نقشبندیہ کی طرف مائل ہو گئے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ قیام سمرقند کے دوران مولانا سعد الدین کاشغریؒ اور حضرت نظام الدین خاموشؒ کی محافل میں بھی شریک ہوتے اور ان سے استفادہ کرتے جن کا تعلق سلسلہ نقشبندیہ سے تھا۔ اس طرح حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ابتدائی دور تربیت میں ان تینوں بزرگوں کی صحبت نے سہ آتشہ کا کام کیا اور دل میں سلسلہ نقشبندیہ کی ایسی کشش پیدا ہوگئی جو بالآخر آپؒ کو حضرت یعقوب چرخیؒ کی خدمت میں لے گئی۔

دور تربیت مکمل ہوا تو حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ بخارا' خراسان اور پیرو سے ہوتے ہوئے ہرات چلے گئے جہاں آپؒ نے چار سال گزارے۔ قیام ہرات کے دوران آپؒ تک حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کے معروف خلیفہ خواجہ یعقوب چرخیؒ کی شہرت پہنچی تو ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔ دوران سفر تپ لرزہ نے آن لیا اور بیس روز راستے میں ہی رکنا پڑا۔ اس دوران کچھ لوگوں نے حضرت یعقوب چرخیؒ کی غیبت کی تو دل میں ان کے بارے میں غبار آ گیا اور ارادہ کیا کہ واپس لوٹ جائیں۔ پھر خیال آیا کہ اس قدر مسافت طے کی ہے تو بلا ملاقات واپس لوٹ جانا معقول نہ ہوگا۔ حاضر خدمت ہوئے تو خواجہ یعقوب چرخیؒ بہت شفقت سے پیش آئے لیکن دوسرے روز رویہ انتہائی تلخ تھا۔ اگرچہ انہوں نے خود وضاحت تو نہ فرمائی لیکن سمجھ گئے کہ یہ تلخ رویہ اس غیبت و برائی کی وجہ سے تھا جو دوران سفر آپؒ نے لوگوں سے سنی۔ شیخ کے خلاف گفتگو کا سن لینا بھی مانع فیض ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب چرخیؒ کے بارے میں معاندانہ گفتگو سن لینا حصول نسبت کی راہ میں اس وقت موجب رکاوٹ بن رہا تھا۔

حضرت یعقوب چرخیؒ نے دوبارہ شفقت فرمائی اور حضرت خواجہ

بہاؤالدین نقشبندؒ سے اپنے تعلق خاص کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ وہ اسے تھام لیں لیکن ان کی پیشانی پر برص کا نشان دیکھ کر آپؒ کے دل میں تکدر پیدا ہو گیا جو مانع بیعت ہوا۔ حضرت یعقوب چرخیؒ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس قدر جلال کا اظہار فرمایا کہ خواجہ عبیداللہ احرارؒ بے اختیار ہو گئے۔ نفحات الانس میں حضرت خواجہ احرارؒ کے حوالے سے تذکرہ ہے کہ اس وقت انہیں حضرت یعقوب چرخیؒ کی شخصیت میں ایک ایسے بزرگ کی جھلک نظر آئی جن سے آپؒ کو بے حد محبت تھی یعنی مولانا سعدالدین کاشغریؒ جو کچھ دن ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ حضرت یعقوب چرخیؒ نے فرمایا:

''حضرت خواجہ نقشبندؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ تیرا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور جس نے یہ ہاتھ پکڑا' اس نے گویا خواجہ بہاؤالدینؒ کا ہاتھ پکڑا۔''

آپؒ نے بلا توقف بیعت کے لئے حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کا ہاتھ تھام لیا تو انہوں نے نہ صرف بیعت کیا بلکہ خلافت بھی عطا کی اور فرمایا:

''حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ سے جو کچھ مجھے پہنچا ہے وہ یہی ہے۔ اگر تم بطریق جذب☆ تربیت کرو تو تمہیں اختیار ہے۔''

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار پر شیخؒ کی یہ عطا دیکھتے ہوئے حضرت یعقوب چرخیؒ کے کچھ اصحاب کو حیرت ہوئی تو انہوں نے فرمایا:

''طالب کو اس طرح پیر کے پاس آنا چاہیے جیسے کہ عبیداللہ آیا ہے کہ تیل بتی سب درست ہے' صرف ایک آگ لگانے

☆ نقشبندیہ میں طریق جذبہ سے مراد ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنا ہے جس کا سلوک بطریق جذبہ کے ہو۔ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' از حضرت شاہ ولی اللہؒ

کی دیر ہے۔''

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے اجازت چاہی تو انہوں نے حضرات خواجگان کا جملہ طریق بیان کیا اور جب طریقۂ رابطہ☆ پر پہنچے تو فرمایا کہ اس کی تعلیم میں تم تیزی نہ کرنا' صرف صاحب استعداد کو بتا دینا۔ وقت رخصت فرمایا:

''اگر تم کو خواجہ بہاؤالدینؒ کی صحبت میں نسبت حاصل ہو اور پھر تم کسی اور بزرگ کے پاس جاؤ اور وہاں بھی وہی نسبت حاصل ہو تو تم کیا خیال کرو گے؟'' پھر خود ہی فرمایا:

''جس جگہ سے یہ نسبت حاصل ہو' اس کو خواجہ بہاؤالدینؒ ہی سے خیال کرنا۔''

نسبت نقشبندیہ سے تعلق کے بارے میں حضرت خواجہ احرارؒ فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت خواجہ بزرگؒ (حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کے والد) قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے میرے اندر تصرف فرمایا' یعنی مجھے توجہ دی اور میں بے خود ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو حضرت خواجہؒ میرے پاس سے آگے جا چکے تھے۔ میں نے چاہا کہ آپؒ کے پیچھے جاؤں لیکن میرے پاؤں لڑکھڑا جاتے تھے۔ بڑی تکلیف سے خواجہؒ کے پاس پہنچا تو فرمایا مبارک ہو۔''

حضرت خواجہ احرارؒ نے یہ بھی فرمایا:

☆ رابطہ اس شیخ سے جو مشاہدہ کے مقام پر پہنچا ہوا ہے کہ اس کی روئیت ذکر کا فائدہ دیتی ہے۔ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' از حضرت شاہ ولی اللہؒ

نسبت اویسیہ میں رابطہ سے مراد لطائف کرنے کے بعد سانس کی اس طرح نگہداشت ہے کہ سانس لیں تو اسم ''اللہ'' اس کے ساتھ دل میں داخل ہو۔ لیکن جب سانس خارج ہو تو اب ''ھو'' کی ہٹ عرش عظیم پر جا کر لگے۔ ''رموز دل'' از حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

''ایک دفعہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کو بھی خواب میں دیکھا۔ انہوں نے چاہا کہ مجھ میں تصرف کریں لیکن نہ ہو سکا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہوگی کہ خواجہ بزرگ پہلے تصرف کر چکے تھے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ سے نسبت اویسیہ

حضرت جنید بغدادیؒ کے بعد نسبت اویسیہ میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ آتے ہیں جن کے مابین پانچ صدیوں کا فاصلہ ہے لیکن نسبت اویسیہ میں صدیوں کے فاصلے اور زمان و مکان کی دوریاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ حضرت یعقوب چرخیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے جو خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کے صحبت یافتہ اور معروف خلیفہ تھے اور ان کی بیعت کو بمثل بیعت خواجہ نقشبندؒ قرار دیا گیا تھا لیکن جب نسبت اویسیہ حاصل ہو جائے تو ہر سابقہ نسبت، تعلق یا بیعت پر فائق ہوتی ہے۔ نسبت اویسیہ کے ذریعے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا براہ راست حضرت جنید بغدادیؒ سے رابطہ ہوا جو سید الطائفہ ہیں اور ان سے تعلق کے بعد حصول فیض کے لئے کسی اور واسطہ یا تعلق کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اسی نسبت کی برکت تھی کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے پانچ صدیوں بعد پھر سے فکر جنیدؒ کا احیاء فرمایا۔ اگر آپؒ کی تعلیمات کو دیکھا جائے تو ان میں فکر جنیدؒ کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔

باب خدمت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا قول ہے کہ ہر شخص کسی نہ کسی دروازہ سے لایا گیا ہے اور میں خدمت کے دروازہ سے لایا گیا ہوں، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی

خدمت مجھے زیادہ مرغوب ہے۔ خود تکلیف برداشت کرتے اور دوسروں کو راحت پہنچاتے۔ آپؒ نے فرمایا، میں نے طریقت کتابوں سے نہیں لی، لوگوں کی خدمت سے حاصل کی۔ فرمایا کرتے:

''لوگوں کو طریقت کی تعلیم میں ان کی خدمت اور مدد، ذکر اور مراقبہ سے افضل ہے۔''

قیام ہرات کے دوران آپؒ نے ایک حمام اور گرم خانہ کی خدمت اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ سمرقند میں مولانا قطب الدینؒ کے مدرسہ میں قیام کے دوران بیماروں کے علاج اور ان کی تیمارداری کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اس مدرسہ کے چار طالب علم بخار میں مبتلا تھے۔ آپؒ ان کے کپڑے دھویا کرتے اور آرام و آسائش کا پورا خیال رکھتے۔ مسلسل خدمت اور تیمارداری کے دوران خود بھی بخار کا شکار ہو گئے لیکن ان طالب علموں کی خدمت اسی طرح جاری رکھی۔ بیماری کی شدت میں ایک وقت ایسا آ گیا کہ مزید خدمت کی ہمت نہ رہی۔ آپؒ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس قدر ہمت عطا ہو جائے کہ خدمت کا یہ عمل جاری رہے۔ صبح اٹھے تو خود کو مکمل طور پر صحت مند پایا جبکہ دوسرے طالب علم طویل بیماری کے بعد صحت یاب ہوئے۔

زمانہ طالب علمی میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی ذہانت اور تبحر علمی کا اعتراف آپؒ کے اساتذہ نے بھی کیا ہے۔ خواجہ فضل اللہ ابواللیثی سمرقند کے اکابر علماء میں سے تھے۔ حضرت خواجہ احرارؒ کی ظاہری تعلیم کے زمانہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں:

''ہم خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے باطنی کمالات کو تو نہیں جانتے مگر اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے بحسب ظاہر علوم رسمی بہت

کم پڑھا ہے لیکن ایسا دن کم ہوگا کہ وہ تفسیر قاضی بیضاوی
میں ہمارے سامنے کوئی شبہ پیش کریں اور ہم سب اس کے
حل سے عاجز نہ آئے ہوں۔''

زراعت کا آغاز

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ ہرات سے واپس تاشقند آئے تو 29 سال کی عمر میں زراعت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں اتنی برکت دی اور اس قدر مال ومتاع اور اسباب جمع ہو گیا جس کا حساب نہ تھا۔ ہزاروں ایکڑ اراضی زیر کاشت تھی اور ایک مخلوق خدا آپؒ کے وسائل پر پلتی۔ صرف ہل چلانے والے ایک سو خاندان تھے' اس سے باقی لوگوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن کا رزق آپؒ کے ذریعے لکھا ہوا تھا۔ 80 ہزار من غلہ تو صرف عشر کی صورت ادا کیا جاتا۔ مال واسباب جمع کرنا اور حصول دنیا مقصد تھا نہ اپنی بڑائی منوانے کا شوق۔ خود کو مخلوق خدا کا خادم سمجھتے اور دن رات ضرورت مندوں کی حاجت براری اور خدمت میں سرگرم رہتے۔ دوسری طرف اللہ سے تعلق کا یہ عالم تھا کہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد تہجد کے وقت تک ذکر میں دوزانو بیٹھے رہتے۔ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد پھر ذکر کرتے یہاں تک کہ صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے بقول اسباب ظاہری کا حصول بھی مخلوق خدا کی خدمت کے ذریعہ' قرب الٰہی کا حصول تھا۔

ہزارش مزرعہ در زیر کشت است
کہ زاد رفتن راہ بہشت است

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے زیر کاشت
ہزاروں ایکڑ کا ماحصل راہ بہشت کی زاد راہ ہے

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے بارے میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک عالم دور دراز کا سفر کر کے زیارت کے لئے تاشقند آئے۔ شہر سے باہر دیکھا کہ بکثرت غلہ جا رہا تھا۔ معلوم ہوا یہ غلہ حضرت خواجہ احرارؒ کا ہے تو حیران ہوئے کہ کجا فقیری اور کجا یہ غلہ! ارادہ کیا لوٹ جائیں لیکن پھر سوچا کہ اس قدر سفر کر کے آئے ہیں تو مل کر ہی جانا چاہیے۔ جب خانقاہ میں داخل ہوئے تو حضرت خواجہؒ گھر میں تھے۔ انتظار میں بیٹھ گئے تو اتفاقاً آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ ایک شخص جس کے یہ مقروض تھے' اپنے قرض کا خواہاں ہوا اور چاہتا تھا کہ اپنے ہمراہ دوزخ میں لے جائے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہؒ تشریف لائے اور دریافت کیا کہ آپ کا کس قدر قرض ہے۔ جو بتلایا وہ ادا کر دیا اور اس طرح خلاصی ہوئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ حضرت خواجہؒ گھر سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپؒ نے مسکرا کر اس عالم سے فرمایا:

''میں اس لئے مال رکھتا ہوں کہ تجھ جیسے آدمی کو قرض سے
نجات دلاؤں۔''

سراپا ادب ونفاست

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک قول ہے کہ لباس خواہ شاہانہ پہنو لیکن احساس ٹاٹ کا ہو۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے اس قول پر اس طرح عمل کر کے دکھایا کہ مزاج کی نفاست اور اپنی حیثیت کے مطابق عبائے شاہی زیب تن کی لیکن دل کی کیفیت اس لباس شاہانہ سے متاثر نہ ہوئی۔ آپؒ کے ایک دیرینہ خادم ابوسعد الاوباہیؒ نے آپؒ کی شخصیت کا نقشہ اس طرح کھینچا:

''میں نے حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے ساتھ 35 برس

گزارے۔ان کے ذاتی اور اجتماعی طرز عمل میں کمال ادب تھا۔ اس دوران میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپؒ نے دانتوں سے پھل کا چھلکا اتارا ہو یا منہ سے بیج نکالے ہوں تاکہ اس حالت میں لوگوں کے سامنے منہ کھولنا نہ پڑے کہ آپؒ کچھ کھا رہے ہوں۔ آپؒ سوتے ہوئے اٹھنے پر کبھی انگڑائی نہ لیتے۔ آپؒ کو کبھی تھوکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں نے آپؒ کو کبھی کوئی ایسی حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جو لوگوں کو ناگوار گزرے۔ آپؒ کو کبھی آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ پورے اہتمام کے ساتھ دوزانو بیٹھتے۔''

لباس کے بارے میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ فرماتے ہیں:

''شیخ کو اپنے مریدین کے سامنے بہترین' خوبصورت اور صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے کیونکہ گندے اور بدوضع لباس سے مریدین کا شیخ سے رابطہ متاثر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عبادت کے لئے بہترین لباس پہنو اور بالوں کو کنگھی کرلو۔''

تعلیمات

خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی تعلیمات چند تصنیفات کی صورت محفوظ ہیں۔ آپؒ کے ہمعصر صوفیا اور بالخصوص حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے اپنی تصانیف اور مواعظ میں کثرت سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

ذکر نفی اثبات: حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ ذکر اللہ کے بارے میں

فرماتے ہیں:

''بعض صوفیا کہتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عوام کا ذکر ہے' اللّٰہُ خواص کا ذکر ہے اور ھُو خواص الخاص کا ذکر ہے۔ میں کہتا ہوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خاص الخاص کا ذکر ہے کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر لمحے کا خالق ہے' اسی طرح ہر لمحے کے ساتھ جاننے والے کے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ پہلے مقام کو چھوڑتا اور اس سے بہتر مقام میں داخل ہوتا ہے' سابقہ مقام سے لاتعلقی اختیار کرتا ہے اور اعلیٰ مقام کی توثیق کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والوں کا یہ حال ہے۔''

تصوف: حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ تصوف کے متعلق فرماتے ہیں:

''تصوف دوسروں کا بوجھ اٹھانے کا نام ہے' نہ کہ اپنا بوجھ دوسروں پر ڈالنے کا۔ ایک صدیق کی ہزار ہا سال کی کمائی ایک لحظہ کی غفلت سے ضائع ہو جاتی ہے۔ ہمارا وہ سلسلہ تصوف ہے جس میں ہر لمحہ صوفی کی حالت میں کئی گنا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ایک سیکنڈ کی قیمت بڑھ کر ہزار سال کے برابر ہو سکتی ہے۔ بہترین عمل شیخ کامل کا اتباع ہے۔ شیخ کامل کے اتباع اور صحبت سے طالب میں اللہ تعالیٰ عزوجل کی حضوری میں پہنچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔''

اہل تصوف کی تربیت: اہل تصوف کی تربیت کیلئے بالعموم طویل مجاہدوں اور تھکا دینے والی ریاضتوں کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا ہے۔ بعض لوگ

خود ساختہ ریاضتوں اور پابندیوں کو اس لئے بھی اختیار کرتے ہیں کہ انہیں کشف ومشاہدہ حاصل ہوجائے۔اس کے برعکس خواجہ احرارؒ ریاضتوں اور جبری بیداری مسلط کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔سالکین کی تربیت کے ضمن میں آپؒ فرماتے ہیں:

''زیادہ ریاضت اور بیداری دماغ کو منحرف اور ضائع کر دیتی ہے اور حقائق کے ادراک سے دور رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض اہل ریاضت سے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ زیادہ بیداری صرف اس شخص کو ضرر نہیں دیتی جس کے لئے یہ بیداری فرحت واطمینان بن چکی ہو کیونکہ فرحت وسرور خواب کا کام کرتے ہیں۔

عمل کو محبوب رکھنا چاہیے نہ کہ حضور و جمعیت کو' اس لئے کہ حضور و جمعیت اختیاری نہیں اور اس میں فتور کو بہت کچھ دخل ہے بخلاف عمل کے کہ کسب اختیاری ہے۔

ذکر میں اس طرح کا استغراق ہونا چاہیے کہ ذاکر کو نہ ذوق بہشت کا ہو نہ خوف دوزخ کا اور اس کے نزدیک خواب و بیداری یکساں ہوجائے۔پھر شیطان کی مجال نہیں جو اس کے قریب پھٹکے۔''

حقائق غیبیہ: آپؒ نے فرمایا:

''ہماری زبان دل کا آئینہ ہے' دل روح کا آئینہ ہے' روح حقیقت انسانی کا آئینہ ہے اور حقیقت انسانی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا آئینہ ہے۔حقائق غیبیہ غیب ذات سے طویل

فاصلے طے کر کے زبان پر آتے ہیں اور یہاں صورت لفظی قبول کر کے مستعدان حقائق کے کانوں میں پہنچتے ہیں۔''

مراقبہ: حضرت خواجہ احرارؒ نے فرمایا کہ مراقبہ باب مفاعلہ سے ہے تو یہ دونوں طرف سے ہو۔مراقبہ کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے مراقب ہونے پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے مطلع ہونے سے آگاہ ہو اور اس کی مداومت کرے۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' از شاہ ولی اللہؒ)

محبت ذاتیہ اور اہل اللہ کی صحبت: محبت ذاتیہ سے مراد حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی وہ محبت ہے جو بغیر کسی سبب یا وجہ کے ادراک کے دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے اور یہ ایسی رغبت یا کشش ہوتی ہے جسے روکنا یا دور کرنا بس میں نہیں ہوتا۔

ایک رات حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ محبت ذاتیہ کے موضوع پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے محو کلام تھے۔آپؒ نے اس کی تشریح میں دو کم عمر لڑکوں کی مثال دی۔ایک لڑکا اکثر احباب کے حلقہ کے قریب سرنگوں بیٹھا رہتا۔اس سے پوچھا کہ تو بہت عرصہ سے یہاں گھومتا پھرتا ہے' تیرے یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا:

''میں نہیں جانتا۔ہاں' اتنا جانتا ہوں کہ جب یہاں آجاتا ہوں تو اپنے دل میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنے اندر اس کی طرف کشش اور جذب کو پاتا ہوں اور خود کو تمام ضرورتوں اور تقاضوں سے خالی دیکھتا ہوں۔''

اس جواب میں محبت ذاتیہ کی بہترین تعریف بیان کی گئی۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ دل حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت ذاتیہ کو پالیتا ہے۔

دوسرے لڑکے کی مثال دیتے ہوئے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے فرمایا کہ لوگ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے احباب کو مطعون کرتے تھے' اس لئے اسے یہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی تو وہ رونے لگا کہ جو طمانیت یہاں حاصل ہے باہر رہنے میں دور ہو جاتی ہے۔ باطنی تقاضوں اور خواہشوں کی کشاکش اور رنج و مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہوں اور جمعیت کی جو نسبت یہاں از خود ملتی ہے' اس نسبت سے دور جا پڑتا ہوں۔ گویا اس کی جمعیت قلبی اور طمانیت کا سبب بھی اہل اللہ کی صحبت تھی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے اس کے متعلق مزید فرمایا کہ محبت ذاتیہ نے اس لڑکے کو ایسا مجذوب بنا دیا کہ کئی دفعہ وہ گھر کا راستہ بھول جاتا۔ البتہ جب بھی مجھے اس سے کوئی کام ہوتا' اسے گھر کے دروازے پر موجود پاتا یا وہ راستے میں ہوتا اور جب اسے کام کہتا تو وہ یہ کام کر چکا ہوتا یا کر رہا ہوتا۔

اس مثال سے اہل اللہ کی صحبت کے اثرات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ سے قلبی تعلق کی یہ کیفیت ہونی چاہیے کہ شیخ کی خواہش کے اظہار سے قبل اس کا نہ صرف ادراک ہو جائے بلکہ عمل بھی شروع ہو جائے۔

حضرت امیر المکرّم کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے بعض اوقات ربط قلبی سے اگلا لطیفہ یا مقام خود بخود تبدیل ہو جاتا ہے جبکہ سبق تبدیل کرنے کے لئے شیخ کی آواز بعد میں سنائی دیتی ہے گویا شیخ خیال فرماتے ہیں تو سبق تبدیل ہو جاتا ہے۔

تفسیر قرآن

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ان پہلوؤں پر بھی کلام کرتے ہیں جن کے بارے میں عام مفسرین کرام خاموش ہیں۔

آپؒ سے مختلف آیات قرآنی کا مفہوم پوچھا گیا تو آپؒ نے جواب دیتے ہوئے وہ اسرار طریقت بیان فرمائے جن کا ماٰخذ صرف علم لدنی ہی ہو سکتا ہے۔ مثلاً

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

میں تمہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ کے بہت سے اسرار و رموز میں سے صرف ایک بتاتا ہوں۔ اللہ عزوجل کی تعریف کامل صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ممکن ہے۔ تعریف کامل اس وقت ہو گی جب بندہ جان لے کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ بندہ کو لازمی جان لینا چاہیے کہ وہ مکمل خالی ہے' وہ کوئی نہیں' اس کا کوئی وجود نہیں' کوئی نام نہیں اور اس کا کوئی ذاتی عمل نہیں لیکن وہ خوش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مرتبہ دیا اور یہ اس کی عطا ہے کہ بندہ کو ذات باری تعالیٰ کا خیال آیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا

جس شخص کو بارگاہ الٰہی میں حضوری حاصل ہو' جو اس حالت تک پہنچ چکا ہو کہ ماسوا کو دیکھنے سے قاصر ہو اور اسے مشاہدہ تام حاصل ہو تو اسے ذکر کے لئے نہ کہو کہ اس کی یہ حالت متاثر ہو گی۔

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

اول اہل صدق کے ساتھ مجالس و مصاحبت کو لازم پکڑے تا کہ ان کی صحبت کے دوام کے سبب سے اس کا باطن ان کی صفات و اخلاق کے انوار سے روشن ہو جائے۔ دوسرے اس گروہ کے ساتھ رابطہ کا طریقہ اختیار کرے جو

واسطہ ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں اور صحبت کو اس امر میں حصر نہ کرے کہ ہمیشہ آنکھ سے دیکھے بلکہ ایسا کرے کہ صحبت دائمی ہو جائے (یہ دائمی صحبت بجز طریق اویسیہ نصیب نہیں ہو سکتی) اور صورت سے معنی کی طرف عبور کرے تا کہ واسطہ ہمیشہ نظر میں رہے۔ جب اس بات کو دوام کے ساتھ ملحوظ رکھے گا تو اس کے باطن کو ان کے باطن کے ساتھ نسبت و اتحاد پیدا ہو جائے گا اور اس واسطے سے اسے مقصود اصلی حاصل ہو جائے گا۔

اہل صدق کی روحانی معیت حاصل کرنے کے لئے طالب کو اپنے قلب کا رخ ان کے قلب کی طرف موڑنا ہوگا۔ طالب اپنے دل کو ان کی معیت میں رکھے یہاں تک کہ وہ اپنے اسرار و مقامات اس پر منعکس کر دیں۔

محبت کرو اور محبت کرنے والوں کا اتباع کرو، تم ان جیسے ہو جاؤ گے اور تم پر ان کی محبت ضوفشاں ہوگی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا

اے اہل ایمان! تم امن میں ہو کیونکہ تم نے اپنے قلوب کا رشتہ اللہ عزوجل سے جوڑ لیا ہے اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق قائم کر لیتا ہے، وہ مامون ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ

استقامت نہایت دشوار ہے کیونکہ استقامت کے معنی ہیں حد وسط میں قائم رہنا، تمام افعال و اقوال اور اخلاق و

احوال میں اس طرح حد وسط قائم ہو کہ ضرورت سے تجاوز نہ ہو اور افراط و تفریط سے محفوظ رہے۔ اصل چیز استقامت ہے، کرامات و خوارق عادت کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں۔

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

حدیث پاک میں ہے: مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ۔ جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو وارث بنا دیتا ہے اس علم کا جو اسے معلوم نہیں۔

علم کی دو اقسام ہیں، علم وراثت اور علم لدنی:

علم وراثت وہ علم ہے جس سے پہلے کوئی عمل ہو۔

علم لدنی وہ علم ہے جس سے پہلے کوئی عمل نہ ہو بلکہ بغیر کسی سابق عمل کے حق سبحانہٗ وتعالیٰ محض عنایت بے علت سے اپنے پاس سے بندے کو کسی خاص علم کے ساتھ مشرف کر دے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

اس آیت کے کئی مفاہیم ہیں لیکن سمجھنے کے لئے بنیادی نقطہ یہ ہے کہ سلطنت غالب کامل ہے اور اگر اللہ طالب کے دل پر اپنی تجلی کی نظر ڈالے تو طالب کے دل سے ماسوا کا وجود مٹ جائے۔

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ

صرف وہی بندہ حقیقت میں شکر گزار ہے جو بنی نوع آدم پر اللہ تعالیٰ کی عطائیں دیکھ سکتا ہو۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عطائیں دیکھی جاسکیں اور شمار کی جاسکیں' گویا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس موضوع پر حضرت جنید بغدادیؒ کا قول بھی نقل کیا جا چکا ہے جس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں لیکن مفہوم ایک ہی ہے۔ حضرت امیر المکرّم نے اسی بات کو بڑے سادہ انداز میں یوں فرمایا کہ شکر یہ ہے کہ بندہ اس حقیقت کو سمجھ لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔

مشائخ کے افکار میں اس یکسانیت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے میں باک نہیں کہ نسبت اویسیہ میں صرف برکات ہی نہیں بلکہ طریق اویسیہ سے افکار و نظریات کا بھی انعکاس ہوتا ہے۔

احیائے فکر جنید

تصوف میں یونانی فلسفہ اور قرآن و حدیث سے متضاد نظریات کی آمیزش کا جو عمل دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا تھا' حضرت جنید بغدادیؒ نے تیسری صدی ہجری میں ان عقائد باطلہ سے تصوف کی تطہیر فرمائی اور اس کی فکری جہتوں کی تعیین کی۔ بقول حضرت جنید بغدادیؒ جب دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں حدیث اور سنت خیر الانام ﷺ ہو تو ان چراغوں کی روشنی میں عقیدے میں خلل آ سکتا ہے نہ بدعات کی پیروی ممکن ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ آپؒ نے فکر جنید کو ایک مرتبہ پھر اہل تصوف کی رہنمائی کے لئے اس طرح پیش کیا گویا آپؒ نے تصوف کا دستور مرتب کر دیا ہو۔ وہ افکار عالیہ جن پر کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا سکتی ہیں' آپؒ نے انہیں انتہائی جامعیت لیکن اس قدر اختصار کے

ساتھ پیش کیا ہے جو صرف دستوری زبان ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ اس پر کمال یہ ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے نفحات الانس میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی تعلیمات کو چند صفحات میں اس طرح مدون کیا کہ قانون کا کوئی بھی طالبعلم انہیں کسی بہترین دستور سے کم نہیں پائے گا۔ اگرچہ ان تعلیمات کو ''تصوف کے بنیادی اصول و مبادی'' کا نام بھی دیا جا سکتا ہے لیکن طرز تحریر کی مناسبت سے ''دستور طریقت'' کا عنوان بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

اس دستور طریقت میں ابتدائیہ ہے جس میں تصوف کی غرض و غایت بیان کر دی گئی ہے' بعینہٖ جس طرح کسی قانون کا ابتدائیہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد جدا جدا پیروں میں ایک ترتیب کے ساتھ متصل شقیں بیان کی گئی ہیں اور ہر قانون میں جس طرح اصطلاحات کی تشریح ہوتی ہے' اسی طرح تصوف میں مستعمل مختلف اصطلاحات کی تشریح ایک ربط اور تسلسل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ گویا حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے فکر جنید کی اس طرح تعیین فرما دی کہ اب اسے کوئی نیا رخ دینا یا اس میں ابہام پیدا کرنا ممکن نہیں رہا۔ اس تعارف کے ساتھ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا دستور طریقت پیش کیا جاتا ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں:

> ''حضرت والاشان کے پاکیزہ کلمات جن کی معرفت کے لکھنے
> والی آنجناب کی قلم مبارک نے لکھا ہے بطور سکینۃ الختام۔''
> یعنی مشک کی مہر لگا دی گئی اور مہر اس دستاویز پہ لگائی جاتی ہے جو خصوصی
> اور مستقل اہمیت کی حامل ہو۔

دستور طریقت

1. **مقصد:**

معرفت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا حصول یعنی دل وصف احدیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تجلی ذاتی کا مظہر بن جائے جس کے بغیر صفات باری تعالیٰ کی معرفت ممکن نہیں' اور

دل اللہ تعالیٰ کی تجلی ذاتی کا مظہر صرف اس صورت بن سکتا ھے جب غیر اللہ سے' غیر اللہ کی رغبت سے اور غیر اللہ کی محبت سے خالی ھو جائے۔

2. **طریقہ حصول معرفت حق سبحانہٗ تعالیٰ:**

(1) اللہ اور رسول ﷺ کی منشا کے مطابق ایمان کامل

(2) وہ ریاضتیں اور مجاھدات جن سے شریعت نے منع نہ کیا ھو۔

(3) عاجزی اور انکساری کے ساتھ دائمی ذکر اس شرط سے کہ ذاکر مذکور کی طرف متوجہ رھے یعنی اللہ کے ساتھ اس کا حضور قائم رھے۔

(4) اتباع کامل سرکار دوعالم آقائے نامدار ﷺ

(5) ایسے لوگوں کی صحبت اور ایسی جماعت سے تعلق جن کے قلوب تجلی ذاتی حق سبحانہٗ تعالیٰ کا مظہر بن چکے ھوں۔

اھلُ اللہ کی جماعت کے اوصاف:

(i) غیر کا وجود ان کے دل کی نظر سے اٹھ گیا ھو۔

(ii) قلب غیر اللہ کے شھود سے پوری طرح آزاد ھو۔

(iii) حقیقی فنا' فنا فی اللہ میں پختگی جس کے نتیجہ میں بقا باللہ حاصل ھو یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نزدیک وجود حقانی سے مشرف کردیا ھو۔

(iv) صاحب ھوش ھوں کہ دوسروں کی رھنمائی کر سکیں اور کیفیات جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ھوں۔

(v) حصول معرفت الٰھی میں حجابات کو مرنے سے پہلے ختم کردے۔

3. **حجاب**

(1) حجاب کی تعریف: آسمان و زمین کی کسی چیز میں دل کا پھنس جانا' گرفتار ھو جانا۔

(2) حجاب ختم کرنے کے طریقے:

(a) ذکر الٰھی استعداد کے مطابق

(b) ارباب شھود کی صحبت آداب صحبت کے ساتھ۔

4. **فنا بقا:**

ماسوا اللہ کی اس قدر نفی کہ دل غیر اللہ کی الفت' یہاں تک کہ اس کے خیال کے غبار سے بھی آزاد ھو جائے جس کے بعد حق کے اثبات کے سوا اور کچھ نہ رھے۔ لا کی تلوار سے غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ

کا قتل، پھر لا کے بعد کیا بچا؟ صرف اللہ! باقی سب چلا گیا۔

5. فنا بقا کی انتہا:

جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفتوں کا متصف ہو جائے یعنی متخلق باخلاق اللہ ہو جائے وہ ابھی تک واصل نہیں کہ یہ مقام اس وقت حاصل ہو گا جب اسماء کی تجلیات کے ذوق سے بھی شعور جاتا رہے۔

6. مقام حضور:

(1) حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ مقام حضور یہ ہے کہ اس حضور پر فرشتہ کو بھی اطلاع نہ ہو بلکہ خود کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔

(2) مقام حضور پر بندہ مکر شیطانی اور وسوسوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

(3) مقام حضور کے حصول کے لئے ایسے مرد کامل کی صحبت اختیار کرے جس کا دل و جان ذکر اسم ذات میں اس درجہ مستغرق ہو کہ اپنے سے بھی رہائی پا چکا ہو۔

(4) اگر ایسا مرد کامل میسر نہ آئے تو حضرات نقشبندیہ کے ذکر میں خود کو اس طرح مستغرق کر دے کہ سانس کے اندر جانے اور باہر آنے کے ساتھ ذکر اسم ذات پر چوکنا اور خبردار رہے، یہاں تک کہ ذکر اسم ذات دل و جان میں اس طرح رچ بس جائے کہ تکلف کے

ساتھ بھی اس حال یا وصف کو دور نہ کر سکے۔ ☆

7. مشاہدہ:

(1) حضورِ ذکر میں جب ارواح اور اجسام پر جل جلالہ کے انوار کی چمک دوڑنے لگتی ہے اور اس کے انوار کا پرتو پڑنے لگتا ہے تو ہر چیز ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ وہ موجود ہی نہ تھی اور تمام اجسام و ارواح ایسے نابود ہو جاتے ہیں کہ ان کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

(2) حضور ذکر کی حقیقت کے ساتھ حرف اور آواز سے پاک ہے اور ذکر پر مداومت کے ذریعہ جب یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے کہ دل میں کسی دوسرے کی جگہ نہیں رہتی تو اس حال کو مشاہدہ کہتے ہیں۔

(3) مشاہدہ تام: مشاہدہ کا کمال اس وقت حاصل ہو گا جبکہ اس کی آگاہی حضور کے وصف کے ساتھ ہو گی اور یہ اس درجہ کا حضور ہو کہ اس میں شعور کی رکاوٹ نہ ہو۔

(4) مشاہدہ ناقص: جس قدر حضور کا شعور ہو گا، اسی قدر حق سبحانہٗ کے حضور میں نقص اور کمی واقع ہو گی۔ ذات مقدس اس سے بالاتر ہے کہ دل کی

☆ یہ ذکر پاس انفاس ہی کی تشریح ہے جو اس وقت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا وظیفہ صبح شام، بلکہ دوام ہے۔ فارسی الفاظ ملاحظہ ہوں:
باید کہ شغل در نگاہداشت آگاہی ایں وصف بود کہ در خروج و دخول نفس واقف باشد کہ در نسبت حضور مع اللہ فتورے واقع نشد تا برسد بآنجا کہ بے تکلف نگاہداشت ہمیشہ ایں نسبت حاضر او بود بتکلف نتواند کہ این صفت از دل دور کند۔

آنکھ میں آئے تو وہ حسن کی نگاہ میں کس طرح آسکتی ھے!

8. مراقبہ اور حقیقت مراقبہ

مراقبہ حقیقت میں انتظار ھے اور حقیقتِ مراقبہ اسی انتظار کی تعبیر اور بیان ھے۔

9. تخلیہ باطنی

جس کا دل دنیا سے سرد ھو گیا اور حق کے ساتھ اتنا گرم کہ اس کے دل کی گرمی موقع نہیں دیتی کہ دنیا کی محبت اس کے دل کے پاس پھٹک سکے تو اس کی فکر اور سوچ میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ھوتا' اس کی فکر اور سوچ کا محور صرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات رہ جاتی ھے اور ماسوا کا فکر اور خیال اس کے قلب و دماغ سے کافور ھو جاتا ھے۔

10. پیر کی تعریف

(1) پیر وہ ھے کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ نہیں' وہ اس سے جاتی رھی ھو اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے نہیں ھوا' وہ اس میں نہ رھا ھو۔

(2) وہ اپنے سے کامل طور پر غائب ھو گیا ھو اور اس سے اس کی خواھش پوری طرح مفقود ھو گئی ھو۔

(3) وہ ایسا آئینہ بن چکا ھو کہ اس میں اخلاق و اوصاف نبوی ﷺ کے سوا دوسری کوئی چیز باقی نہ ھو۔

(4) حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے تصرف کا مظہر بن کر اور اللہ

تعالیٰ کے تصرف کے ساتھ اھل استعداد کے باطن میں تصرف کرتا ھو لیکن اپنے سے پوری طرح خالی ھو کر حق سبحانہٗ کے مقصد اور مراد کے ساتھ کھڑا ھو۔

11. مرید کی تعریف

*(1) مرید وہ ھے کہ محبت اور عقیدت کی آگ سے اس کی چاھت اور ضرورت جل چکی ھو اور مرادوں اور چاھتوں میں سے کچھ نہ رھا ھو۔

**(2) دل کی بصیرت سے پیر کے آئینہ میں مراد کا چھرہ دیکھ کر سب قبلوں سے منہ پھیر لیا ھو اور اس کا قبلہ پیر کا حسن و جمال ھو گیا ھو اور نیاز کا سر پیر کے آستانہ کے بغیر اور کہیں نہ رکھتا ھو۔

***(3) سب سے منہ پھیر کر اپنی سعادت و خوش نصیبی کو اس کے قبول میں جانتا ھو اور اپنی بدنصیبی کو اس کے رد کرنے اور اس کے دل سے گر جانے میں' بلکہ کچھ نہ ھونے کی تحریر اپنی وجود کی پیشانی پر لکھ دی ھو اور پیر کے علاوہ کسی اور کے شعور کے تفرقہ سے آزاد اور خلاص ھو گیا ھو۔

---

* مرید آنکہ بتاثیر آتش محبت وارادت بایست اوسوختہ باشد واز مرادات او ہیچ نمانندہ۔

** بصیرت دل در آئینہ پیر جمال مراد دیدہ روئ از مجموع قبلہا گردانیدہ وقبلہ او جمال پیر گشتہ و در بندگی پیر از آزادی فارغ آمدہ وسر نیاز جز بر آستانہ پیر ننداختہ۔

*** اعراض از مجموعے کردہ سعادت خود در قبول او دانستہ وشقاوت خود را اور رد او بلکہ رقم نیستی بر ناصیہ وجود کشیدہ واز تفرقہ شعور بوجود غیر پیر خلاص گشتہ بیت۔

12. اصطلاحات

(1) **توحید**

حق سبحانہٗ کے غیر کی واقفیت اور خبرداری سے دل کو خالی کر لینا۔

(2) **وحدت**

غیر کے وجود کا علم و شعور دل سے نکال دینا۔

(3) **اتحاد**

حق تعالیٰ کی ھستی میں غرق ھو جانا۔

(4) **سعادت**

حق کے دیکھنے کے ساتھ اپنے سے چھٹکارا پا لینا۔

(5) **شقاوت**

اپنے میں مشغول رھنا اور حق تعالیٰ سے دور رہ جانا۔

(6) **فصل**

غیر حق سبحانہٗ سے دل کو جدا کر دینا اور غیرحق سے اس کے تعلق کو کاٹ دینا۔

(6) **وصل**

حق سبحانہٗ کے وجود کے نور کے مشاھدہ میں خود کو بھول جانا۔

(8) **سکر**

جس حال کا چھپانا واجب تھا، دل میں اس کے چھپانے کی طاقت نہ رھے اور دل اس کے ظاھر کرنے پر مجبور ھو جائے۔

(ماخوذ از نفحات الانس.....مولانا عبدالرحمٰن جامی)

تصوف اور ترک دنیا

حضرت ابونصر سراجؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف اللمع فی التصوف میں چوتھی صدی ہجری کے عملی تصوف کی خرابیوں پر قریباً بیس ابواب قائم کئے ہیں۔ تصوف کے نام پر کھانا ترک کرنے، گوشہ نشینی اختیار کرنے، تنہائی پسندی اور عملی زندگی سے انقطاع پر ایک الگ باب قائم کیا ہے اور ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو قلت خوراک یا کھانا ترک کرنے کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ ابونصر سراجؒ غیر اسلامی تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''جو لوگ غیر اسلامی تصوف سے چمٹے ہوئے ہیں ان کی مثال اس شخص کی ہے جس نے سن لیا ہے کہ قیمتی گوہر اس طرح کا ہوتا ہے لیکن انہیں کانچ کا ٹکڑا مل گیا تو اسے گوہر سمجھ لیا۔ جوہری کے پاس لے گئے تو اس نے کانچ کے اس بے وقعت ٹکڑے کی حقیقت بتلا دی لیکن پھر بھی ان کی جہالت اور طمع کافر اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اسے پھینک دیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی میں رہ کر ہر روز نقصان پہ نقصان اٹھائے جاتے ہیں اور اپنی سرکشی میں سرگرداں رہتے ہیں۔''

چوتھی صدی کے تصوف کے اس نقشے میں آٹھویں صدی تک کس قدر مزید رنگ بھرے گئے ہوں گے، اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہی نقشہ دور حاضر کے مروجہ تصوف کا بھی ہے۔ تصوف کے متعلق آج کی طرح آٹھویں صدی میں بھی یہ سوچ عام ہو چکی تھی کہ صوفیا کا دنیوی معاملات سے کیا سروکار! صوفی کا لباس عام انسان سے الگ ہو، اس کے شب و روز مختلف ہوں حتیٰ کہ

شریعت جوامت کے ہر فرد پر لاگو ہے' ایک صوفی کو اس سے بھی مستثنیٰ اور بے نیاز سمجھ لیا گیا تھا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے وصال کے بعد جب مسند خلافت سنبھالی تو وعظ وارشاد کے ذریعہ اس عمومی تصور کا ابطال کیا کہ طریقت وشریعت دو الگ چیزیں ہیں اور امور دنیا کو بجا لاتے ہوئے تزکیہ باطن محال ہے۔ تبلیغ ونصیحت کی بہترین مثال اسوۂ ذاتی ہوسکتی تھی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے اپنی ذاتی مثال سے تبلیغ کا یہ حق صرف اپنے متعلقین تک ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی ادا کیا اور تاریخ میں ضرب المثل بن گئے:

چوں فقر اندر عبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبید اللّٰہی آمد

جب درویشی لباس شاہی میں آئی
تو یہ حضرت عبید اللہ احرارؒ کی تدبیر سے آئی۔

سلاطین سے روابط

تصوف کے بارے میں پائی جانے والی عمومی غلط فہمیوں میں سے ایک بڑی غلط فہمی یہ بھی ہے کہ صوفیاء کا امرا اور سلاطین سے کیا سروکار! بغرض دعوت و اصلاح سلاطین اور سرداران قوم سے روابط حضور ﷺ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہیں اور ہر وہ نظریہ جو سنت خیر الانام ﷺ سے متصادم ہو' خواہ اسے فقیری' تصوف یا کوئی بھی نام دیا جائے باطل اور بے بنیاد ہے۔ آپ ﷺ نے سلاطین وقت کے نام فرامین بھجوائے اور سرداران قبائل کو براہ راست اسلام کی دعوت دی اور تاریخ اس پر گواہ ہے کہ ایک سردار نے اسلام قبول کیا تو پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے ذاتی مثال سے اس باطل نظریہ کی بیخ کنی فرمائی کہ صوفیا کے لئے امراء وسلاطین سے روابط کوئی شجر ممنوعہ ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیطان تو امراء کی طاقت اور وسائل کو خوب استعمال کرتا ہے لیکن اہل حق محض لاتعلقی کی وجہ سے نہ صرف اس سے محروم رہتے ہیں بلکہ یہ وسائل اکثر ان کے خلاف استعمال ہوتے ہیں۔

سلاطین ہوں' امراء ہوں یا عوام' اہل اللہ سے متاثر ہو کر وہی لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں جو خود بھی درویشانہ بلان رکھتے ہوں۔ قرون اولیٰ میں سلاطین نے خود اہل اللہ کی خدمت میں حاضری دی اور مال ودولت کی تھیلیاں پیش کیں لیکن صوفیا نے ہمیشہ ان کی حوصلہ شکنی کی۔ بغیر کچھ قبول کئے نصیحت کے دو بول کہے جو سلاطین نے پلے باندھ لئے۔ وقت کی طویل مسافت کے بعد امرا کا مزاج بدلا تو صوفیاء کے رنگ میں بھی ایسے دنیاداروں کی کثرت ہوگئی جن کی نگاہ امرا کی دولت پر ہوتی۔ اس طرح اہل اللہ کی ذریعے سلاطین کے اصلاح احوال کا باب تمام ہوا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے اس باب کو پھر سے وا کیا لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ اسباب وذرائع کے اعتبار سے آپؒ سلاطین سے بے نیاز ہوں۔

حضرت جیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علماء کو چاہیے کہ وہ مالی اعتبار سے کسی کے محتاج نہ ہوں ورنہ وہ حق بیان نہیں کر سکتے۔ حضرت جیؒ نے اپنے ایک خطاب میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی مثال بیان فرمائی کہ لکڑیوں کی فروخت ان کی گزر اوقات کا ذریعہ تھی' اس کے بعد فرمایا:

''میں نے یہ قصہ کیوں کیا ہے! خود غور کرنے کا مقام ہے'
سوچا جائے۔ علماء کا طبقہ بدنام ہو چکا ہے۔ ان کی کوئی بات

نہیں سنتا' کوئی ان کی بات پر کان نہیں دھرتا۔ یہ صوفیاء کا
طبقہ ہے' اسے بدنام نہ کرنا چاہیے۔''

وہ مدرسے جو کسی کی امداد کے بغیر نہ چل سکیں اور وہ خانقاہیں جو نان جویں کے لئے اہل ثروت کی محتاج ہوں' کلمہ حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی ہزاروں ایکڑ مزروعہ زمین سے اس قدر آمدن ہوتی کہ امراوسلاطین آپؒ کی خدمت میں کچھ پیش کرنے کے خیال ہی سے خفت محسوس کرتے۔ ان کی آمدنی عوام الناس سے وصولی کے ذریعہ ہوتی لیکن حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ خود کماتے اور لوگوں کو کھلاتے جس سے امراء بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ کسی طبقہ میں دعوت کی اثر پذیری کے لئے ضروری ہے کہ وہ طبقہ اپنے شعبہ میں بھی داعی کی برتری کا معترف ہو۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے ہاں فقیری کے ساتھ اسباب ووسائل کی ریل پیل اور آپؒ کے انداز شاہانہ سے امرائے وقت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ہاں سلاطین سے روابط کے دور کا آغاز 860ھ کے قریبی زمانے میں ہوا۔ آپؒ والئی سمرقند میرزا عبداللہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں آپؒ کی خدمت میں میرزا کا ایک امیر حاضر ہوا۔ آپؒ نے اس سے فرمایا کہ میں تمہارے میرزا سے ملاقات کے لئے آیا ہوں اور اگر تمہاری کوشش سے یہ ملاقات ہو جائے تو عنداللہ ماجور ہو گے۔ اس امیر نے گستاخانہ لہجے میں جواب دیا کہ میرزا تو جوان بے پرواہ ہے اور اس سے ملاقات مشکل ہے لیکن درویشوں کو ایسی باتوں کی کیا ضرورت ہے! حضرت خواجہ احرارؒ یہ جواب سن کر جلال میں آ گئے اور فرمایا: مجھ کو سلاطین سے اختلاط کا حکم ہوا ہے اور میں خود نہیں آیا ہوں۔ اگر تمہارا میرزا پرواہ نہ کرے گا تو کوئی اور

آ جائے گا جو پرواہ کرے گا۔ جب وہ امیر باہر چلا گیا تو حضرت خواجہؒ نے اس کا نام دیوار پہ لکھا اور اس کو مٹاتے ہوئے فرمایا' ہمارا کام اس امیر سے نکلتا معلوم نہیں ہوتا۔ آپؒ اسی روز عازم تاشقند ہوئے اور ایک ہفتہ بعد وہ امیر مر گیا۔

اس سے قبل والی ترکستان میرزا ابوسعید گورگان کو خواب میں آپؒ کی زیارت ہوئی تھی اور نام سے بھی مطلع کر دیا گیا۔ صبح لوگوں سے دریافت کیا کہ کوئی درویش خواجہ عبیداللہؒ نام کا اور اس شکل وشباہت کا یہاں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ بزرگ تاشقند میں ہیں۔ تاشقند پہنچا تو حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ خرکت جا چکے تھے۔ آپؒ سے ملاقات کے لئے خرکت میں حاضری دی اور جس وقت زیارت ہوئی تو کہنے لگا: واللہ! جس شخص کو میں نے خواب میں دیکھا تھا' وہ یہی ہیں۔ بے اختیار آپؒ کے قدموں میں گر پڑا اور آپؒ نے بھی اس پر بہت شفقت فرمائی۔

سلطان ابوسعید گورگان نے سمرقند کی فتح کا ارادہ کیا تو حضرت خواجہؒ سے خصوصی توجہ کے لئے درخواست کی۔ آپؒ نے فرمایا کس ارادے سے فتح کرتے ہو؟ اگر تقویت شریعت غرّی اور ترویج دین متین مقصود ہے تو جاؤ' فتح تمہاری ہے۔ اس نے وعدہ کیا کہ بدل وجان تقویت شریعت کی کوشش کروں گا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے فرمایا: اب تم پناہ شریعت میں ہو اور تمہاری مراد حاصل ہے۔ ابوسعید میرزا نے سمرقند پر چڑھائی کی اور فتح پائی۔ اس طرح سمرقند کا علاقہ بھی سلطان ابوسعید گورگان والی ترکستان کی عمل داری میں شامل ہو گیا اور میرزا عبداللہ قتل ہوا۔

کچھ عرصہ بعد میرزا بابر جو میرزا عبداللہ کا بھتیجا تھا' چچا کا انتقام لینے کے لئے ایک لاکھ سواروں کے ساتھ عازم سمرقند ہوا۔ سلطان ابوسعید میرزا

دوبارہ حضرت خواجہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اتنے بڑے لشکر کے مقابلے کی تاب نہیں' اب کیا علاج ہو؟ آپؒ نے فرمایا' تمہاری مہم میں نے اپنے اوپر لے لی اور میں ذمہ دار ہوں۔ میرزا بابر پر اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیبت طاری کر دی کہ وہ سلطان ابوسعید میرزا سے صلح کا خواہاں ہوا اور واپسی کی راہ لی۔ سلطان ابوسعید ہی کی درخواست پر حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ ثمرقند سے تاشقند منتقل ہو گئے جہاں آپؒ نے ایک عالیشان مسجد اور مکتب تعمیر کیا جو آج بھی دینی تعلیم کا مرکز ہے۔ سلطان ابوسعید گورگان اپنے تمام ملکی امور میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے رہنمائی حاصل کرتا اور ہر کام میں آپؒ کے توسل اور شفاعت پر بھروسا کرتا۔

تاریخ تصوف میں اکثر صوفیا کے حالات میں امرا و سلاطین کے بارے میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے طرز عمل سے مختلف انداز نظر آتا ہے۔ سلطان وقت حاضر خدمت ہوتا ہے تو روشنی گل کر دی جاتی ہے تاکہ بالمشافہ ملاقات کی صورت نہ ہو۔ ملنے سے انکار کر دیا جاتا یا انتہائی مختصر ملاقات ہوتی جس میں تلخ لیکن مبنی بر حقیقت جوابات سے حوصلہ شکنی کا تاثر ملتا۔ ممکن ہے یہ اس دور کا تقاضا ہو جب اتباع شریعت کی عمومی فضا قائم تھی اور اکثر سلاطین بھی دیندار ہوا کرتے تھے۔ اہل اللہ کے شب و روز فاقہ مستی میں گزرتے اور کسی دنیوی مفاد اور تحائف کی پیشکش پر شدید ردعمل کا مظاہرہ ہوتا۔ اس کے برعکس جب دعوت اور اصلاح احوال پیش نظر ہو تو یہ کام نفرت کی بجائے دلجوئی اور ہمدردانہ طرز عمل کا متقاضی ہے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ سلاطین کی اصلاح چاہتے تھے جو حسن سلوک اور مشفقانہ تعلقات استوار کئے بغیر ممکن نہ تھا۔

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے محبت اور خیر خواہی کے ذریعہ سلاطین

وقت کے قلوب کو مسخر کیا۔ وہ سلاطین جن کی ہیبت سے امرا کانپتے' وہ آپؒ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوتے اور دین متین کی نصرت کے وعدہ کے ساتھ واپس لوٹتے۔ ایک مرتبہ سلطان ابوسعید میرزا آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شراب نوشی سے تائب ہو کر لوٹا۔ اس کے بعد بھی ہوس شراب پیدا ہوئی تو اخفا کے خیال سے نوکر کو حکم دیا کہ رات کے وقت محل کی دیوار کے نیچے لے آنا' میں چھت سے کھینچ لوں گا۔ رات کو نوکر شراب لے کر آیا تو میرزا نے پگڑی سے باندھ کر شراب کا کوزہ اوپر کھینچا۔ کوزہ دیوار سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا جس سے وہ بہت افسردہ ہوا کہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ سلطان صبح حضرت خواجہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؒ نے فرمایا: رات تمہارے کوزہ ٹوٹنے کی آواز میں نے سنی' اگر کوزہ نہ ٹوٹتا تو میرا دل تم سے ٹوٹ جاتا اور پھر ہماری تمہاری ملاقات نہ ہوتی۔

آپؒ کے ان الفاظ میں ''میرا دل تم سے ٹوٹ جاتا'' کس قدر محبت پنہاں ہے۔ اسی محبت اور شفقت کی وجہ سے سلاطین مجبور تھے کہ آپؒ سے کئے ہوئے اصلاح احوال کے وعدوں پر عمل کریں جس سے عوام الناس کی اصلاح ہو اور ان کی زندگیوں میں دین متین کی ترویج ہو۔

یہ صرف امراء و سلاطین پر ہی موقوف نہیں' حضرت خواجہ احرارؒ کا اپنے تمام مریدوں سے تعلق خاص تھا۔ والیٔ ترکستان ابوسعید مرزا کے متذکرہ واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ آپؒ کے ایک شاگرد ابوسعید مجلدؒ کے بارے میں مشہور ہے۔ وہ ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہوئے اور ایک مرتبہ اس عورت کے ساتھ تنہائی بھی میسر آ گئی۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی غلط قدم اٹھاتے' اپنے مرشد حضرت خواجہ احرارؒ کی آواز سنائی دی:

''ابوسعید! چہ کار مے کنی''

اے ابوسعید کیا کرتے ہو!

یہ سننا تھا کہ ان کی حالت متغیر ہوگئی اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔ کچھ عرصہ بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپؒ نے مسکرا کر فرمایا:

''اے ابوسعید! اگر حق تعالیٰ کی توفیق تیری یاوری نہ کرتی'
شیطان تجھ کو برباد کر دیتا۔''

خواجہ عبید اللہ احرارؒ خود بھی سلاطین سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے۔ میرزا ابوسعید گورگان سے ملاقات کے لئے آپؒ 865ھ میں خراسان تشریف لے گئے اور دارالسلطنت ہرات میں ایک شب قیام فرمایا۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ بھی شب بھر حاضر خدمت رہے۔ اسی سفر میں آپؒ نے محسوس کیا کہ سلطان کی عملداری میں جا بجا راستوں پر محصول کی وصولی عام لوگوں کے لئے پریشان کن ہے۔ اگرچہ یہ آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا لیکن آپؒ کی خواہش پر سلطان نے یہ محصول ختم کر دیا۔ ''روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ھرات'' میں آپؒ کے سفر ہرات کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:

''جناب ولائیت پناہ بخارا سے عازم خراسان ہو کر 23 صفر 865ھ کو دارالسلطنت ہرات تشریف فرما ہوئے۔ سلطان سعید نے ان کی تعظیم و توقیر اور استقبال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دوسرے دن حضرت خواجہ نے مقابر اولیاء اللہ کی زیارت کی۔ خراسان کے سبھی اکابر نے ان کا قدم مبارک غنیمت جانا۔ سلطان سعید تو کئی بار حضرت خواجہ کی زیارت کے لئے آیا۔ حضرت ارشاد پناہ نے جس پسندیدہ رائے کا بھی اظہار کیا وہ مان لی گئی۔ (ان کے کہنے پر) سمرقند و بخارا

میں نافذ وہ محصول قطعی ختم کر دیا گیا جس سے (حکومت کو)
خطیر آمدنی ہوا کرتی تھی۔ حضرت خواجہ 11 ربیع الاول کو
واپس ماوراالنہر تشریف لے گئے۔''

حضرت مولانا جامیؒ نے مثنوی ''سلسلۃ الذہب'' میں خواجہ احرارؒ کے مرو تشریف لے جانے اور سلطان ابوسعید نے کمال ادب اور عقیدت کے ساتھ آپ کا جس طرح والہانہ استقبال کیا تھا' اس کا تذکرہ کیا ہے۔ آپؒ نے حضرت مولانا جامیؒ کو اس ملاقات میں جو نصائح فرمائی تھیں' مثنوی میں ان کا تذکرہ ایک حکایت میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ حاجت مندوں کے ملجاء ہیں' ماورا النہر اور خراسان میں اہل جہاں کی مشکلات کو آسان فرماتے ہیں' نیازمندوں کی حاجت برآری کے لئے اعلیٰ حکام کو رقعات لکھتے ہیں۔ مولانا جامیؒ 'سلسلۃ الذہب' میں لکھتے ہیں:

رقعہ او نوردہ ہر سواد بقعۂ او ثانی خیر البلاد
ان کی تحریر سے ہر سیاہی کو روشنی عطا ہو جاتی ہے
ان کا مقام خیر البلاد کا عکس ہے

آج کی طرح اس وقت بھی بعض زاہد خشک صوفی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے سلاطین اور امرا کے ساتھ اس اختلاط کو پسند نہ کرتے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی دو درویش دور دراز سے حضرت خواجہ احرارؒ کی زیارت کے لئے آئے۔ خانقاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپؒ بادشاہ کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ حیران ہوئے کہ یہ کیسے شیخ ہیں جو بادشاہ کے پاس جاتے ہیں اور بِئْسَ الْفَقِيْرُ عَلٰى بَابِ الْاُمِيْرِ کے مصداق ہیں۔ اتفاقاً اس وقت دو چور شاہی دربار سے بھاگے ہوئے تھے اور ان کی تلاش جاری تھی۔ یہ دونوں درویش نو وارد تھے' چور سمجھ کر پکڑے

گئے اور قطع ید کے سزاوار ٹھہرے۔ اس وقت حضرت خواجہ احرارؒ بادشاہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ فرمایا: یہ درویش چور نہیں' میری ملاقات کے لئے آئے تھے' نووارد ہونے کی وجہ سے پکڑے گئے۔ ان کو ہمراہ لے کر واپس آئے تو فرمایا: میں اس واسطے بادشاہ کے پاس گیا تھا کہ تمہارے ہاتھ قطع ہونے سے بچاؤں' بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْر کا مصداق جب ہوتا کہ طمع دنیا کے واسطے جاتا۔

مولانا عبدالغفور لاریؒ نے تکملہ نفحات الانس میں حضرت خواجہ احرارؒ کی پراثر' شیریں گفتار اور دلوں کو مسخر کرنے والی شخصیت کے بارے میں مولانا جامیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''حضرت خواجہ احرارؒ دلوں کو فوراً قابو میں لے آتے اور اگر ان کے دل پر کوئی چیز گراں گزرے تو قوت قاہرہ سے اس کو رفع فرمادیا کرتے۔ اہل اللہ کی باتوں کو اس قدر شیرینی سے بیان فرماتے کہ میں نے کسی اور سے ایسا نہ سنا ہے۔''

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کا فرمان ہے:

''اگر میں پیری کروں تو اس زمانے میں کسی کو پیر نہ ملے لیکن میرے سپرد اور ہی کام کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھوں اور شریعت کو رواج دوں۔ اسی لئے تسخیر سلاطین کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی قدر قوت عطا کی ہے کہ اگر بادشاہ کو ایک رقعہ لکھ کر بھیجوں تو ترک سلطنت کر کے سروپا برہنہ میرے آستانہ پر حاضر ہو مگر میں بلا فرمان الٰہی خود کچھ نہیں کرتا ہوں اور ادب بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے ارادہ کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع کرے' نہ کہ اللہ تعالیٰ

کے ارادے کو اپنے ارادہ کے تابع کرے۔''

غزوۃ الہند کی تمہید

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سلاطین کو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کرنے پر مامور فرمائے گئے تھے اور سلطان ابوسعید میرزا سے خواب کے ذریعہ آپؒ کا تعارف ایک بہت بڑے مقصد کے لئے تھا۔ سلطان مشیت الٰہی کے تحت آپؒ کے حلقہ ارادت میں لایا گیا تو اس کے ذریعہ آپؒ کی دعوت بین الاقوامی سطح پر عام ہوئی۔ روسی ریاستوں' افغانستان اور ایران کی سرحدوں تک سلسلہ نقشبندیہ پھیل گیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اسی سلسلہ کے متوسلین نے امام شاملؒ کے تحت زار روس سے معرکہ آرائی کی۔ اس کے بعد جہاد افغانستان میں بھی اسی سلسلہ کے لوگ پیش پیش رہے اور آج بھی معرکہ حق و باطل میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔

اہل مغرب اس وقت یہ گتھی سلجھانے میں لگے ہوئے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ کی اس جہادی طاقت کا راز کیا ہے؟ 1981ء میں ایک امریکی محقق خاتون نے تاشقند کا دورہ کیا اور سلسلہ نقشبندیہ کے متعلق معلومات اکٹھی کیں۔ وہاں سے لندن لائبریری کا رخ کیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ سلسلہ نقشبندیہ کے متوسلین کی بہت بڑی تعداد پاکستان میں ہے تو اسلام آباد آئی اور اس سلسلہ کے شیخ کو تلاش کرتے ہوئے حضرت امیر المکرمؒ تک آن پہنچی۔ اس کا بار بار یہی سوال تھا کہ متوسلین سلسلہ کی طاقت کا راز کیا ہے؟ جس کا ایک ہی جواب ملا کہ یہ وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے لیکن اس حقیقت کا ادراک شاید اس کے بس کی بات نہ تھی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سلسلہ نقشبندیہ کے وہ سرتاج ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کو عالمی سطح پر متعارف کرایا اور چیچنیا' سمرقند' بخارا' تاشقند سے افغانستان' پاکستان اور ایران کی سرحدوں تک متوسلین سلسلہ کی ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی جسے عبور کرنا اب کفر کے بس میں نہیں۔ کفر کا مقابلہ عملی طور پر بھی ہو رہا ہے لیکن کفر کی صورت جو ظلمت طاری ہو چکی ہے' ان اہل اللہ کی برکات سے وہ بھی شق ہو رہی ہے۔ حق و باطل کے معرکہ میں یہ بنیادی سبب ہے جس پر عددی فوقیت سے برعکس نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کی اس مادی اور روحانی فصیل سے ٹکرا کر دنیائے کفر کے سرتو پاش پاش ہو رہے ہیں لیکن اسلام کا یہ قلعہ سر کرنا ممکن نہیں۔ بے بسی کے عالم میں دنیائے کفر اپنی عسکری صلاحیتوں اور افواج کی تعداد میں مسلسل اضافہ کر رہی ہے جو غزوۃ الہند کی تمہید نظر آتی ہے۔

کارِ تجدید

تاریخ تصوف میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپؒ سے قبل اور بعد کے ادوار میں ایک نمایاں فرق ہے۔ آٹھویں صدی ہجری تک تاریخ تصوف کا جائزہ لیں تو اس میں تین خرابیاں اس حد تک راسخ ہو چکی تھیں کہ انہیں عین تصوف سمجھ لیا گیا۔

(1) عقائد و نظریات کا انتشار۔ شریعت حقہ کی مخالفت کی حد تک
(2) ترک دنیا و بے عملی
(3) سلاطین و امراء سے لاتعلقی بلکہ نفرت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے قول و فعل سے مذکورہ بالا تینوں خرابیوں

سے تصوف کو اس طرح پاک کر دیا کہ اپنے بعد میں آنے والے صوفیا کے لئے واضح اور مستقل راہیں متعین فرما دیں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی تعلیمات کا اثر صرف آپؒ کے دور تک ہی محدود نہیں بلکہ اسے آپؒ کے بعد آنے والے ہر دور میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری تک تصوف کے نام پر گمراہ فرقوں کی تعداد میں جس تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا' آپؒ کے بعد اس میں واضح کمی نظر آتی ہے۔ صوفیا کے ہاں اب ترک دنیا مستحسن نہیں رہی۔ اصلاح احوال کے لئے سلاطین و امراء سے روابط صوفیا کے ہاں بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا دور ہے۔ مولانا جامیؒ بھی صرف مقامی حد تک ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر اثر و رسوخ رکھتے تھے اور امراء و سلاطین وقت آپؒ کے تابع فرمان تھے۔

تاشقند و ثمرقند اور کابل و ہرات کے حالات سے آج کی طرح برصغیر ہمیشہ متاثر ہوتا رہا۔ چنانچہ سلاطین سے روابط کے جس عمل کو حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے تقویت دی تھی' آپؒ کے متصل زمانوں میں اس کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ برصغیر میں پون صدی بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے طریقہ اصلاح و تبلیغ کے مطابق امراء وقت سے روابط قائم کیے۔ انہوں نے دین دار اور بااثر امرائے دربار سے خطوط کے ذریعے رابطہ کیا اور حکومت کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں ابوالفضل اور فیضی جیسے درباریوں کے مرنے کے بعد یہ دین دار امراء اکبر سے زیادہ قریب ہو گئے تھے اور حضرت محدث دہلوی کی ان کاوشوں سے زندگی کے آخری دنوں میں اکبر از سر نو مسلمان ہو گیا تھا۔ اکبرؒ کے بااثر امیر شیخ فرید کے نام حضرت محدث دہلویؒ کے طویل خطوط تاریخ میں محفوظ ہیں اور شیخ

فرید وہ شخص ہے جس نے اکبر کے خیالات کا رخ موڑا' جہانگیر کو تخت نشین کرایا اور دین اکبری کے خاتمے کا اعلان کرایا۔

یہی زمانہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا بھی ہے۔ انہوں نے بھی خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے طریقہ دعوت کی تقلید میں امرائے سلطنت سے روابط قائم کئے۔ حضرت محدث دہلویؒ کے اثرات اکبر بادشاہ کے آخری دور میں نمایاں تھے جبکہ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کا براہ راست دربار شاہی پر اثر تھا۔ انہوں نے اپنے ایک مرید کو جہانگیر کے لشکر کے لئے خلافت عطا کی جبکہ گورنر لاہور کا شمار ان کے اہم خلفاء میں ہوتا ہے۔ اس طرح خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا اتباع کرتے ہوئے ان بزرگوں نے امراء سے تعلقات قائم کئے جس سے برصغیر کے کروڑوں انسانوں کی تاریخ بدل گئی۔

تصوف میں عالمگیریت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے تصوف میں عالمگیریت کا پیغام دیا۔ آپؒ کے بعد اقوام عالم کے باہمی روابط میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہوا کہ آج کی دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ یہ دور اس عالمگیر تصوف ہی کا متقاضی تھا جس کی بنا حضرت خواجہ احرارؒ نے ڈالی۔ بقول حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ:

''خواجہ موصوف کے وجود کی برکت سے اس سلسلہ کا انتظام
یعنی اس لڑی میں امت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری
رہے گا۔''

حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نسبت اویسیہ کے وہ اہم شیخ ہیں جن کے ذریعہ تصوف میں عالمگیریت کی ابتدا ہوئی جو دائمی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ

کے الفاظ میں اس لڑی میں امت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری رہے گا۔ آج سلسلہ عالیہ کی لڑی میں کسی ایک شہر' ملک یا قوم کے افراد کا نہیں بلکہ گلوبل سطح پر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے اقوام عالم کے افراد کا پرویا جانا اور شیخ سلسلہ کے ساتھ انٹرنیٹ کے ذریعے روئے زمین پر ایک ہی وقت میں ذکر کرنا' اس عالمگیریت کا بین ثبوت ہے۔ حضرت جیؒ نے مستقبل کے حوالے سے فرمایا کہ یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا اور سلسلہ عالیہ ہی کے احباب امام مہدی کے دست و بازو بنیں گے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کی نشاندہی کریں گے۔

تاریخ تصوف میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا نام دبدبہ و جلال کی علامت بن چکا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس قدر قوت دی ہے کہ اگر بادشاہ کو ایک
رقعہ لکھ کر بھیجوں تو ترک سلطنت کر کے سر و پا برہنہ میرے
آستانہ پر حاضر ہو مگر میں بلا فرمان الٰہی کچھ نہیں کرتا ہوں۔''

تاریخ شاہد ہے کہ رقعہ لکھنے کی نوبت نہ آئی اور سلطان وقت کو اشارۂ خداوندی ہوا تو بسر و چشم خود حاضری دی۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ سلطانی تھا اور جغرافیائی حدود سے ماورا آپؒ کی فرماں روائی تھی۔

اس مقام تک پہنچتے ہوئے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کو جن بزرگوں کی رہنمائی میسر آئی' ان کے اسمائے گرامی بھی آپؒ کے نام کے ساتھ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ راہ طریقت میں جب آپؒ کا سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے روحانی رابطہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی نسبت اویسیہ بھی نصیب ہوگئی۔ اس کے بعد یہ اس نسبت عالیہ کا کمال تھا کہ پانچ صدیوں کی مسافت پر ان سے براہ راست

فیض حاصل کیا اور مشائخ اویسیہ کے شجرہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کے بعد چوتھا عظمت والا نام خواجہ عبید اللہ احرارؒ کا رقم ہو گیا۔

وصال

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے 29 ربیع الاول 895ھ کو سمرقند میں وصال پایا۔ وقت آخر روشنی کے لئے آپؒ کے کمرے میں کئی شمعیں فروزاں تھیں۔ اچانک آپؒ کے صاحبزادے محمد یحییٰ اور حاضرین نے دیکھا کہ آپؒ کی آنکھوں سے ایک نورانی شعاع نکلی جس کی تیز روشنی کے سامنے شمعوں کی روشنی ماند پڑ گئی اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ عالم آب وگل سے عالم برزخ میں منتقل ہو گئے۔ آپؒ نے جس طرح انداز شاہی سے زندگی بسر کی' اسی طرح آپؒ کا جنازہ پورے تزک واحتشام اور شاہی آداب کے ساتھ امیر سلطنت سلطان احمد' شاہی افواج اور اہالیان سمرقند کے جلو میں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اٹھایا گیا اور تاشقند میں آپؒ کے تعمیر کردہ مسجد ومکتب میں تدفین ہوئی۔

آپؒ کے وصال پر حضرت مولانا جامیؒ نے اپنے دیوان سوم 'خاتمۃ الحیاۃ' میں سات بند کہے۔ دوسرے بند کا ایک شعر ہے:

خواجہ کش معنی فقر از ازل ہمراہ بود
ناصر الدین' نصرت الدنیا عبید اللہ بود

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے ساتھ فقر ہمیشہ سے تھا اور حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ دنیا کی نصرت کرنے والے تھے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ رحمۃ اللہ علیہ

865 ہجری کی ایک شب
افغانستان کے شہر مرو میں دو بزرگ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت ذاتیہ کے موضوع پر محو کلام ہیں کہ اچانک گفتگو کا رخ تبدیل ہوتا ہے:

"خواجہ عبید اللہ احرار مدظلہٗ نے اس کمینے سے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہوگی؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اس وقت میری عمر تخمیناً پچپن سال ہے۔ فرمایا کہ ہم تم سے بارہ سال عمر میں بڑے ہیں۔"

یہ جواب دینے والے بزرگ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ تھے۔ 23 شعبان 817 ہجری کو علوم دینیہ کے فاضل حضرت احمد دشتی کے ہاں خراسان کے شہر جام میں پیدا ہوئے اور اسی شہر کی نسبت سے مولانا جامیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپؒ نے خود اپنے تخلص کے بارے میں فرمایا:

مولدم جام و رشحۂ قلمم — جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار — بدو معنی تخلصم جامی است

"میری جائے پیدائش جام اور میرے قلم سے جو ٹپکا وہ شیخ الاسلام احمد جامیؒ کے جام کا ایک گھونٹ ہے' ان دونوں وجہ سے میرے اشعار کے جریدے میں میرا تخلص جامی ہے۔"

خاندان کا تعلق دشت سے تھا جو ایران کے شہر اصفہان کا ایک محلّہ ہے۔ اسی نسبت سے والد اور دادا دشتی کہلائے۔ مرور زمانہ کے ہاتھوں مجبور ہوکر دادا کو ایران سے ہجرت کرنا پڑی اور افغانستان میں خراسان کے شہر جام میں آباد ہوگئے۔ چونکہ علمی گھرانہ تھا' یہاں آ کر منصب قضا وفتویٰ سنبھال لیا اور تعلیم وتعلم میں مصروف ہوگئے۔ آپؒ کے جدامجد مولانا محمد دشتی کے عقد میں امام محمد شیبانیؒ کی اولاد سے صاحبزادی تھی جن کے بطن سے آپؒ کے والد احمد پیدا ہوئے۔ یادرہے کہ امام شیبانیؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے اور انہیں بین الاقوامی قوانین کا امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے اعتراف میں اہل مغرب نے ہیگ میں بین الاقوامی قوانین پر ان کے نام سے ''شیبانی سوسائٹی'' قائم کررکھی ہے۔

روحانی تربیت کا آغاز

انتہائی کم سنی میں حضرت مولانا فخرالدین نورستانیؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ یہ بزرگ علوم ظاہری کے عالم تھے لیکن راہ سلوک میں نکلے تو اپنی تمام کتب اور سارے سامان کے ساتھ گھر کو خیرباد کہا اور مختلف ممالک بشمول مصر اور خراسان میں اہل اللہ کی صحبت میں عمر بسر کی۔ عمر کے آخری حصہ میں جام کی اس سرائے میں تشریف لائے جو مولانا جامیؒ کے والدین کی تھی تو آپؒ کو حصول برکت کے لئے ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ مولانا جامیؒ اس حاضری کی یادداشت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> ''میں چھوٹا تھا اور مجھ کو اپنے زانو کے ساتھ بٹھایا تھا۔ اپنی مبارک انگلیوں سے مشہور نام جیسے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوا پر لکھتے تھے اور میں ان کو پڑھ لیتا

تھا۔ وہ تبسم فرماتے اور حیران ہوتے۔ ان کی اس شفقت و محبت کی وجہ سے میرے دل میں اس گروہ کی محبت وارادت کا بیج پڑ گیا اور اس وقت سے ہر روز اس کی نشوونما کرتا ہوں کہ آج کچھ ہے اور کل کچھ۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کی محبت پر جیوں اور ان کی محبت پر مروں اور ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں کے زمرہ میں اٹھایا جاؤں۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا
وَاَحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْن

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین کر کے مارنا اور میرا حشر مساکین کی جماعت میں کرنا۔''

یہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے دل میں عقیدت وارادت اور طریقت کا پہلا بیج تھا۔ مولانا جامیؒ اس قدر کم سن تھے کہ ہوا میں انگلی کے اشاروں سے مشہور اسماء کی پہچان مولانا فخرالدین نورستانیؒ کے لئے باعث حیرت تھی۔ مولانا جامیؒ کی عمر اس وقت تین سال کے لگ بھگ تھی۔ آپؒ نے ابھی تک باقاعدہ تحصیل علم کا آغاز نہ کیا تھا اور الفاظ کی یہ سوجھ بوجھ اہل علم گھرانے میں اٹھتے بیٹھتے حاصل ہوگئی۔ مولانا فخرالدین نورستانیؒ کے وصال کا زمانہ 320ھ ہے یعنی مولانا جامیؒ کی پیدائش کے تین سال بعد مصر میں وصال ہوا اور امام شافعیؒ کے مدفن کے قریب ''سیدی فخرالدینؒ'' کے نام سے تدفین ہوئی۔ مولانا جامیؒ کے تذکروں میں اگرچہ ان کا ذکر کم ملتا ہے لیکن طریقت کے اتالیق اول کے حوالے سے وہ کچھ کہے بغیر بھی تین سالہ کم سن طالبعلم کے لئے عمر بھر کا راستہ متعین کر گئے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی عمر جب پانچ سال کے قریب تھی تو آپؒ کی زندگی کا دوسرا اہم واقعہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ کی زیارت ہے جو خواجہ بہاؤالحق نقشبندؒ کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔ اس واقعہ نے بھی آپؒ کی زندگی پر اہم اثرات ڈالے ہیں بلکہ نسبت نقشبندیہ سے دل کا تعلق خاص اسی واقعہ کا ثمر ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ نے اس واقعہ کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

''خیال میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ جب جام کی ولایت سے گزرے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وقت سال 822ھ کی جمادی الاول کی آخری تاریخیں ہوں گی یا جمادی الآخر کی پہلی تاریخیں۔ اس فقیر کے والد نیازمندوں، مخلصوں کی کثیر جماعت کے ساتھ خواجہ محمد پارساؒ کی زیارت کے لئے باہر آ گئے تھے اور اس وقت میری عمر پانچ سال کی پوری نہ ہوئی ہوگی۔ میرے والد نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص کو کہا کہ مجھے کندھے پر بٹھا کر آپؒ (خواجہ محمد پارساؒ) کی اس ڈولی کے سامنے رکھیں جس کی چاروں کھونٹیں انوار سے روشن ہو رہی تھیں۔ ڈولی کے چاروں کونے ذکر الٰہی کے انوار سے منور تھے۔ حضرتؒ نے مجھ پر التفات فرمایا اور ایک سیر کرمانی مصری عطا فرمائی اور آج اس واقعہ کو ساٹھ سال ہو چکے ہیں۔ اب تک آپؒ کے رخ انور کی روشنی اور چمک میری آنکھوں میں ہے اور دیدار مبارک کی لذت میرے دل میں موجود ہے اور یقیناً خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے متعلق اس فقیر

کو اخلاص و اعتقاد اور ارادت و محبت کا جو رابطہ یعنی دلی تعلق موجود ہے وہ حضرت والا شانؒ کی نظر مبارک کی برکت سے ہوا ہوگا اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے احسان سے اس رابطہ کی برکت سے قیامت کے دن ان حضرتؒ سے محبت کرنے اور ان سے اخلاص رکھنے والوں کے زمرہ میں اٹھایا جاؤں گا۔''

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی زندگی کا یہ اہم اور یادگار واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت خواجہ محمد پارساؒ حج کے لئے بخارا سے روانہ ہوئے اور راستے میں جام سے گزر ہوا۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ 19 ذوالحج 822ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو راستے میں ہمراہیوں کو طلب فرما کر ایک تحریر لکھوائی۔ اس تحریر کا تعلق چونکہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ہے، نفحات الانس سے متعلقہ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے:

'' بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ہفتہ کے دن تاریخ 19 ذالحج 822ھ۔ چاشت کے وقت جب ہم مکہ مکرمہ سے (اللہ تعالیٰ اس کی قدر کو بڑھائے اور اس کی برکتوں میں اضافہ عطا فرمائے) فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے اور ہم قافلہ کے ساتھ چل رہے تھے، میں سونے اور جاگنے کی حالت میں تھا۔ سید الطائفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ میرے پاس آئے۔ پھر انہوں نے (اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے) اپنی بشارت اور زیارت کے حال میں کہا، اَلْقَصْدُ مَقْبُوْلٌ۔ تیرے حج کا قصد قبول کر لیا گیا ہے۔ یعنی

جس نیت کے ساتھ تو حج کے لئے روانہ ہوا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول کر لیا ہے۔ میں نے اس بات کو یاد کر لیا اور مجھے اس سے خوشی ہوئی۔ پھر میں اس حالت سے (جو سونے جاگنے کے درمیان تھی) ہوشیار ہو گیا۔ اس حال پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں۔ یہ ایک کلمہ جو سید الطائفہ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔ یہ کلمہ جامع بھی ہے اور کامل بھی ہے اور ایسی خوشخبری ہے' جو ہم کو' ہماری اولاد کو' ہمارے اصحاب واحباب' حاضر وغائب سب کو شامل ہے۔''

حضرت خواجہ محمد پارساؒ مشائخ نقشبند میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کی یہ تحریر نہ صرف طریق اویسیہ کے شیخ حضرت جنید بغدادیؒ سے گہری عقیدت کی آئینہ دار ہے بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے حالت مکاشفہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کے دو لفظوں کو اپنے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے مستقبل کے حاملین کے لئے بیش قیمت اثاثہ قرار دیا۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے حصول علم کے بعد حضرت خواجہ محمد پارساؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ برہان الدین ابونصر پارساؒ متوفی 865ھ سے بھی رابطہ رکھا اور اکثر ان سے علمی موضوعات پر گفتگو ہوتی۔

اہل اللہ کے سوانح کا مطالعہ کرتے ہوئے اکثر ان کی ظاہری تعلیم کا تذکرہ پہلے آتا ہے جس کے بعد طریقت کا آغاز ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے ہاں روحانی تربیت کا ذکر مقدم ہو گیا۔ آپؒ کے ہاں معاملہ ہی کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ابتداء میں ہی راہ طریقت کی تعیین ہو گئی یعنی

تین سال کی عمر میں محبت وعقیدت کا پہلا سبق ملا تو پانچ سال کی عمر میں طریقت کے مکتبۂ نقشبند سے نسبت قائم ہوئی۔ مکتب طریقت میں طالبعلمی کا باقاعدہ دور مولانا سعد الدین کاشغریؒ سے بیعت کے بعد شروع ہوتا ہے جب حضرت مولانا جامیؒ ظاہری تعلیم مکمل کر چکے تھے۔

تحصیل علم

ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے والد سے حاصل کی۔ فرمایا کرتے' میں نے زبان اپنے والد سے سیکھی۔ ابھی چھوٹی عمر کے تھے کہ والد کے ہمراہ ہرات آئے اور مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں ماہر علوم عربی مولانا جنید اصولی سے عربی علوم کی بنیادی کتب کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ ابھی سن بلوغت کو نہ پہنچے تھے لیکن کتب کو سمجھنے کی استعداد رکھتے تھے' چنانچہ آخری درجہ کے طلبہ کے ساتھ تعلیم مکمل کی۔

ہرات کے بعد آپؒ نے سمرقند کا رخ کیا۔ صرف چالیس روز میں وہاں کے مشہور عالم خواجہ علی سمرقندی سے اسباق مکمل کئے جس کے بعد مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ یہاں کم عمر طالبعلم کے محققانہ سوال و جواب استاد کے لئے باعث حیرت ہوتے۔ کچھ ہی عرصہ بعد نئے استاد کی تلاش ہوئی تو سمرقند میں ہی قاضی زادہ روم کے مدرسہ کا رخ کیا۔ پہلی ملاقات میں ہی استاد اور شاگرد کے مابین طویل محققانہ بحث چل نکلی جس کے اختتام پر استاد کو نوجوان طالبعلم کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔

یہاں حضرت جیؒ کے تحصیل علم کے زمانہ کے ساتھ مماثلت نظر آتی ہے۔ حضرت جیؒ نے بھی کسی ایک استاد کے پاس بہت کم عرصہ گزارا تھا۔ مفتی

کفایت اللہؐ کے ساتھ حضرت جیؐ کے دلچسپ سوالات کی بھی کچھ یہی صورت تھی جو مولانا جامیؒ کے حالات میں نظر آتی ہے۔

قاضی زادہ روم نے فن ہیئت کی ایک کتاب پر تشریحات لکھ رکھی تھیں۔ حضرت مولانا جامیؒ روزانہ دو چار کی اصلاح کر دیتے۔ آپؒ نے یہ تصرفات جب قاضی زادہ روم کو دکھائیں تو یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ ان سے اتفاق کیا اور ممنون ہوئے۔ سمرقند کے اس مدرسہ میں قاضی زادہ روم نے علماء و فضلاء کے ایک سیمینار کا اہتمام کیا تو سب کے سامنے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی علمی قابلیت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

''جب سے سمرقند آباد ہوا ہے' جدت طبع اور قوت تصرف میں جام کے اس نوجوان کے پائے کا کوئی شخص دریائے آمو یہ (آمو) عبور کر کے اس پار نہیں آیا۔''

حضرت مولانا جامیؒ کا سمرقند میں مدرسہ الغ بیگ کے جس حجرہ میں قیام رہا' اس کے باہر آپؒ کی یاد میں ایک تختی آویزاں ہے۔ اس مدرسہ میں دائیں ہاتھ کے دوسرے حجرہ کی دیوار پر یہ لوح نظر آتی ہے:

''یہ جامی کا حجرہ رہا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کو علم کے میدان میں کسی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ آپؒ علوم ظاہری کے اکتساب کی خاطر مختلف علماء کے درس میں شریک ہوتے لیکن اس دوران اساتذہ سے محققانہ مباحث فرماتے اور طالبعلم کی بجائے ایک معاصر عالم نظر آتے۔ آپؒ نے ایک مرتبہ تحصیل علم کے بارے میں فرمایا:

''ہم نے کسی استاد کے سامنے ایسا سبق نہیں پڑھا کہ وہ ہم

پر غالب ہوا بلکہ ہر بحث میں ہمیشہ ہمارا پلہ ہی بھاری رہا یا کبھی برابر رہتے۔ کسی شخص کا بھی ہم پر استادی کا حق ثابت نہیں۔ درحقیقت ہم اپنے باپ کے شاگرد ہیں جن سے ہم نے زبان سیکھی۔''

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا تحصیل علم کا زمانہ بہت مختصر ہے جس میں آپؒ نے صرف' نحو' منطق' حکمت' ریاضی' فقہ' اصول فقہ اور قرأت میں ملکہ حاصل کیا۔ تفسیر قرآن اور حدیث کا مطالعہ کیا لیکن عمر بھر خود کو طالب علم سمجھا اور علم حاصل کرنے کی جستجو برقرار رہی۔ بلاد اسلامیہ میں اپنی مسلّمہ علمی حیثیت کے باوجود 61 سال کی عمر میں دمشق گئے تو وہاں کے شیخ الحدیث قاضی محمد حیفری سے احادیث سنیں اور سند حدیث حاصل کی۔ آپؒ نے اپنے اشعار میں بعض اہم کتب کا بطور خاص ذکر کرتے ہوئے ان کے مطالعہ کی بھی تلقین فرمائی ہے۔

فہم و فراست' علمی تبحر اور حاضر دماغی کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ بلا کے بذلہ سنج اور خوش مزاج تھے۔ ایک مرتبہ ہرات میں مولانا علی توشجی' جو اس دور کے معروف عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے' ایک عجیب و غریب گتھڑی لئے آپؒ کی محفل میں آئے اور شبہات دور کرنے کے بہانے فن ہیئت کے مشکل سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔ آپؒ نے ہر سوال کا ایسا ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ مولانا لاجواب ہو کر رہ گئے۔ جب کوئی سوال نہ رہا تو مولانا جامیؒ نے ازراہ مزاح کہا' مولانا آپ کی گتھڑی میں اس سے بہتر کوئی شے نہیں تھی۔ اس کے بعد مولانا علی توشجی اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے' اس دن مجھ پر یہ بات ایک بار پھر واضح ہو گئی کہ اس دنیا میں واقعی کسی نفس قدسی کا وجود ہے۔

نفس قدسی: نفس قدسی اصطلاح میں اس قوت کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ تفکر کی مدد کے بغیر ہی مختصر ترین مدت میں مشکل مسائل کو سمجھ لیا جائے۔ بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ملکہ اس لئے حاصل ہو جاتا ہے کہ معمولات سلوک عقل کے معاون ہوتے ہیں اور قوت مدرکہ کو بڑھاتے ہیں۔ اس وضاحت سے سلسلہ عالیہ کے احباب کے بارے میں اس حیران کن مشاہدے کی بھی توجیح مل جاتی ہے کہ وہ امور جنہیں حل کرنے کے لئے ایک وقت درکار ہوتا ہے' احباب سلسلہ کیونکر بہت سرعت سے نبٹا لیتے ہیں۔ یہ سلسلہ عالیہ سے تعلق کا نتیجہ ہے جس کا اثر روح کی تیز رفتاری پر ہی نہیں بلکہ عقل و دانش پر بھی مرتب ہوتا ہے۔

حضرت امیر المکرّم نے اس حقیقت کی انتہائی آسان فہم وضاحت فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس خوش نصیب کو ذکر و فکر کی بدولت برکات عطا ہوتی ہیں' اس کی عمر اور اس کے وقت میں بھی برکت آ جاتی ہے' اس کی صلاحیتوں میں بھی برکت آ جاتی ہے' اس کی قوت کار میں بھی برکت آ جاتی ہے' اس کے ہر کام میں برکت شامل ہوتی ہے' جس کے نتیجہ میں ایک عام شخص کی نسبت اس کی کارکردگی میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

روحانی تربیت:

حصول تعلیم کے دوران تعطیلات میں مولانا جامیؒ کا مطالعہ یا آموختہ سے کوئی سروکار نہ ہوتا اور آپؒ یہ وقت روحانی اشغال اور تفکر میں گزارتے۔ ان لمحات میں روحانیت کے اس پودے کی آبیاری کی جاتی جو کم سنی میں آپؒ کے دل میں جڑ پکڑ چکا تھا۔ علوم ظاہری کی تکمیل ہوئی تو قلبی کیفیات میں اضطراب اور بے چینی مزید بڑھنے لگی۔ ایک رات خواب میں

خود کو حضرت سعد الدین کاشغریؒ کے حضور پایا جو فرما رہے تھے جاؤ بھائی کوئی دوست دیکھ لو' تمہارے لئے یہ ناگزیر ہے۔

جن دنوں مولانا جامیؒ ہرات میں تھے' اکثر آپؒ کا گزر جامع مسجد ہرات کے سامنے سے ہوتا جہاں مولانا سعد الدین کاشغریؒ اپنے شاگردوں کے ساتھ نشست فرما ہوتے۔ آپؒ کو دیکھ کر مولانا کاشغریؒ فرمایا کرتے:

''اس شخص میں عجیب قابلیت ہے' ہم تو اس پر فریفتہ ہیں'
معلوم نہیں اسے کس طرح اپنی گرفت میں لائیں۔''

مولانا جامیؒ نے یہ خواب دیکھا تو سمرقند سے رخت سفر باندھا اور ہرات میں حضرت سعد الدین کاشغریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ کو آتے دیکھ کر مولاناؒ فرمانے لگے:

''شہبازے بچنگ ما افتادہ است''

شہباز ہمارے قبضے میں آ گیا۔

مولانا جامیؒ نے حضرت سعد الدین کاشغریؒ کی خدمت میں رہ کر خوب ریاضتیں اور مجاہدے کئے اور خرقۂ خلافت بھی پایا۔ کچھ عرصہ بعد مولانا جامیؒ کا حضرت سعد الدین کاشغریؒ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی بیٹی سے عقد ہو گیا اور اس طرح آپؒ مولانا کاشغریؒ سے روحانی رشتہ کے علاوہ رشتۂ قرابت میں بھی منسلک ہو گئے۔ خواجہ کلاں کی دوسری صاحبزادی کا عقد فخر الدین کاشفیؒ سے ہوا جنہیں آپؒ کے وصال کے نو سال بعد ''رشحات عین الحیات'' میں آپؒ کے حالات قلمبند کرنے کی سعادت ملی۔

ہم عصر اہل اللہ سے روابط

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا ہمعصر معروف روحانی شخصیات سے بھی

رابطہ رہا جن کا آپؒ نے سرسری تذکرہ فرمایا ہے۔ خواجہ شمس الدین کوسونیؒ (متوفی 863ھ) اس دور کے مشہور واعظ تھے۔ ان کی محافل میں مولانا جامیؒ کے شیخ مولانا سعد الدین کاشغریؒ خود بھی شریک ہوتے اور اپنے احباب کو بھی شرکت کی تلقین کرتے۔ صوفیا کے اس طرز عمل کے برعکس آج کوئی شخص کسی آستانے پر بیٹھ جائے تو اسے کسی اور شیخ کے پاس جانے کی اجازت نہیں ملتی خواہ لطیفۂ قلب پر توجہ دینے کی صلاحیت بھی نہ رکھتے ہوں۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ جب کبھی آپؒ خواجہ کوسونیؒ کی محفل میں شریک ہوتے، وہ فرمایا کرتے: آج ہماری محفل میں شمع فروزاں ہے اور ان کی زبان پر حقائق و معارف رواں ہو جاتے۔ کبھی کبھی حضرت مولانا جامیؒ مولانا جلال الدین یورانیؒ (متوفی 862ھ) کے ہاں بھی جایا کرتے۔

حضرت سعد الدین کاشغریؒ مولانا نظام الدین خاموشؒ کے خلیفہ تھے جن کا شجرۂ طریقت خواجہ بہاؤالحق نقشبندؒ سے ملتا ہے۔ اس طرح پانچ سال کی عمر میں مولانا جامیؒ کے دل میں خواجہ محمد پارساؒ کی زیارت سے سلسلہ نقشبندیہ کا جو بیج بویا گیا تھا، حضرت سعد الدین کاشغریؒ نے اس کی آبیاری کی۔ آپؒ کا یہ دور مجاہدات کا دور تھا لیکن ان کے وصال کے بعد حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی صحبت میں پہنچے تو روحانیت کا پودا برگ بار آور بنا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے قیام ہرات کے دوران حضرت شیخ بہاؤالدین عمرؒ (متوفی 857ھ) سے بھی اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کی رہائش ہرات کے قریب ایک گاؤں میں تھی۔ جو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، وہ دریافت کرتے، کیا خبر ہے؟ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق جواب دیتا۔ مولانا جامیؒ سے پوچھا، کیا خبر لائے ہو تو آپؒ نے جواب دیا، کچھ نہیں۔

راستے میں کیا دیکھا، کچھ نہیں۔ فرمانے لگے:

"جو بھی درویش کے پاس آئے، اسے ایسے ہی آنا چاہیے کہ نہ تو اسے شہر کی خبر ہو، نہ وہ راستے میں کسی شے پر دھیان دے۔"

پھر یہ شعر پڑھا جو اکثر حضرت جیؒ کی زبان مبارک سے بھی سنا گیا:

دلارامی کہ داری دل در اوبند
دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

وہ محبوب جس سے تمہارے دل کو سکون پہنچتا ہے، خود کو اس کے ساتھ پابند کر لو اور تمام عالم سے اپنی آنکھیں بند کر لو۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے نسبت

مولانا سعد الدین کاشغریؒ کا وصال 840ھ میں ہوا۔ اس دور میں حضرت مولانا جامیؒ کے جن دیگر روحانی شخصیات سے روابط تھے، ان کے وصال کا زمانہ 857ھ سے 864ھ تک ہے۔ مرو کے مقام پر حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے آپؒ کی ملاقات 865ھ میں ہوئی۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے قبل آپؒ کی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی لیکن یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس ملاقات کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات میں کسی اور بزرگ سے ملاقات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ گویا حضرت خواجہ احرارؒ سے ملاقات کے بعد مولانا جامیؒ کو کسی اور بزرگ سے روحانی فیض کی احتیاج ہی نہیں رہی۔

کتب سیر میں اکثر مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے چار ملاقاتوں کا تذکرہ ملتا ہے جو آپؒ کے سفر حج سے پہلے دور کی ہیں۔ ایک مرتبہ

آپؒ شیخؒ سے ملاقات کے لئے مرو گئے' جب حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ خراساں تشریف لائے تھے۔ شیخؒ سے ملاقات کیلئے آپؒ دو مرتبہ سمرقند گئے اور ایک مرتبہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ خود ہرات تشریف لائے اور ایک شب قیام فرمایا۔ حضرت خواجہ احرارؒ نے جس کمرہ میں قیام فرمایا تھا' ہرات میں اس وقت بھی وہ اصل حالت میں محفوظ ہے۔ مولانا جامیؒ کے سفائر میں سفر تاشقند کا بھی ذکر ملتا ہے' چنانچہ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ ان مشائخ کی باہم ملاقاتوں کی تعداد چار سے بھی زائد ہو۔

ان ملاقاتوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے مولانا ابوسعید اوبہیؒ لکھتے ہیں:

''اکثر اوقات خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کے مابین صحبت میں سکوت طاری رہتا اور گاہے حضرت خواجہ احرارؒ کوئی ارشاد بھی فرماتے۔ ایک مرتبہ مولانا جامیؒ نے ''فتوحات'' کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس کتاب کے بعض مقامات پر آپ اشکال محسوس کرتے ہیں جو مطالعہ اور غور و فکر سے حل نہیں ہو رہے۔ مولانا جامیؒ نے اجازت طلب کرنے کے بعد متعلقہ عبارت پیش کی تو حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے فرمایا' کتاب بند کر دیں۔ اس کے بعد انہوں نے اسرار و معارف پر مبنی طویل کلام فرمایا اور آخر میں مولانا جامیؒ سے کہا کہ اب کتاب کھول کر دیکھیں۔ آپؒ نے کتاب کھول کر عبارت دیکھی تو تمام اشکال رفع ہو چکے تھے۔''

حضرت خواجہ احرارؒ سے مولانا جامیؒ کی صرف چند ملاقاتوں کے تذکرہ سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ تربیت کے لئے شاید آپؒ کو شیخ کی طویل صحبت نصیب نہ ہوئی۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مولانا ابوسعید اوبہیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ احرارؒ کی خدمت میں مولانا جامیؒ حاضر ہوتے تو کم و بیش پندرہ روز مسلسل قیام ہوتا۔

خط و کتابت

مرو کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے فخر الدین کاشفیؒ ''رشحات عین الحیات'' میں رقمطراز ہیں:

''یہ بات مخفی نہیں رہی کہ اس ملاقات سے قبل اور بعد حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کے مابین کثرت سے خط و کتابت رہی اور شیخؒ کے ساتھ آپؒ کی ارادت و خلوص آپؒ کی نظم و نثر' دونوں سے عیاں ہے۔''

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی خدمت میں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے خطوط تاریخ تصوف کا حصہ بن چکے ہیں۔ ان خطوط میں سے بطور نمونہ دو مختصر ترین خطوط فارسی عبارت اور ترجمہ کے ساتھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ تاریخ تصوف کے دو عظیم نام ہیں' لیکن مولانا جامیؒ جب اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں تو شیخ سے انتہائے عقیدت' اپنی ذات کی تحقیر اور عجز و نیاز کی جو تصویر فارسی کے الفاظ سے ہویدا ہوتی ہے' اس کا اندازہ محض ترجمہ سے نہیں لگایا جا سکتا۔ پاس ادب حال دل کہنے میں مانع ہے' جذبات کا سمندر ہے لیکن اظہار کے لئے معدودے چند الفاظ سے زائد کچھ کہنے کی ہمت نہیں پاتے۔ اسے دیکھتے ہوئے آج شیخ کے

حضور ہمارا بے باکانہ انداز گفتگو نہ صرف بے ادبی بلکہ گستاخی کے زمرہ میں آتا ہے اور یقیناً اصلاح طلب ہے۔

رقعہ اولیٰ

بعد از رفع نیاز عرضہ داشت

این بیچارہ گرفتار آنکہ گاہی میخواہم کہ گستاخی کردہ از خرابی احوال خود نسبت بملازمان آستانہ اندکی اعلام کنم لیکن می ترسم کہ از خرابی کہ حال ایں فقیر ست موجب ملالت آن باریافتگان نشود ''ذکر الوحشۃ وحشۃ'' بہر جا کہ ہست از روی آن میباشد کہ نظر بخرابی ایں درماندہ کنند طریقہ ترحم کہ از اخلاق کرامت نسبت باین ضعیف مرعی دارند سبب گرفتاری خود جز آں نمیدانم کہ بیت ''ہر کرا دیواز کریمان وابرد بیکشش سازد سرش راواخرد''۔

والسلام والاکرام

ترجمہ

نیاز کے بعد عرض ہے کہ یہ بیچارہ اس چیز میں گرفتار ہے کہ کبھی چاہتا ہوں کہ گستاخی کرتے ہوئے اپنے احوال کی خرابی کی تھوڑی سی نسبت کا اظہار آپ کے آستانہ کے ملازمان کی طرف کروں لیکن ڈرتا ہوں کہ حال کی خرابی جو اس فقیر میں ہے کہیں ان انعام یافتہ لوگوں کے ملال کا سبب نہ بن جائے۔ کیونکہ وحشت کا ذکر بھی وحشت ہے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہے اس سے مدعا یہ ہے کہ آپ اپنے کریمانہ اخلاق کے طریقہ ترحم کی نسبت سے جو آپ اس کمزور کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے رکھتے ہیں' اس درماندہ کی خرابی کے حال پر توجہ فرمائیں۔ میں اپنی گرفتاری کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

جس شخص کو شیطان کریم لوگوں سے دور لے جاتا ہے
اس کے سر کو عقل سے خالی کر دیتا ہے اور اس کو ختم کر دیتا ہے

والسلام والاکرام

رقعہ ثانی

عرضہ داشت آنکہ اشتیاق و آرزومندی عتبہ بوسی بسیارست ہرچند باخود میگویم مصرعہ این کار دولت ست کنون تا کرا رسد لیکن ہوائے آنکہ خود را بران آستان بیند بسیار است امید از الطاف بی نہایت حق سبحانہ آنکہ این فقیر بے بال و پر دبی ہمت و قدم را بمحض عنایت قدمی روزی گرداند ناہر چہ گونہ کہ باشد از مضیق حبس خودی نجات یافتہ متوجہ آستان بوسی توانم شد۔

والسلام

ترجمہ

عرض ہے کہ آپ کی چوکھٹ کو بوسہ دینے کا بہت شوق اور آرزو ہے۔ اگرچہ اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ یہ کام وسائل کا ہے' پتہ نہیں کب تکمیل کو پہنچے لیکن خواہش یہ ہے کہ

اپنے آپ کو آپ کے آستان پر دیکھوں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ
کی بے انتہا مہربانی سے' جو اس بے بال و پر اور بے ہمت پر
ہے' یہ امید رکھتا ہوں کہ محض اپنی عنایت سے کسی روز پہنچا
دے تا کہ تنگی حبس سے نجات حاصل کر کے آپ کے آستان
کو بوسہ دینے کی طرف توجہ حاصل کر سکوں۔

والسلام

ان ملاقاتوں اور خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ کے ساتھ ساتھ حصول فیض کا اصل ذریعہ نسبت اویسیہ تھی جو ملاقاتوں اور ظاہری روابط کی محتاج نہیں۔ یہ نسبت جب ایک مرتبہ نصیب ہو جائے تو حصول فیض میں عدم ملاقات سے بشرط عقیدت کوئی انقطاع واقع نہیں ہوتا۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی جو روحانی اور فکری تربیت فرمائی' اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ نے اپنے شیخ کے حوالے سے طریقت کے جو اصول و مبادی مدون فرمائے' وہ اگرچہ 'نفحات الانس' کے چند صفحات پر محیط ہیں لیکن ان میں طریقت و معرفت کے وہ سمندر پنہاں ہیں کہ ان میں غوطہ زنی کے لئے عمریں درکار ہیں۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی بے پناہ عقیدت آپؒ کی شاعری میں جابجا نظر آتی ہے۔ آپؒ نے ان کے لئے ''استاذ'' اور ''مخدوم'' کے القاب استعمال کئے ہیں۔ تحفۃ الاحرارؒ کا انتساب ہی حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے نام پر ہے۔ آپؒ نے اس میں حضرت خواجہؒ سے اپنی ملاقاتوں اور ان میں طے کردہ مراحل سلوک کا ذکر کیا ہے۔ یہ نظم شیخ کے ساتھ محبت و ارادت کی ایک وجدانی کیفیت میں لکھی گئی ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اس مثنوی کے آغاز میں سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی وابستگی کا بڑے واشگاف الفاظ میں اظہار کرتے ہیں اور اس سلسلہ کے بانی خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کی مدح و منقبت بیان کرتے ہیں۔

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند — نوبت آخر بہ بخارا زوند
از خط آن سکہ نشد بہرہ مند — جز دل بی نقش شہ نقشبندؒ

وہ سکہ جس کا ٹکسال یثرب و بطحا میں ہے' آخر کار وہ اب
بخارا سے جاری ہوتا ہے۔ اس سکے کی سند کوئی نہیں سوائے
اس دل کے جس پر شہ نقشبند کا نقش ہو۔

آخر میں اپنے شیخ حضرت خواجہ ناصر الدین احرارؒ کے تذکرہ کے ساتھ اپنی اس نظم کا اختتام کرتے ہیں۔

زد بجہاں نوبت شاہنشہی — کوکبۂ فکر عبید اللہی
آنکہ ز حریت فقر آگہست — خواجہ احرار عبید اللہست

دنیا میں شاہنشاہی کا ڈنکا بجایا فکر عبید اللہ کے ستارے نے
وہ جو حریت فقر سے آگاہ ہے' وہ خواجۂ احرار عبید اللہ ہے

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے وصال پر آپؒ نے سات بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ کہا جس کا ہر لفظ شیخ سے گہری عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ خلوت و جلوت میں اپنے شیخ کا اس قدر تذکرہ فرماتے کہ آپؒ کے کمسن صاحبزادے ضیاؤالدین یوسف کے ننھے سے دل میں بھی حضرت خواجہؒ کی شخصیت نقش تھی۔ پانچ سال کی عمر میں انہیں آپؒ کا ایک خادم کندھے پر بٹھا کر مجلس میں لایا تو صاحبزادہ نے معصومانہ انداز میں بے ساختہ اس حسرت کا اظہار کیا:

''بابا' میں نے خواجہؒ کو نہیں دیکھا۔''

آپؒ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''تم نے حضرت خواجہؒ کو دیکھا تھا لیکن تمہیں یاد نہیں' تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔''

سفر حج

877ھ میں جب مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی عمر 60 سال ہونے کی تھی' آپ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی طرح حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ بھی حاجت مندوں کے مسائل حل کرنے کے لئے امراء اور حکمرانوں کو اکثر سفارشی رقعات لکھ دیا کرتے۔ احباب کو پتہ چلا تو آپؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حج پر نہ جائیں کیونکہ یہاں رہتے ہوئے آپؒ کی بدولت غریبوں کے کام سنور جاتے ہیں اور کسی ایک کی تکلیف رفع کرنے پر حج پیدل کا ثواب ملتا ہے۔ آپؒ طویل عرصہ کے لیے چلے گئے تو لوگوں کے کام رک جائیں گے۔ آپؒ نے شگفتہ مزاجی سے فرمایا:

''ہم پیدل حج کرتے کرتے تھک چکے ہیں' اب ایک سواری حج بھی ہو جائے۔''

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ حج بیت اللہ اور مزارات مقدسہ کی حاضری کے لئے روانہ ہوئے اور قریباً دو ماہ بعد بغداد پہنچے تو وہاں شیعہ فرقہ کے بعض شر پسند جہلا نے آپؒ کی منظوم کتاب ''سلسلہ الذہب'' کے چند اشعار کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اس طرح غلط معنی پہنائے جس سے حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فرق آتا تھا۔ بغداد میں اس ٹولہ نے خوب زہر فشانی کی اور آپؒ کے احباب کو تعصب کا نشانہ بنایا۔ قیام بغداد کے دوران یہ لوگ طعن

وتشنیع سے باز نہ آئے اور آپؒ کے قافلہ میں شریک احباب کو شر انگیز باتوں سے تنگ کرتے۔ آخر ایک روز بغداد کے ایک بڑے مدرسہ میں فریقین کے مابین ایک مجلس مباحثہ کا انتظام ہوا جس کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے اور حضرت جیؒ کے مناظروں کی سی صورت یہاں بھی نظر آتی ہے۔

مباحثہ میں جب ''سلسلہ الذہب'' سے پوری تمثیل پڑھی گئی تو حقیقت حال سامنے آئی اور حاضرین مجلس کے سامنے رافضیوں کی سازش بے نقاب ہوئی۔ حضرت مولانا جامیؒ نے موقع کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رافضیوں کے سردار نعمت اللہ حیدری کو للکارا کہ تم شرعی نقطہ نظر سے بات کرنا چاہتے ہو یا طریقت کی بنیاد پر؟ اس نے جواب دیا ''دونوں طرح سے۔'' آپؒ نے فرمایا: ''اٹھو اور شرعی طریقے سے اپنی مونچھوں کے بال درست کرو جو تم نے کئی مدت سے نہیں کٹوائے۔'' یہ فرمانا تھا کہ آپؒ کے حامی لپکے اور اس کی آدھی مونچھیں قینچی آنے تک عصا پر رکھ کر چھری سے کاٹ دیں۔ جب اس کی تمام مونچھیں کٹ چکیں تو آپؒ نے فرمایا:

''چونکہ یہ کام تو نے اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دیا' اہل طریقت کی نظر میں از روئے طریقت تو مردود ہے اور لباس فقر تجھ پر حرام ہے۔ اب تجھے شیخ وقت کے پاس جانا چاہیے تاکہ وہ تیرے حق میں فاتحہ تکبر کہے۔''

مباحثہ میں موجود حکام نے بھی اس شخص کو برا بھلا کہا اور اس کی شرارت پر یہ سزا دی کہ گدھے پر الٹا سوار کیا اور شہر کے اطراف میں گھمایا۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے قریباً چار ماہ بغداد میں قیام فرمایا لیکن اس دوران روافض کی شرارتوں سے نالاں رہے۔ وقت رخصت جو

رباعی کہی وہ آپؐ کے ان جذبات کی عکاسی کرتی ہے۔فرماتے ہیں:

بکشای ساقیا بلب شط سر سبوئ　　درخاطرم کدورت بغدادیاں بشوی

اے ساقی! صراحی کا منہ شط یعنی نہر کے کنارہ پر کھول دے اور میرے دل سے بغداد والوں کی کدورت دھودے۔

مہرم بلب نہ از قدح می کہ ہیچ کس　　زابنائے ایں دیار نیرزد بگفت وگوی

میرا منہ جام مئے کی وجہ سے بند نہیں بلکہ شہر کے رہنے والوں میں کوئی ایک بھی بات کے قابل نہیں۔

از ناکساں وفا و مروت طمع مدار　　از طبع دیو خاصیت آدمی مجوی

وفا ومروت کو توڑنے والوں سے امید نہ رکھ اور دیو کی طبیعت رکھنے والے میں خصلت انسان تلاش نہ کر

در راہ عشق زہد وسلامت نمی خرند　　خوش آنکہ باجفاوملامت گرفت خوی

راہ عشق میں درویشی اور سلامتی نہیں خریدا کرتے بلکہ وہ لوگ اچھے ہیں جو ملامت اور جفا سہنے کے خوگر ہو چکے ہیں۔

جامی مقام راست رواں نیست ایں زمین　　برخیز تا نہیم بسوئ حجاز روی

جامی یہ زمین سیدھی راہ چلنے والوں کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں اٹھ کہ حجاز کی طرف رخ کریں۔

سفر کا آغاز کیا تو آقائے نامدارﷺ کے حضور اپنی مشہور نعت کہی جس کا مطلع ہے:

محمل رحلت بہ بند اے ساربان کز شوق یار
می کشد ہردم برویم قطرہ ہائے خون قطار

اے ساربان! روانگی کیلئے محمل باندھ لو کہ اب دوست سے

ملنے کا شوق مجھے ہر وقت خون کے آنسو رلاتا ہے۔

مدینہ شریف میں قیام کے دوران چند نعتیہ بند کہے جن کا مطلع یہ ہے:

ماء معین چیست خاک پائ محمد (ﷺ)
حبل متین ربقہ ی ولای محمد (ﷺ)

ستھرا پانی' جنت کا پانی' کیا ہے؟ محمد ﷺ کی خاک پاء'
حبل متین محمد ﷺ کی محبت کا پٹہ ہے۔

ادائیگی حج کے بعد دل میں روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کی تڑپ پیدا ہوئی تو آپؐ کی زبان پر وہ مشہور نعت جاری ہوگئی جس کا ہر شعر عشق نبوی ﷺ کی لاجواب تصویر ہے۔

کعبہ رفتم ازاں جاہو ای کوی تو کردم
جمال کعبہ تماشا بیاد روی تو کردم

کعبہ پہنچا تو وہاں تیری گلی کی خواہش کی اور جمال کعبہ کا دیدار میں نے تیرے رخ انور کی یاد میں کیا۔

شعار کعبہ چو دیدم سیاہ دست تمنا
دراز جانب شعرِ سیاہِ موی تو کردم

جب میں نے سیاہ خلاف کعبہ دیکھا تو میں نے تیری زلف سیاہ کی طرف دست تمنا بڑھادیا۔

چو حلقۂ در کعبہ بصد نیاز گرفتم
دعاء حلقہء گیسوء مشک بوی تو کردم

جب میں نے در کعبہ کے گھیرے کو بڑی عاجزی کے ساتھ تھاما تو میں نے تیرے مشک بو گیسو کے حلقہ کے لئے دعا کی۔

نہادہ خلق حرم سوی کعبہ روی ارادت
من از میانِ ہمہ روے دل بسوی تو کردم

زائرین حرم نے اپنی ارادت کا رخ کعبہ کی طرف کیے رکھا لیکن سب کے درمیان میرے دل کا رخ تیری کی طرف رہا۔

مرا ہیچ مقامی نبود غیر تو کامی
طواف و سعی کہ کردم بجست و جوی تو کردم

کسی بھی مقام پر تیرے سوا میری کوئی غرض نہ تھی' میں نے طواف و سعی بھی کی تو تیری ہی تلاش میں کی۔

بموقف عرفات ایستادہ خلق دعا خوان
من از دعا لب خود بستہ گفت و گوی تو کردم

مقام عرفات پر مخلوق کھڑی ہوئی دعا مانگ رہی تھی تو میرے لبوں پر دعا کی بجائے تیری ہی گفتگو تھی۔

فتادہ اہل منیٰ در پی منیٰ و مقاصد
چوں جامی از ہماں فارغ من آرزوی تو کردم

منیٰ میں لوگ مناسک منیٰ ادا کر رہے تھے لیکن میں ان سے الگ جامی کی طرح تیری آرزو میں مگن تھا۔

فریضہ حج ادا ہو چکا تھا اور اب دل روضۂ اطہر ﷺ کی زیارت کے لئے تڑپ رہا تھا۔ دوبارہ مدینہ شریف کی حاضری سے مشرف ہوئے اور براستہ شام واپسی کا سفر شروع ہوا۔ مولانا جامیؒ براہ راست ہرات جانا چاہتے تھے لیکن والیٔ آذربائیجان کی درخواست پر تبریز تشریف لے گئے۔ یہاں کے لوگوں کی مہمان نوازی اور عقیدت و محبت کے جواب میں ایک ماہ تبریز میں ہی

قیام فرمایا جس کے بعد خراسان واپس ہوئے اور 13 شعبان 878ھ کو ہرات پہنچے۔ اس طرح یہ سفر قریباً ایک سال پر محیط ہے۔

اس سفر کے دوران سلطنت عثمانیہ کے بادشاہ سلطان محمد فاتح اور مصر کے بادشاہ ملک الاشراف نے اپنے زیر نگین ریاستوں میں فرمان جاری کر دیئے کہ حضرت مولانا جامیؒ جس جگہ تشریف لے جائیں' آپؒ کے لئے شاہی اکرام کا اہتمام کیا جائے۔ سلطان محمد فاتح نے اپنا قاصد بھیجا کہ آپؒ روم تشریف لائیں تا کہ ان ممالک کے لوگ بھی فیض یاب ہوں لیکن قاصد کی آمد سے قبل ہی آپؒ حلب کے راستے تبریز پہنچ چکے تھے۔

حضرت مولانا جامیؒ کے سفر حج کا آغاز 16 ربیع الاول 817ھ کو ہوا جو 13 شعبان 878ھ کو اختتام پذیر ہوا۔ اس طرح یہ سفر قریباً ایک سال 5 ماہ پر محیط ہے۔ اس سفر کی تاریخ وار تفاصیل علی اصغر حکمت کی تالیف ''جامی'' اور آپؒ کے ہم زلف فخر الدین کاشفیؒ کی تالیف ''رشحات عین الحیات'' میں دی گئی ہیں۔ آپؒ کے حالات زندگی میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سفر حجاز کا تذکرہ نہیں ملتا۔

مولانا جامیؒ کے سفر حج کے بارے میں آپؒ کے شاگرد مولانا لاریؒ کے حوالے سے ان میں سے کچھ تفاصیل 'نفحات الانس' کے حواشی میں بھی ملتی ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں۔ اسی کتاب کے مترجم مولانا محمد ادریس انصاریؒ نے ترجمہ کرتے ہوئے مولانا محمد زکریاؒ کے حوالے سے ایک مختلف روایت بھی نقل کی ہے کہ مولانا جامیؒ حج کے بعد مدینہ شریف نہیں گئے بلکہ واپس آ گئے تا کہ دوبارہ روضہ اطہر کی زیارت کی نیت سے مدینہ شریف جائیں۔ دوسری مرتبہ عمرہ کے بعد روانہ ہوئے تو اس روایت کے مطابق آپؒ کو مدینہ آنے سے روک دیا گیا

کیونکہ آپؒ نے مشہور مثنوی ''زمہجوری برآمد جان عالم' ترحم یا نبی اللہ ترحم'' کو روضہ اطہر پر پڑھنا تھا اور اگر ایسا ہو جاتا تو روضہ اطہر سے مصافحہ کے لئے دست اقدس نمودار ہوتا۔ یہ مثنوی مولانا جامیؒ کی مشہور کتاب ''یوسف زلیخا'' کے شروع میں درج ہے اور بہت شہرت کی حامل ہے لیکن 'نفحات الانس' کے مترجم نے اس کا جو پس منظر بیان کیا ہے' اس کی تائید میں کوئی تاریخی روایت نہیں ملتی۔ واللہ اعلم!

امراء وسلاطین کی عقیدت

سفر حج کے دوران مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا گزر جس ریاست سے بھی ہوا' وہاں کے سلاطین اور امراء نے آپؒ کے اکرام خاص میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ والئی روم کا طائفہ آپؒ کو مدعو کرنے کے لئے دمشق پہنچا تو آپؒ حلب جا چکے تھے۔ اطلاع ملی کہ شاہی طائفہ لینے آ رہا ہے تو اس شاہانہ مہمان نوازی سے بچنے کے لئے حلب میں قیام مختصر کرتے ہوئے تبریز چلے گئے۔ حلب سے آپؒ کا قافلہ روانہ ہوا تو تین سو سواروں کا دستہ' سلطان کے اقربا اور درباری امراء آپؒ کی مصاحبت کے لئے ساتھ چل رہے تھے۔ والئ تبریز نے آپؒ کے قیام میں توسیع کی درخواست کی تو اپنی ضعیف والدہ کی خدمت کا بتا کر خراسان روانہ ہو گئے۔ عقیدت مندوں کا شوق زیارت روز افزوں تھا لیکن آپؒ اس تزک واحتشام سے بھاگنا چاہتے تھے۔

ہرات پہنچے تو والئ خراسان اس وقت مرو میں تھا۔ وہاں سے آپؒ کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا جو ایک طرح سے سپاس نامہ تھا۔

اَهْلاً بِمَقْدَمِكَ الشَّرْفِ كَأَنَّهُ
فَرَحُ الْقُلُوْبِ وَنُزْهَتُهُ الْاَرْوَاحُ

ہمارے لئے آپ کی تشریف آوری بہت بڑا شرف ہے۔
یہ دلوں کی خوشی اور ارواح کی پاکیزگی ہے۔

مولانا جامیؒ کا سفر حج ایک سال سے زائد عرصہ پر محیط تھا۔ عرصہ دراز بعد ضعیف والدہ کی زیارت ہوئی تو واپسی پر جو غزل کہی اس کا مطلع اس موقع پر آپؒ کی خوشی کا عکاس ہے۔

للہ الحمد کہ بعد از سفر دور دراز
میکنم بار دگر دیدہ بدیدار تو باز

اللہ کا شکر کہ دور دراز کے سفر کے بعد میں اپنی آنکھ کو دوبارہ آپ کے دیدار سے کھول رہا ہوں۔

اس غزل کے مقطع میں سفر حرمین کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

جامی از شوق مقام تو نوائی کہ زند
بہر عشاق رہ راست بود سوی حجاز

جامی آپ کے مقام شوق کے بارے میں کہا جاتا ہے
عاشقوں کا سیدھا راستہ حجاز کی طرف جاتا ہے۔

سفر حج کے دوران امراء وسلاطین نے جس طرح مولانا جامیؒ کی تکریم فرمائی اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہان وقت کے ہاں آپؒ کی عزت و مرتبت کا کیا عالم تھا۔ شاہ تبریز نے آپؒ کے عزت واحترام اور مہمان نوازی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ واپس لوٹے تو شاہ کے بعد اس کے بیٹے یعقوب اور درباریوں سے بھی بہت اچھے تعلقات رہے جس کا آپؒ نے ایک مثنوی میں تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ ایران کے مغرب میں ترکمان سلاطین حضرت مولانا جامیؒ

کی انتہائی عزت وتکریم کرتے اور ایشیائے کوچک کے سلاطین بھی آپؒ سے تعلق کو باعث افتخار جانتے۔

بین الاقوامی سطح پر شاہان وقت سے تعلقات کے باوجود آپؒ کے مزاج میں تفاخر کا نام ونشان نہ تھا بلکہ انتہائی منکسر المزاج تھے۔ ہرات میں سلطان بالقیرا نے ایک مدرسہ تعمیر کرایا تو اس کے افتتاح کے لئے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے درخواست کی گئی۔ افتتاح کے موقع پر مدرسے کے صحن میں ایک بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا گیا۔ حسب مراتب نشستوں کی ترتیب دی گئی جن کے درمیان میں صدر مقام تھا جہاں تخت پر سلطان کے ہمراہ حضرت مولانا جامیؒ کے لئے نشست سجائی گئی اور اطراف میں شہزادوں اور وزراء کی نشستیں تھیں۔ آپؒ وقت مقررہ پر مدرسے کے ایک عام دروازے سے تشریف لائے اور زیریں حصہ میں، جسے سجایا بھی نہیں گیا تھا، زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپؒ سے مقررہ نشست پر آنے کے لئے کہتا۔ سلطان بالقیرا، شہزادگان اور وزراء صدر مقام چھوڑ کر آپؒ کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے۔ اس وقت صورت یہ تھی جس جگہ کو بطور صدر مقام سجایا گیا تھا، وہاں عام لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور مدرسے کا زیریں حصہ، جہاں حضرت مولانا جامیؒ، سلطان، شہزادوں اور وزراء کے جلو میں تشریف فرما تھے، صدر مقام نظر آ رہا تھا۔

تصانیف

حضرت مولانا جامیؒ کی تصانیف کی تعداد ایک فہرست کے مطابق 45 ہے جو ان کے قریبی عہد میں کتب کے ناموں کے ساتھ مرتب کی گئی۔ آپؒ کے شاگرد مولانا عبدالغفور لاریؒ نے اس میں تین اور کتب کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت جامیؒ جس کتاب کی تصنیف اور رسالے کی ترتیب میں مصروف ہوتے، اسے تھوڑی ہی مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے۔''

یہ کمال حضرت جیؒ کے ہاں بھی بدرجہ اتم دیکھا گیا ہے جس کا تذکرہ ''حیات طیبہ حصہ اول'' میں گزر چکا ہے۔

مولانا جامیؒ کی تصانیف نے آپؒ کی زندگی میں ہی مختلف ممالک میں مقبولیت حاصل کر لی۔ آپؒ کا سلاطین وقت سے قریبی تعلق تھا۔ ترکی سے ہندوستان اور سمرقند سے تبریز تک سلاطین اور علماء وفضلاء سے خط وکتابت فرماتے اور وہ لوگ آپؒ کی کتب کے طلب گار رہتے۔ اس طرح آپؒ کی کتب بیرون ممالک پہنچیں اور وہاں کے خوشنویس حضرات نے ان کی متعدد کاپیاں تیار کیں۔ اس وقت ایشیاء اور یورپ کے کتب خانوں میں آپؒ کی کتب کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

آپؒ کی مشہور مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' کا ایک قلمی نسخہ جو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے 1313ھ میں انتہائی خوبصورت خطاطی میں تحریر فرمایا تھا، پاکستان میں اس وقت سلسلہ عالیہ کے مرکز دارالعرفان (چکوال) کی لائبریری میں موجود ہے۔ آپؒ کی کتب کی اشاعت بین الاقوامی سطح پر بشمول ایران، روس، افغانستان، لندن اور ہندوستان میں ہوئی اور مستشرقین نے انہیں اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ صرف برصغیر میں آپؒ کی کتاب ''یوسف زلیخا'' کے پچاس ایڈیشن شائع ہوئے جبکہ منظوم ومنثور تراجم کی تعداد نو ہے۔ مثنوی یوسف زلیخا کے انگریزی اور جرمنی تراجم لندن اور وی آنا سے شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح مثنوی لیلیٰ مجنوں کے فرانسیسی، جرمنی اور انگریزی زبان میں تراجم بھی

شائع ہوئے۔ آپؒ نے ''شرح اصطلاحات صوفیہ'' بھی تصنیف فرمائی۔
حضرت مولانا جامیؒ ان کتب کا مقصد تصنیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تصوف پر ہم نے اس لئے لکھنا شروع کیا کہ ابتدائے حال میں جب ہم نے صوفیا کے اقوال کا مطالعہ شروع کیا تو ان کی عبارات سے ان کا مقصد سمجھنا ہمارے لئے بے حد دشوار تھا۔ ہم نے منت مانی کہ اگر ہم پر یہ دروازہ کھل جائے تو ہم صوفیاء کے مقاصد اس طریقے سے بیان کریں گے کہ لوگ بسہولت سمجھ سکیں۔''

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات لکھتے ہوئے اپنے بارے میں لکھا:

''یہ فقیر ہمیشہ ان کی منظوم و منثور تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کلام حقیقت انتظام کی برکت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ یہ کتاب (سفینۃ الاولیا) لکھ رہا ہوں تو یہ سب ان ہی کی شاگردی اور تتبع کا حاصل ہے۔''

حضرت مولانا جامیؒ کی تصانیف کے ضمن میں امیر علی شیر نوائی کے نام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بہت سی کتب اس علم دوست امیر کے ایما پر لکھی گئیں۔ آپؒ نے اپنی کتب میں امیر علی شیر نوائی کا تذکرہ بہت احترام سے کیا ہے۔ یہ خود بھی صاحب دیوان شاعر تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کے وصال پر اس نے سات بندوں میں ستر اشعار پر مشتمل ایک طویل اور پرسوز مرثیہ اور آپؒ کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔

حضرت مولانا جامیؒ کی کتب کا مرکزی موضوع اگرچہ تصوف ہے لیکن

آپؒ نے متنوع موضوعات کا احاطہ کیا جن میں تفسیر، فقہ، حدیث، اخلاق، صرف و نحو اور فن معمہ گری بھی شامل ہیں۔ آپؒ نے ابتدائے قرآن سے سورۃ بنی اسرائیل کے وسط تک تفسیر قرآن لکھی۔ اس کے علاوہ سورۃ یٰسین اور تیسویں پارے کی سورۃ نبا اور سورۃ الم نشرح کی تفسیر بھی لکھی۔ آپؒ کی بہترین تصانیف میں ''شواہد النبوۃ'' اور نفحات الانس من نفوس القدس'' شامل ہیں۔ مؤخر الذکر آپؒ کے زمانہ تک 616 اولیاء کرام کے حالات پر انسائیکلوپیڈیا کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب پر آپؒ کے شاگرد مولانا عبدالغفور لاریؒ نے مفصل حاشیہ بھی تحریر کیا ہے۔

آپؒ کی ایک اور مشہور کتاب ''سلسلۃ الذہب'' تین الگ حصوں میں ہے۔ حصہ اول میں آپؒ نے عقائد پر مبنی ایک خصوصی نظم ''عقائد نامہ'' شامل کی ہے جس میں حضرت امام ابوالحسن اشعریؒ کے عقائد کی ترجمانی کی گئی ہے۔ یہ عقائد نامہ، حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے صاحبزادے کی فرمائش پر لکھا گیا جن کا تذکرہ مولانا جامیؒ ''خواجہ زادہ'' کے لقب سے کرتے ہیں۔ حضرت جیؒ نے اپنی آخری تقریر میں فرمایا تھا کہ عقائد میں ہم امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد ہیں اور حضرت مولانا جامیؒ نے سلسلۃ الذہب میں یہی عقائد بیان کئے جو اکثر صوفیا اور جماعت اہلسنت کا مسلک ہے۔

آپؒ کی ایک اور مشہور مثنوی ''تحفۃ الاحرار'' کے نام سے موسوم ہے جس کا اختتام اپنے شیخ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی دعا کے ساتھ ہے۔ مثنوی ''سبحۃ الابرار'' میں تصوف کو جو اہل جذب و حال کا طریقہ ہے، اہل کلام کے مذہب پر، کہ وہ لوگ قیل و قال کے پابند ہیں، ترجیح دی ہے۔ آپؒ فلاسفہ کے مذہب کو صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا قرار دیتے ہیں۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں میں اپنے صاحبزادے ضیاؤ الدین یوسف کو اتباع شریعت کی نصیحت کرتے ہوئے

فرماتے ہیں' رہ نیست جز آنکہ مصطفٰے رفت۔ یعنی حضور ﷺ کے راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی جملہ کتب کا تعارف یہاں ممکن نہیں۔ تمام کتب بین الاقوامی شہرت کی حامل ہیں' دائمی افادیت رکھتی ہیں اور تاریخ تصوف کا مستقل حصہ بن چکی ہیں۔ افسوس کہ گذشتہ دور کے علما و فضلاء اور سلاطین کی طرح اب ان جواہر پاروں سے استفادہ کرنے والے بہت کم ہیں۔

ادب اور شاعری

مولانا جامیؒ صاحب طرز شاعر تھے جن کی شاعری نے صدیوں تک آنے والے شعرا کو متاثر کیا لیکن خود کو سخنور کہنے کی بجائے اپنے کلام میں جابجا انکساری کا اظہار فرماتے ہیں اور استاذ الشعراء نظامی' خسرو اور خاقانی کا تذکرہ انتہائی عقیدت و احترام سے کرتے ہیں۔ نعت گوئی میں آپؒ کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ خانقاہیں آج بھی آپؒ کی نعتوں اور غزلوں سے گونجتی ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ کی خدمت عالیہ میں مولانا جامیؒ کے سلام کا ایک معروف شعر ہے:

السلام ای سید اولاد آدم السلام
السلام ای سرور افراد عالم السلام

اسی طرح پر آپؒ کے ایک ہمعصر شاعر مولانا مجبیؒ نے 1400 اشعار پر مشتمل ایک مثنوی بنام ''فتوح الحرمین'' لکھی۔ یہ مثنوی مولانا جامیؒ کے کلام سے اس حد تک مماثلت رکھتی ہے کہ اسے بھی آپؒ سے منسوب کر دیا گیا۔

مولانا جامیؒ کی زبان دانی کا یہ عالم ہے کہ صرف فارسی میں ہی نہیں

بلکہ عربی میں بھی اسی فصاحت و بلاغت سے اظہار خیال فرمایا ہے۔ فارسی زبان پر آپؒ کا یہ احسان بھی ہے کہ گراں مایہ عربی ادب کو فارسی میں منتقل کیا اور اس امتزاج نے غزل کی ایک خوبصورت صنف کو جنم دیا۔ مولانا جامیؒ ذوق جمالیات سے بہرہ ور تھے۔ آپؒ کی شاعری حسن ظاہری کی تعریف سے بھی محروم نہیں بلکہ ان صوفیا کے ہاں مجازی محبت کا اظہار بھی روحانی فیض کے تصور سے کیا جاتا ہے۔ مولانا جامیؒ کی شاعری میں رنگ تغزل کی انتہا دیکھنی ہو تو اس کے لئے صرف یہ ایک شعر ہی کافی ہے:

چو لب بہ کوزہ نہی کوزۂ نبات شود
زکوزہ قطرہ چکد چشمۂ حیات شود

آپ جب کوزہ پر لب رکھتے ہیں' تو وہ کوزہ مصری کا بن جاتا ہے
اور اس کوزہ سے جو قطرہ گرتا ہے وہ چشمۂ حیات بن جاتا ہے

شاعر مشرق آپؒ کی صوفیانہ عظمت و شاعرانہ جلالت سے اس قدر متاثر ہیں کہ آپؒ کی نظم و نثر کو اپنی خامیوں کا علاج تجویز فرماتے ہیں:

کشتہ انداز ملا جامی ام
نظم و نثر او علاج خامیم

ترویج طریقت

مولانا جامیؒ نے پیری مریدی کا کوئی مرکز قائم کیا نہ پیر طریقت کہلوانا پسند فرماتے۔ آپؒ فرمایا کرتے کہ میں شیخ ہونے کا بوجھ اٹھانے کا متحمل نہیں ہوں۔ ابتداء میں سعد الدین کاشغریؒ سے خلافت بھی ملی تھی لیکن کسی کو مرید نہ بناتے۔ صاحب رشحات لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ ماوریٰ النہر گئے تو راستے میں

دریائے جیہون کے ساحل پر رات بسر کی۔ خواب میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ ظاہر ہوئے اور فرمایا:

''عجیب بات ہے کہ خراسان میں نور کا دریا موجزن ہے
اور لوگ نور حاصل کرنے کے لئے اپنے چراغ اٹھائے
ماوریٰ النہر آ رہے ہیں۔''

فخر الدین کاشفیؒ جب خواجہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دوران گفتگو انہوں نے دریافت فرمایا:

''ہرات میں مشائخ وقت میں سے کس کو دیکھا ہے؟''

جواب دیا کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اور مولانا محمد روجیؒ کو دیکھا ہے۔

حضرت خواجہ احرارؒ نے فرمایا:

''جس نے خراسان میں مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کو دیکھا ہے'
اس کو اس طرف آ کر پانی لینے کی کیا ضرورت ہے؟''

مزید فرمایا:

''میں نے سنا کہ مولانا جامیؒ مرید نہیں کرتے بلکہ مولانا محمد
مرید کرتے ہیں۔''

میں نے تائید کی تو خواجہ احرارؒ نے فرمایا:

''میں نے مشائخ نقشبند سے سنا ہے کہ شیخی کا دروازہ بند کرو
اور دوستی کا دروازہ کھولو' تنہائی کا دروازہ بند کرو اور صحبت کا
دروازہ کھولو۔''

بظاہر آپؒ ایک شاعر' ادیب اور عالم نظر آتے لیکن اگر کسی میں طلب پاتے تو سلوک میں اس کی رہنمائی فرماتے۔ آخر عمر میں طالبان حق کی تلاش تھی

لیکن فرمایا کرتے:

''یوں تو اپنی لذت و حظ کے طالب بہت ہیں لیکن افسوس
اب حقیقی طالب ناپید ہیں۔''

سلسلہ نقشبندیہ کے متعلق آپؒ کا ارشاد ہے:

''اس سلسلے کی ابتداء دوسروں کی انتہا ہے۔ جس نے ایک
بار اس سلسلے کو اختیار کر لیا' شاذ و ناذ ہی وہ اس سے الگ
ہوتا ہے اور اگر وہ غلبہ نفس کے ہاتھوں اسے چھوڑ دے تو
اسے واپس لوٹا لیا جاتا ہے۔''

ایک دن کسی نے نصیحت کے لئے عرض کیا تو بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اس میں مشغول رہو' یہی کام ہے۔''

مولانا جامیؒ نے اپنے دور کے نام نہاد پیروں اور ان صوفیا کی بھی خوب خبر لی ہے جو خانقاہوں میں تصوف کو ذریعہ معاش بنائے بیٹھے تھے۔ آپؒ تصوف میں ظاہری آداب و رسوم کے مقلد نہ تھے بلکہ اس کے باطنی اور حقیقی مقاصد کی ترویج فرماتے۔

کشف و کرامات

مولانا جامیؒ کو اظہار کرامت پسند نہیں تھا۔ آپؒ کا فرمان ہے:

''کشف و کرامت پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے بڑھ
کر کوئی کرامت نہیں کہ فقیر ایک دولت مند کی مجلس میں
جائے تو اسے وہاں بھی جذب و تاثیر حاصل ہو اور وہ کچھ

دیر اپنے آپ سے بے خبر رہے۔''

ایک مرتبہ آپؒ کے شاگرد خاص مولانا عبدالغفور لاریؒ نے کشف کے بارے میں سوال کیا:

''کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں بعض کو کشف ہو جاتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا؟''

آپؒ نے جواب دیا:

''سلوک کے دو طریقے ہیں' ایک سلسلہ تربیت میں سالک جب اس راستے پر چلتا ہے تو اس پر انکشافات عود کر آتے ہیں۔ دوسرے طریقہ میں' جو ہمارے مشائخ کا ہے' انکشافات نہ ہونے کی ایک خاص وجہ ہے۔ اس طریقہ میں سالک کی توجہ کا قبلہ سوائے ذات حق کے کوئی نہیں ہوتا جس میں کشف ضروری نہیں ہے۔''

اپنا حال ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''ہم خود کو اجمال میں پاتے ہیں تو مغلوب ہو جاتے ہیں اور ہم پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم زمین سے جدا ہو گئے ہیں اور ہمارا پاؤں زمین تک پہنچتا ہی نہیں ہے۔''

مزید فرمایا:

''سر وحدت اور معنی توحید ہم پر اس طرح غالب ہے کہ اس کو اپنے سے دور کرنا اب ممکن ہی نہیں اور اس معاملے میں ہمیں کوئی اختیار ہے نہ کوئی چیز اس راہ میں حائل ہو سکتی ہے۔''

بین الاقوامی سطح پر فروغ تصوف

نویں صدی ہجری کی ایک اہم خصوصیت بین الاقوامی سطح پر صوفیا کے نظریات کا فروغ ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ آٹھویں صدی کے اواخر میں روسی ریاستوں کے بعد برصغیر اور ترکی تک پہنچ چکا تھا لیکن عالمی سطح پر اس کے فروغ میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا بہت دخل ہے۔ اس ضمن میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے حوالے سے گذشتہ باب میں تذکرہ کیا گیا۔ اسی کام کو حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے مزید وسعت دی۔

حضرت مولانا جامیؒ کے روسی ریاستوں کے والیان' امراء و اہل دربار' برصغیر' روم' ایران و ترکمان کے سلاطین اور اس دور کے اہل تصوف' علماء' فضلاء اور شعراء سے تعلقات تھے۔ ان کی طرف سے مسلسل آپؒ کی تصانیف کا مطالبہ رہتا اور اہم موضوعات پر مزید لکھنے کی درخواست کی جاتی۔ چنانچہ حضرت مولانا جامیؒ کی بعض تصانیف ان سلاطین کی درخواست پر لکھی گئیں۔

برصغیر میں اوچ شریف (بہاولپور) کے سید محمد غوث قادریؒ سے مسلسل خط و کتابت رہتی جنہوں نے یہاں سلسلہ قادریہ کو فروغ دیا اور حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مناقب کو منظوم کیا۔ یہ چیز باعث حیرت ہے کہ پاکستان میں ہمارے لئے اوچ شریف ایک غیر معروف مقام ہے لیکن مولانا جامیؒ نے اس دور میں جب رسل و وسائل نہ ہونے کے برابر تھے' ہرات سے اس دور افتادہ مقام تک کس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا! برصغیر ہی کے ایک اور فاضل شیخ جمالی دھلوی جو مثنوی ''سیر العارفین'' کے خالق ہیں' حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے عقیدت مند تھے۔ سلسلہ خط و کتابت کے علاوہ انہوں

نے ہرات میں آپؒ کی خدمت میں حاضری بھی دی۔

برصغیر میں آپؒ کے ہمعصر عقیدت مندوں میں ملک التجار اور اس کے بیٹے خواجہ علی کے نام بھی ملتے ہیں۔ ملک التجار دکن کی ایک بہت قابل احترام اور ممتاز شخصیت تھی جو سیاسی اور تجارتی بصیرت کے علاوہ فن انشاء نویسی میں کئی کتابوں کی مصنف ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ نے تصوف کے موضوع پر ملک التجار کے نام اہم مکتوب ارسال فرمائے۔ والیٔ ہندشاہجہاں کا بیٹا داراشکوہ بھی آپؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوا۔ اس نے تصوف پر کئی کتب لکھیں ہیں جن میں سے سفینۃ الاولیا میں حضرت مولانا جامیؒ کے حالات بیان کئے ہیں۔

حضرت مولانا جامیؒ کے اس بین الاقوامی سطح پر تعلقات کی وجہ سے آپؒ کے مریدین کی تعداد دور دراز ممالک تک پھیلی ہوئی تھی۔ ترکی کے ایک مرید کا ذکر ملتا ہے جس نے فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد آپؒ سے شکایت کی کہ حج سے قبل وہ اپنے ہمراہ ایک روشنی کا مشاہدہ کرتا تھا جو اب غائب ہو چکی ہے۔ آپؒ نے اسے جواب دیا کہ حج سے پہلے اسے اپنی کم مائیگی کا احساس تھا لیکن اب وہ خود کو حاجی سمجھتا ہے' اس لئے یہ روشنی گم کر چکا ہے۔

مولانا جامیؒ کی بین الاقوامی شہرت کے بعد یمن سے آپ کی خدمت میں حضرت ابوایوب محمد صالحؒ حاضر ہوئے اور براہ راست فیض حاصل کیا۔ وہ مدینہ شریف گئے تو یہ سلسلہ فیض حضرت سلطان العارفینؒ تک پہنچا جو برصغیر میں اس کی ترویج کا ذریعہ بن گئے۔ تصوف کی یہ وہ عالمگیریت ہے جو سلسلہ عالیہ کے ذریعہ آج چہار دانگ عالم میں اظہر من الشمس ہے۔

تعلیمات

یہ ممکن نہیں کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی وسیع تصانیف کی روشنی

میں یہاں آپؒ کی تعلیمات اشارتاً بھی بیان کی جاسکیں۔ نفحات الانس میں جس طرح آپؒ نے حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی جملہ تعلیمات کو صرف چند پیروں میں منضبط کر دیا' یہ صرف آپؒ ہی کا کمال تھا۔ یہاں نفحات الانس سے آپؒ کے چند افکار و اقوال کو انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

انسانوں کی طبقاتی تقسیم: سورۃ الواقعہ میں انسانوں کی تین طبقات میں تقسیم کی مناسبت سے مولانا جامیؒ نے انسانوں کے تین طبقات کی خصوصیات بیان فرمائیں۔

(1) مقربین اور سابقین جو اونچے درجے کے لوگ ہیں' یہ کامل واصلین ہیں۔

(2) ابرار و اصحاب یمین' یہ متوسط درجہ کے لوگ ہیں جو کمال کی راہ پر سلوک طے کرنے والے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جو ابھی واصل نہیں ہوا لیکن اس راہ پر گامزن ہے اور مقربین و سابقین میں شامل ہونے کا منتظر ہے۔

(3) اشرار اور اصحاب شمال' یہ سفلی یعنی نیچے درجے کے لوگ ہیں جو نقصان کے گڑھے میں قیام کرنے والے ہیں۔

آخرت کے طالب: مولانا جامیؒ نے آخرت کی طلب کرنے والوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) زاہد۔ آخرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دنیا کو اس کی اصل بدصورت شکل میں دیکھتے ہیں۔

(2) فقراء۔ مقام فقر تصوف کی ابتداء ہے۔ فقراء وہ لوگ ہیں جو دنیوی مال و اسباب کو ترک کر چکے اور اللہ کی خوشنودی کے

طالب ہیں۔ اَلْفَقْرُ عَدَمُ الْاِمْلَاكِ وَالْخُرُوْجِ عَنْ اَحْكَامِ الصِّفَاتِ یعنی کسی چیز کو اپنی ملک نہ جاننا (مستعار سمجھنا) اور صفات کے احکام سے نکل جانا۔ اَلْفَقِیْرُ الَّذِیْ لَایَمْلِكُ وَلَایُمْلَكُ یعنی جو کسی چیز کا مالک ہو نہ کوئی اس کا مالک ہو۔ زاہد اور فقیر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ زاہد کے پاس مال واسباب تو ہو سکتا ہے لیکن رغبت نہیں رکھتا جبکہ فقیر کے پاس مال واسباب ہوتا ہی نہیں لیکن رغبت ہو سکتی ہے۔

(3) خدام۔ فقرا اور طالبان حق کی خدمت اختیار کرتے ہیں۔ خادم ابرار کے مقام پر ہے کہ ثواب کی طلب رکھتا ہے۔ شیخ مقربین کے مقام پر ہے کہ حق تعالیٰ کی مراد پر قائم ہے یعنی شیخ کا شمار اونچے طبقہ میں ہوتا ہے جو مقربین اور سابقین کا ہے جبکہ خدام متوسط درجہ یعنی اصحاب یمین میں شمار ہوتے ہیں۔

(4) عباد۔ آخرت کے ثواب کی خاطر عبادات اور وظائف کو اختیار کرنے والے۔ ان سب سے بلند صوفیا کا مقام ہے کہ دنیا و آخرت سے اپنی رغبت ختم کر دی اور جمال ازلی اور ذات لم یزل کی محبت کی وجہ سے دونوں جہانوں سے محجوب ہیں۔

معرفت اور علم: معرفت بغیر علم کے محال اور ناممکن ہے اور علم بے معرفت کے وبال، مصیبت اور عذاب ہے۔

اخلاص۔ کوئی اچھا کام کرنے کے بعد یہ جتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ میں نے تو یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لئے کیا۔ مولانا جامیؒ اس کو اخلاص کے منافی قرار دیتے ہیں۔ ایک دن آپؒ کی مجلس میں ایک شخص کا ذکر ہوا جس

نے یہ کہا تھا کہ میں نے فلاں کام خالصتاً اللہ کے لئے کیا ہے تو آپؒ نے فرمایا:

''غالباً وہ شخص اخلاص کا مفہوم نہیں سمجھتا۔''

مناجات: حضرت مولانا جامیؒ کی مناجات ایک ایسی جامع دعا ہے جو تصوف کی غرض وغایت بیان کرتی ہے۔ یہ دعا ہر صوفی کے دل کی تڑپ ہے۔ وہ اللہ سے اس کی معرفت مانگتا ہے، وصال باری کا طالب ہوتا ہے اور یہی مناجات جامیؒ کا ماحصل ہے۔

''اے اللہ! مجھے بے کار کاموں میں مشغول ہونے سے بچا اور اشیاء کے حقائق اس طرح دکھا جیسے وہ ہیں۔ ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا اور ہر چیز کو جیسے (اس کی اصلیت) ہے ویسے ہمیں دیکھا۔ عدم کو وجود کی صورت میں ظاہر نہ کر اور جمال ہستی پر نیستی کا پردہ مت ڈال۔ ان خیالی پیکروں کو حجاب اور دوری کی علت نہ بنا بلکہ انہیں اپنے جمال کی تجلیات کا آئینہ عطا کر۔ وہم و گمان کی ان تصویروں کو ہماری جہالت اور نابینائی کا ذریعہ نہ بنا بلکہ دانائی اور بینائی کا سرمایہ بنا۔ ہماری مہجوریاں اور محرومیاں ہم ہی سے ہیں۔ ہمیں اپنے حال پر مت چھوڑ بلکہ ہمیں ہم سے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ ملا۔

یا رب دل پاک و جان آگاھم دہ
آہ شب و گریۂ سحر گاھم دہ
در راہ خود اول زخودم بیخود کن
آنکہ بیخود بسوی خود راھم دہ

اے رب دل کو پاک کر دے اور روح کو آگاہی عطا فرما
آہ شب اور گریہ صبح عطا فرما
اپنی راہ میں مجھے خود سے بیگانہ کر دے اور اس بیگانگی میں
اپنی راہ پر لگا دے۔

مسلک

عقائد کے متعلق سلسلۃ الذہب کی شہادت کافی ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ عقائد میں امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد تھے۔ مولانا جامیؒ کے بارے میں اگرچہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ شافعی المسلک تھے لیکن آپؒ کا خاندانی پس منظر اور امام شیبانیؒ کے حوالے سے تعارف آپؒ کے حنفی المسلک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے آپؒ کے شافعی المسلک ہونے کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا جامیؒ مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے۔

حضرت مولانا محمود قواسؒ نے مزید وضاحت کی ہے کہ حضرت مولانا جامیؒ مکہ معظمہ سے شیخ سعید فرغانیؒ کی کتاب 'چہار مذاہب' لائے تھے اور مسائل میں زیادہ احتیاط والے پہلو پر عمل کرتے تھے چنانچہ عورت یا عضو نہانی کے چھو جانے سے تجدید وضو کیا کرتے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے بارے میں یہ غلط تاثر دینے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ آپؒ شیعہ مائل سنی تھے لیکن یہ مبنی بر حقیقت نہیں۔ آپؒ نے ہمیشہ حفظ مراتب کا خیال رکھا' خلفائے راشدین کا تذکرہ عقیدت سے کیا اور اہل بیت پر مقدم رکھا۔ عشرہ مبشرہ کی شان بیان کی اور حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کے صاحب ایمان ہونے سے انکار کیا۔ آپؒ نے افراط و تفریط کی بجائے

اعتدال کی روش اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ کی سوانح ایرانی سکولوں کے نصاب میں شامل ہے اگرچہ شیعہ نقطۂ نظر سے اس میں قطع و برید بھی کی گئی ہے۔

معمولات شب و روز

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے شاگرد مولانا لاریؒ لکھتے ہیں:

''حضرت جامی علیہ الرحمۃ والرضوان کا کوئی لمحہ بھی باطنی اشغال سے خالی نہ گزرتا۔ وہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ (ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے روکتی ہے) کی مجسم تصویر تھے۔ ان کا ظاہر مخلوق خدا اور باطن حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ رہتا۔ وہ کسی کی فتنہ انگیز بات کو درخور اعتنا نہ سمجھتے اور فرماتے کہ طریق خواجگان کا حسن یہ ہے کہ ہر مقام پر ہر کسی کے ساتھ برتاؤ کیا جا سکتا ہے۔''

اپنے بارے میں مولانا جامیؒ فرماتے ہیں کہ ہم جس حال میں بھی ہوتے ہیں' کچھ نہ کچھ غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ آپؒ کا معمول تھا کہ نماز عشاء ادا کرنے کے بعد ایک ساعت جماعت کے ساتھ بیٹھتے' مجلس سے اٹھتے تو ایک ساعت ذکر و فکر میں گزارتے اور فرماتے کہ سونے سے پہلے یہ اشغال بہت اہم ہیں تاکہ ان کی برکت تمام رات رہے۔ اوائل میں بہت کم آرام فرماتے اور کبھی صبح تک مراقبہ اور نوافل میں مشغول رہتے لیکن آخری عمر میں رات کے تیسرے پہر ضرور بیدار ہو جاتے اور نماز اور ذکر و فکر سے دن کا آغاز کرتے۔ فرمایا کرتے کہ صبح کے اذکار و اشغال کی برکت سارا دن رہتی ہے۔ نماز فجر کے لئے دوبارہ وضو کرتے اور نماز سے فارغ ہوتے تو مراقبہ میں چلے جاتے' یہاں

تک کہ سورج طلوع ہوکر ایک نیزہ تک آجاتا یعنی اشراق کا وقت ہوجاتا۔ دن کے باقی اوقات مراقبہ' تصنیف وتالیف اور مطالعہ کے علاوہ احباب کے ساتھ مجلس میں گزارتے۔

عموماً قبلہ روتشہد کی حالت میں بیٹھا کرتے۔ آپؒ کی مجلس میں جو بھی آتا' خواہ وہ کس قدر انقباض میں آتا' انبساط اور خوشی کی حالت میں لوٹتا۔

عادات شریفہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات کے مطالعہ سے ایک انتہائی پرکشش شخصیت کا نقشہ ابھرتا ہے جس کی ہر دل عزیزی کا یہ عالم ہے کہ عوام و خواص اور سلاطین و رعایا' سب میں یکساں مقبول تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے اور امرا و حکام آپؒ کی سفارشات کی تعمیل اپنی سعادت سمجھتے۔ سلاطین سے تعلقات اور شاہانہ تکریم کے باوجود آپؒ کی شخصیت سے تواضع اور فروتنی ٹپکتی۔ کبھی پیر و مرشد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور جن باتوں کی تلقین وہ اپنے متعلقین سے کرتے' ان پر خود بھی سختی سے عمل پیرا تھے۔

احباب ملاقات کے لئے آتے تو ہمیشہ تشہد کی حالت میں زمین پر بیٹھتے۔ منفرد اور دلکش لباس زیب تن فرماتے اور اکثر کھلے بازوؤں والی قبا پہنتے۔ کبھی سر پر عمامہ رکھتے اور کبھی نہ رکھتے۔ دوستوں کے اکرام کا یہ عالم تھا کہ جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا' ادنیٰ ہوتا یا اعلیٰ' آپؒ بیٹھے رہتے اور اس بات کا انتظار فرماتے کہ وہ خود پہلے اٹھے لیکن اسے اٹھنے کے لئے نہ کہتے۔ کھانے میں کم تر لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے۔ حلال و طیب رزق کا خیال رکھتے۔ کوئی چیز مشتبہ نظر آئے تو ہاتھ کھینچ لیتے اور اگر بے خیالی میں کوئی ایسی چیز کھا لیتے تو طبیعت کئی روز تک مکدر رہتی۔

حس لطافت

خوش مزاجی و خندہ روئی آپؒ کی شخصیت کا نمایاں پہلو تھا۔ محافل میں خود کم گفتگو فرماتے اور احباب کو دعوت دیتے کہ وہ بات کریں۔ آپؒ کی گفتگو میں ملاحت کا عنصر غالب ہوتا۔ زیادہ باتیں پر لطف اور ولولہ انگیز ہوتیں لیکن درمیان میں خوش طبعی کا بھی اظہار فرماتے۔ لطیف پیرائے میں آپؒ کے مزاج کے کئی واقعات تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؒ زاہد خشک نہ تھے بلکہ اعلیٰ درجے کا ذوق لطافت رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا جامیؒ اپنے شیخ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اثنائے گفتگو حضرت خواجہ احرارؒ نے آپؒ کے بالوں کی سفیدی اور کثیر التعداد تصانیف کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

''اس علم و عرفان اور تصنیف و تالیف میں آپ نے تو اپنے بال سفید کر لئے ہیں۔''

مولانا جامیؒ نے فی البدیہہ عرض کیا:

پیرانہ سر کشیدم سردر رہ سگانت
موئے سفید کردم جاروب آستانت

آپ کے در کی سگائی کرتے ہوئے میں بوڑھا ہوگیا
آپ کے در پہ جھاڑو دیتے ہوئے میری بال سفید ہوگئے

خواجہ احرارؒ اس شعر سے اس قدر محظوظ ہوئے کہ آپؒ کو فوراً گلے سے لگالیا۔

تحفۃ الاحرار میں قصیدہ گو شعراء کی سرزنش کرتے ہوئے 'لاغری' تخلص والے ایک ایسے ہی قصیدہ گو شاعر کی حکایت بیان کرتے ہیں جس نے ایک

موٹے امیر خواجہ فربہ کو قصیدہ سنانا شروع کیا تو وہ جان چھڑا کر بلندی پر واقع اپنے محل کی طرف بھاگا۔ سانس پھول گیا تو ''لاغری'' نے اسے کہا: ایں فربہی است کہ ترا آزار میدہد (یہ موٹاپا ہے جو تجھے تنگ کرتا ہے) خواجہ نے جواب دیا: نہ بخدا از دست لاغری است کہ چنیں در شکنجہ وعذاب افتادہ ام (نہیں، خدا کی قسم 'لاغری' کے ہاتھوں اس مصیبت میں آ پھنسا ہوں۔

اس سے قبل زمانہ طالب علمی کے ایک واقعہ کا تذکرہ گزر چکا ہے جس میں آپؒ نے مولانا علی توشجی کو، جو اپنے ساتھ ایک عجیب سی گٹھری لائے تھے اور آپؒ پر تابڑ توڑ سوالات کئے جا رہے تھے، لاجواب کرنے کے بعد فرمایا: مولانا، آپ کی گٹھری میں اس سے بہتر کوئی شے نہیں تھی۔

اسی طرح بغداد میں پیر جمال عراقی اپنے مریدوں کے ہمراہ آپ کے استقبال کے لئے اس حال میں آئے کہ تمام کے لباس اونٹ کی کھال سے بنے ہوئی تھے۔ پیر جمال عراقی کی نظر حضرت مولانا جامیؒ پر پڑی تو بے ساختہ بول اٹھے: ''ہم نے جمال الٰہی دیکھا۔'' آپؒ نے برجستہ جواب دیا: ''ہم نے بھی جمال الٰہی دیکھے'' (یعنی خدا کے اونٹ دیکھے)۔

ایک شاعر نے مولانا جامیؒ کو بتایا کہ اس نے دیوان کمال، دیوان حافظ اور صد کلمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب لکھا ہے تو آپؒ نے برجستہ فرمایا: خدا کو کیا جواب دو گے؟

مولانا جامیؒ ایک عالم کی مزاج پرسی کے لئے گئے تو اس نے اپنی دانست میں مسائل تصوف بیان کرنے شروع کر دیئے جو اس کی سمجھ سے بالا تھے۔ آپؒ ایسی بے سروپا باتوں کا کیا جواب دیتے، خاموشی سے سنتے رہے۔ آپؒ کی واپسی پر اس نے بڑے فخر سے کہا، میں نے تصوف کے بہت گہرے

مسائل بیان کئے تھے اور مولاناؒ ''گوش گرفتن'' یعنی خاموشی سے سنتے رہے۔ آپؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا، اس کی باتوں پر ''گوش گرفتن'' یعنی کانوں کو ہاتھ لگانا چاہیے۔

مولانا جامیؒ کی خوش مزاجی کا یہ رنگ اس عام تصور کی نفی کرتا ہے کہ صوفیا کو خشک مزاج و خشک رو ہونا چاہیے۔ مشائخ کے حس لطافت کی ایک جھلک حضرت جیؒ کی سوانح ''حیات طیبہ'' میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے اور یہی رنگ حضرت امیر المکرّم کی محافل میں بھی نظر آتا ہے جہاں پژمردہ چہرے کھل اٹھتے ہیں۔

مولانا جامیؒ کی شخصیت میں خوش مزاجی کا پہلو اس قدر معروف ہوا کہ لوگوں نے آپؒ کے وصال کے بعد بھی کئی دلچسپ واقعات اختراع کر لئے۔ ان میں سے ایک حکایت جو وقت وصال سورۃ یٰسین پڑھنے کے بارے میں ہے، اس قدر مشہور ہوئی کہ بعض مورخین نے سچ سمجھتے ہوئے اسے آپؒ کی سوانح کا حصہ بنا ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ وقت نزع بھدی آواز والے چند حفاظ صاحبان مولانا جامیؒ کے سرہانے سورۃ یٰسین پڑھنے لگے۔ مولانا جامیؒ کی نازک طبع جب ان کی بھدی آواز کو مزید برداشت نہ کر سکی تو اچانک گویا ہوئے

''اب بس بھی کرو کہ جامی مر چکا۔''

یہ اختراع بہت دلچسپ اور خوب ہے لیکن خلاف واقعہ ہے۔ مولانا جامیؒ کے شاگرد مولانا عبدالغفور لاریؒ جو آخری دور میں آپؒ کے ساتھ رہے اور وقت وصال بھی موجود تھے، ایسے کسی واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتے۔

وصال

عمر کے آخری سال حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے ایک باتوں کا

ظہور ہونے لگا گویا اب وقت جدائی ہے۔ زبان مبارک پر اکثر ''بوستان'' کے دو شعر جاری رہتے۔

دریغا کہ بے مابسی روزگار　　بروید گل و بشگفد نوبہار
بسی تیر و دی ماہ دارد بہشت　　بیاید کہ ماخاک باشم و خشت

ہائے افسوس ہمارے بعد زمانے میں پھول بھی کھلیں گے اور بہار بھی آئے گی۔

بہار، ساون اور خزاں کے کئی مہینے آئیں گے لیکن ہم خاک و خشت ہو چکے ہوں گے۔

بیماری کے آثار شروع ہونے سے قبل شہر کو خیر باد کہا اور نواحی گاؤں میں چلے گئے۔ قیام طویل ہوا تو احباب پریشان ہوئے اور واپسی کی درخواست کی۔ فرمایا: اب ہمیں ایک دوسرے سے دل اٹھا لینا چاہیے۔ مرض الموت سے تین روز قبل اپنے ایک مرید سے فرمایا:

''تم گواہ رہو! ہمیں کسی سے، کسی طرح کی کوئی دل بستگی نہیں۔''

گھر واپس تشریف لائے تو بیمار پڑ گئے۔ چھٹے روز نبض کی حرکت سے معلوم ہو رہا تھا کہ اب دار القرار کی جانب روانگی ہے۔ فرمانے لگے:

''دو سال پہلے بھی ہم نے خود کو نزع کی حالت میں پایا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان مجلس برپا ہے۔ ہمیں اپنے احوال میں کوئی کدورت محسوس ہوئی تو آیت الکرسی کی تلاوت شروع کر دی جس کی نورانیت سے وہ کدورت جاتی رہی (ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت

مولانا جامیؒ کا معمول تھا)۔''

آپؒ نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو احباب نے بھی آیت الکرسی اور سورۃ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد آپؒ نے فرمایا:

''ہاں، اسی طرح۔''

گویا آپؒ کو کسی امر پر مطلع کیا گیا ہو اور آپؒ اظہار تائید کر رہے ہوں۔ یہ کہتے ہوئے فوراً نماز کا لباس پہنا، ہاتھ سینے پر رکھے اور بلند آواز میں، جیسا کہ آپؒ کا معمول رہا، اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ○ پڑھا۔ دو رکعت نماز اس طرح ادا کی گویا مکمل حالت صحت میں ہوں۔ پہلی رکعت میں سورۃ الکفرون اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص تلاوت کی۔ انتہائی سکون کی حالت میں رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ نماز جمعہ کے خطبہ کی اذان ہوئی تو دار فانی سے دار بقا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ 18 محرم الحرام 898 ھجری کا سید الایام روز جمعہ تھا۔

مولانا جامیؒ کی زندگی میں سلاطین وقت آپؒ کے جلو میں چلنے کو اپنے لئے باعث سعادت جانتے، آپؒ کا جنازہ روانہ ہوا تو وہ اس میں شرکت کو ذریعہ نجات سمجھ رہے تھے۔ یہ جنازہ بھی کسی شاہی سواری سے کم نہ تھا جس میں سلطان خود شریک تھا۔ خواص و عام، امراء و حکام اور عقیدت مندوں کا سیل رواں تھا۔ فرط جذبات سے ضبط کے تمام بند ٹوٹ رہے تھے لیکن اس موقع پر بھی شاہانہ تکریم و احتشام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا۔ آپؒ کے استاد حضرت سعد الدین کاشغریؒ کے مدفن کے جوار میں تدفین ہوئی۔ اس وقت ہرات میں سلطان عقل و دانش کا مزار مرجع خلائق ہے۔

سلطان عقل و دانش جامی کہ یافت دُرِ خلد
از بادہ وصالش ، ارواح قدس جامی
تاریخ فوت اورا ، از عقل خواستم گفت
آہ از فراق جامی ، آہ از فراق جامی

عقل و دانش کے سلطان جامی نے
جام وصال کے ذریعہ بہشت میں ارواح قدس کو پالیا
میں نے عقل سے اُن کی تاریخ وصال مانگی تو اس نے کہا
افسوس جامی جدا ہو گیا' افسوس جامی جدا ہو گیا

حضرت ابو ایوب محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے مزار پر مجدد فی الطریقت حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کی روحانی تربیت کے ابتدائی تین سال مکمل ہونے کو تھے۔ یہ جمعہ کا یوم سعید تھا اور حضرت جیؒ کی دیرینہ خواہش کے مطابق حضرت سلطان العارفینؒ نے اپنے حالات قلمبند کرا دیئے تھے۔ اب نسبت اویسیہ کا شجرہ لکھوانے کی باری تھی اور حضرت جیؒ کاغذ قلم تھامے صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے۔

شجرہ کا آغاز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک سے ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد مشائخ عظام کے اسمائے گرامی ترتیب وار بتاتے ہوئے حضرت سلطان العارفینؒ نے جب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا نام لیا تو اس کے بعد صرف ''حضرت'' کہہ سکے اور خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر سکوت کا عالم رہا' پھر انتہائی ادب و احترام اور نہایت دھیمی آواز میں ''ابوایوب محمد صالحؒ'' کہا۔ حضرت سلطان العارفینؒ کی روحانی تربیت براہِ راست حضرت ابوایوب محمد صالحؒ نے فرمائی تھی اور بلا تامل استاد کا نام لینے میں قرینہ ادب مانع تھا۔

حضرت جیؒ کے ایک ریکارڈ شدہ انٹرویو کے ذریعہ حضرت ابوایوب

محمد صالحؒ کے جو حالات معلوم ہو سکے' ان کے مطابق آپؒ کا تعلق یمن سے تھا۔ حضرت مولانا جامیؒ کی عمر طبعی کے آخری حصہ میں آپؒ ان کی خدمت میں ہرات آئے اور اکتساب فیض کیا۔ اوائل دسویں صدی ہجری میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین کی حاضری دی تو مدینہ شریف میں آپؒ سے حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کا رابطہ ہوا۔ آپؒ نے ان کی روحانی تربیت فرمائی اور سالک مجذوبی تک اسباق سلوک طے کرائے۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ شریف سے ہندوستان کی سیاحت کے لئے روانہ ہوئے تو انہیں رخصت فرما کر حضرت ابوایوب محمد صالحؒ خود عازم یمن ہوئے۔ زندگی کے باقی ایام آپؒ نے یمن میں ہی گزارے اور وہیں آسودہ خاک ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا وصال 898 ھجری میں ہوا۔ اس طرح حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کا ان کی خدمت میں حاضری کا زمانہ نویں صدی ہجری کا آخری عشرہ ہو سکتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات میں یہ تذکرہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے مروجہ پیری مریدی سے ہمیشہ اجتناب برتا' خود کو شیخ طریقت کہلانا پسند نہ فرماتے لیکن اگر کوئی طالب حق مل جاتا تو اس کی تربیت فرماتے۔ شعر و ادب کے حوالے سے اگرچہ مولانا جامیؒ کے متعلقین کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن طریقت میں ان کے بہت کم شاگردوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس بارے میں خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نسمات القدس میں رقمطراز ہیں:

> ''بہت سے ایسے علماء و صلحا تھے جو حضرت مخدوم الانام مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ قدس سرہٗ سے بہرہ مند ہوئے تھے لیکن حضرت مخدوم کا افاضۂ نسبت و تعلیم طریقت میں چونکہ آئین و طریق ایما و اشارہ تھا اور وضاحت کے ساتھ امرِ سلوک کا کسی

> کے لئے اظہار نہ فرمایا تھا' اس لئے آپؒ کے بہت سے منتسبین کے حالات اخفا میں رہے اور معلوم نہ ہو سکے۔''

عمر کے آخری حصہ میں اگرچہ مولانا جامیؒ خود طالبان طریقت کے متلاشی تھے لیکن انہیں اس بات کا افسوس ہی رہا کہ ایسے لوگ ناپید تھے۔ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ اس وقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں تھے جو قلب میں انابت رکھتے ہوں' گویا آپؒ خود شیخ کی مراد تھے۔ اگرچہ آپؒ نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا بہت کم زمانہ پایا لیکن یہی وہ دور ہے جب وہ دولت دل کو تقسیم نہیں بلکہ لٹا رہے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے آپؒ کی تربیت توجہ خاص سے فرمائی۔ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کو خزانہ فیض سے جو حصہ نصیب ہوا ہوگا' اس کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے بعد شجرہ نسبت اویسیہ میں اگلا نام آپؒ کا ہے۔

جن لوگوں نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حالات تحریر کئے ہیں' ان میں سرفہرست مولانا رضی الدین عبدالغفور لاریؒ' میر علی شیر نوائی اور علی بن حسین کاشفی ہیں۔ اول الذکر مولانا جامیؒ کے علم و ادب کے حوالے سے شاگرد خاص تھے اور آخری سالوں میں شب و روز ساتھ رہے۔ مولانا لاریؒ شعبہ تصوف میں اپنی کم مائیگی کا خود اعتراف کرتے ہیں اور کہیں اس بات کا تذکرہ نہیں کرتے کہ وہ خود بھی اجازت یافتہ تھے۔ اسی طرح میر علی شیر نوائی بھی مولانا جامیؒ کے دانشور دوست تھے جبکہ علی بن حسین کاشفی ان کے ہم زلف تھے۔ چونکہ تصوف ان بزرگوں کا شعبہ خاص نہ تھا' اس لئے انہوں نے اس ضمن میں بہت کم تحریر کیا اور ان لوگوں کے حالات صفحہ قرطاس پر نہ آ سکے جنہوں نے مولانا جامیؒ سے اکتساب فیض کیا تھا یا طریقت میں آپؒ کے

اجازت یافتہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے خلفاء بشمول حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے تفصیلی حالات تاریخ میں محفوظ نہ رہ سکے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے اکتساب فیض کرنے والوں اور ان کے خلفاء کے حالات محفوظ نہ رہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اوائل دسویں صدی ھجری میں ان بزرگوں کو عراق وخراسان سے ماوراالنہر' ہندوستان اور دوردراز علاقوں میں قزلباش یورش بپا ہونے کی وجہ سے ہجرت کرنی پڑی اور جو وطن چھوڑ نہ سکے وہ ظلماً شہید کر دیئے گئے۔

تاریخ کے اس دردناک دور کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مولانا جامیؒ کے وصال کے کچھ ہی عرصہ بعد دسوی صدی ھجری کے آغاز میں شاہی خاندان کے ایک گروہ نے شیعہ مذہب اختیار کرنے کے بعد خروج کیا۔ ان لوگوں نے عراق پر قبضہ کرنے کے بعد خراسان پر چڑھائی کردی اور مرو اور شہر ہرات میں خوب غارت گری کی۔ وہ صوفیاء اور علماء جنہوں نے اپنا مذہب چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار نہ کیا اور ہجرت نہ کر سکے' مساجد اور مدرسوں میں شہید کر دیئے گئے۔ دوران خطبہ خلفائے راشدین کی مدح بیان کرنے پر مساجد کے منبروں پر شہادتیں ہوئیں اور شہداء کی لاشوں کو جلایا گیا۔

انتہا یہ تھی کہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے صاحبزادے ضیاؤالدین یوسفؒ کی قبر تک اکھاڑ ڈالی اور جن کتابوں میں مولانا جامیؒ کا نام تھا' یک نقطے کی تبدیلی کے ساتھ اسے حکماً ''خامی'' میں تبدیل کر دیا۔ ان حالات میں مولانا جامیؒ کے خلفاء اور متعلقین کو علاقہ بدر ہونا پڑا اور تاریخ میں ان کے حالات محفوظ نہ ہو سکے۔ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے حالات کی عدم دستیابی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد ''نسمات القدس'' میں مولانا

جامیؒ کے صرف دو خلفاء کا ذکر کیا ہے جن میں ایک کا نام مولانا محمد صلاحؒ ہے جن کے سامان سے مولانا جامیؒ کا اجازت نامہ برآمد ہوا۔ ان کا تعلق ہرات سے تھا' قزلباشی یورش کے دوران بخارا چلے گئے اور وہیں وصال ہوا۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں ان کے بارے میں حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے بزرگ حضرت صالح تمیمیؒ ہیں۔ تمیمی قبیلہ حضور ﷺ کا ننھیالی قبیلہ ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قبیلہ ہے۔ اس قبیلے کا ایک بہت بڑا حصہ یمن میں اس وقت بھی آباد ہے۔ اس طرح تمیمی ہونے کی نسبت سے نسمات القدس میں مذکور حضرت صالحؒ کا وطن مالوف یقیناً یمن ہی ہوگا جو حضرت جیؒ کے ارشاد سے مطابقت رکھتا ہے کہ ابوایوب محمد صالحؒ کا تعلق یمن سے تھا۔ چونکہ نسمات القدس اصل حالات و واقعات کے ڈیڑھ سو سال بعد لکھی گئی' اس کتاب کے مصنف نے خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت صالح تمیمیؒ قزلباشی یورش میں ہندوستان چلے گئے تھے اور وہیں وصال پایا۔ ان کے مزار کے بارے میں بھی کوئی صراحت نہیں کی گئی جس کی بنیاد پر ان کے وصال کے بارے میں اس رائے کو یقینی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس دور میں اہل اللہ کی روسی ریاستوں' افغانستان یا ہندوستان کی طرف ہجرت ایک تاریخی حقیقت ہے جس کی بنا پر شاید یہ رائے قائم کی گئی ہو۔

اگر حضرت صالح تمیمیؒ ہی ابوایوب محمد صالحؒ ہیں تو قزلباشی فتنے میں ان کا ہندوستان چلے جانا تو ممکن ہے لیکن حضرت جیؒ کے ارشاد کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے حرمین شریفین چلے آئے جہاں حضرت سلطان العارفینؒ کی تربیت فرمانے کے بعد واپس اپنے وطن یمن چلے گئے جو صاحب 'نسمات القدس' کے علم میں نہیں ہوگا۔ حضرت جیؒ کا یہ ارشاد کہ حضرت ابوایوب

محمد صالحؒ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں مدینہ شریف آئے' اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ آپؒ نے 898 ھجری میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے وصال کے بعد 916ھ کے فتنہ قزلباش تک اپنا وقت شیخ کے آستانہ پر بسر کیا اور بطریق اویسیہ فیض حاصل کرتے رہے جس کے بعد آپؒ دیگر خلفاء کی طرح ہجرت پر مجبور ہوئے اور ہندوستان سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین کا رخ کیا۔ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران آپؒ کو مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کی سعادت ملی۔ اسی دوران روضۂ اطہر ﷺ کے مجاور خاندان کے ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی جو بعد میں حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے نام سے ہندوستان میں متعارف ہوئے۔ انہیں نہ صرف حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا بلکہ نسبت اویسیہ بھی ملی۔ سیاحت کا شوق رکھتے تھے' اسباق سلوک کی تکمیل ہوئی تو ہندوستان کے لئے رخت سفر باندھا۔ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ نے انہیں ہندوستان کے سفر پر رخصت فرمایا اور خود یمن تشریف لے گئے۔ اس رائے کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے دل میں ہندوستان کی سیاحت کا شوق یہاں کے حالات جان کر پیدا ہوا جو انہوں نے مدینہ شریف میں حضرت ایوایوب محمد صالحؒ کے زیر تربیت عرصہ کے دوران سنے ہوں گے۔ اس کے بعد یمن میں حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے قیام کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اور نہ ہی یہاں آپؒ کی آخری آرامگاہ کے بارے میں کوئی ذکر ملتا ہے۔

نسمات القدس میں حضرت صالح تمیمیؒ کے نام کے ساتھ ''المشہدی'' کا اضافہ بھی ہے جس کی وجہ اس شہر میں آپؒ کا قیام بغرض تعلیم وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپؒ نے خود کو اپنے ایک شعر میں ''شہیدے'' کہا ہے جو بمعنی شہید بھی ہو سکتا ہے اور مشہد کا رہنے والا بھی اور ممکن ہے اسی لفظ کے استعمال سے

آپؒ کے بارے میں مشہدی مشہور ہو گیا ہو۔

شہیدے نقش ہازد از غزل بر صفحۂ عالم
ہر آن نقشے کہ زد از فیض شاہ نقشبند آں زد

ایک شہید نے صفحہ عالم پر اپنی غزل سے نقش کھینچے ہیں
جو نقش بھی کھینچا ہے وہ شاہ نقشبند کے فیض سے کھینچا ہے

یہ شعر بھی آپؒ ہی کا ہے:

بیا اے عشق آتش زد دل افسردۂ مارا
بنور خود منور کن تن پژمردۂ مارا

اے عشق آ اور ہمارے افسردہ دل کو گرما دے
پژمردہ کملائے ہوئے جسم کو اپنے نور سے منور کر دے

مولانا عبدالغفور لاریؒ نے مولانا جامیؒ کے صاحبزادے ضیاؤالدین یوسفؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں طریقت میں مولانا جامیؒ کا جانشین قرار دیا ہے لیکن ترویج نسبت اویسیہ کی سعادت حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے حصہ میں آئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ربوبیت ہے کہ وہ نسبت اویسیہ جسے نویں صدی ھجری میں خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے ذریعہ عالمگیر سطح پر فروغ حاصل ہوا تھا' حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے ذریعہ مدینہ شریف میں حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے حصہ میں آئی جسے لے کر وہ ہندوستان تشریف لائے اور چار صدیوں تک برزخ میں اس نسبت کے امین رہے۔ ان سے یہ نسبت دور حاضر میں حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نے وصول کی اور قریباً چار صدیاں زیر زمین رہنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس نسبت نے پورے عالم کو جل تھل کر دیا۔

خواجہ عبید اللہ احرار اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا دور متصل ہے۔ قریباً پانچ صدیوں بعد مجدد فی الطریقت حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کا زمانہ ہے جو احیائے تصوف کا دور ہے۔ موجودہ شیخ نسبت اویسیہ حضرت امیر المکرّم نے حضرت جیؒ کا زمانہ پایا اور ربع صدی تک زیر تربیت رہے۔ حضرت جیؒ کے ذریعہ تصوف کی عالمگیریت کا پھر سے احیا ہوا اور عصر حاضر کے شیخ کی توجہ سے یہ روز افزوں ہے۔ تصوف کی عالمگیریت کے ان دو ادوار کے درمیان حائل ہونے والی چار' پانچ صدیوں میں حضرت ابوایوب محمد صالحؒ وہ عظیم ہستی ہیں جنہوں نے نسبت اویسیہ کی مشعل کو حضرت خواجہ اللہ دینؒ تک منتقل کیا جو چار سو سال دنیائے طریقت کے اس بطل جلیل کا انتظار کرتے رہے' جسے یہ مشعل منتقل کر سکیں یعنی حضرت مولانا اللہ یار خانؒ۔ اگرچہ تاریخ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کے تفصیلی حالات محفوظ نہ رکھ سکی لیکن نسبت اویسیہ کی روئے زمین پر نمود حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کی جیتی جاگتی تاریخ ہے جسے دیکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس قول کو دہرائے بغیر چارہ نہیں:

''جیسے پانی زیر زمین موجود رہتا ہے' کسی وقت چشمہ کی صورت میں باہر ابل پڑتا ہے اور زمین کو سیراب کرتا ہے' اسی طرح حقیقی تصوف و سلوک بھی کبھی کبھی غائب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی ذات کے واسطہ سے تصوف و سلوک کا چشمہ ابل پڑتا ہے اور ایک مخلوق کے قلب کو سیراب کرتا ہے۔ اسی وجہ سے سلسلہ اویسیہ ظاہر میں متصل نہیں ہوتا مگر حقیقت میں متصل ہوتا ہے۔''

ھمعات از شاہ ولی اللہؒ

حضرت سلطان العارفین
خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

دریائے چناب کی شوریدہ سر موجوں کو چیرتی ہوئی کشتی طالب والا پتن کے غربی گھاٹ پر جا لگی۔ مسافر ایک ایک کر کے کنارے پر اترنے لگے۔ بعض نے ایک دو کوس کے فاصلہ پر قریبی دیہات تک جانا تھا' وہ پیدل ہی چل پڑے اور دور کے مسافر گھوڑوں اور خچروں کے مالکان سے کرایہ طے کرنے لگے۔ ان سب سے الگ تھلگ ایک مردِ درویش اپنی منزل سے بے خبر اس فکر میں تھے کہ اب یہاں سے کس طرف جانے کا عندیہ ملے گا۔ کافی عرصہ سے وہ ہندوستان میں سیاحت کر رہے تھے اور اب واپسی کے سفر میں دریائے چناب عبور کیا تھا۔ حسین و پر نور چہرہ' لمبی داڑھی' ابھرے ہوئے گال' آنکھوں میں جلال اور گرد و پیش سے مستغنی' وہ یہاں کے باسی نظر نہ آتے تھے۔

پتن سے جنوب کی سمت دریا کے ساتھ ساتھ حدِ نگاہ تک گھنے درختوں کا سلسلہ اک سکون اور ٹھہراؤ کا سماں پیش کر رہا تھا۔ مردِ درویش کو جنگل کا یہ سماں پسند آیا اور قدم خود بخود جنوب کی سمت اٹھنے لگے۔ بھوک پیاس اور سفر کی تھکاوٹ کے باوجود وہ درختوں کے ساتھ ساتھ دریا کے بہاؤ کی سمت چلتے

رہے' یہاں تک کہ مٹی کے ایک ٹیلے کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ مشیت الٰہی میں یہی ٹیلہ ان کی منزل تھا جس کے لئے انہوں نے ہزاروں میل کا سفر طے کیا تھا اور مستقبل میں اسی ٹیلے کو ان کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

ٹیلے پر لکڑی کا ایک رہٹ چل رہا تھا جس کی ''ماہل'' پر مٹی کے ڈول نما برتن ایک ہار کی صورت میں پروئے ہوئے رہٹ کے چکر کے ساتھ کنوئیں سے نکلتے اور ایک ایک کر کے لکڑی کے بڑے سے ''پاڑ چھے'' میں پانی انڈیل کر پھر سے کنوئیں میں اتر جاتے۔ ایک دائرے میں خراماں خراماں چلتے ہوئے دو بیل اس رہٹ کو چلا رہے تھے اور قریب ہی درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے یہاں کے زمیندار اس سارے عمل کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہ کوئی عام کسان نہ تھے بلکہ حضرت غوث بہاؤالدینؒ کی لخت جگر کی اولاد میں سے تھے اور اپنے عظیم نانا کے روحانی وَرثہ کے امین تھے۔

نو وارد مسافر نے انہیں سلام مسنون پیش کیا۔ زمیندار پہلے ہی دور سے آتے ہوئے مردِ درویش کی طرف متوجہ تھے۔ مہمان کو انتہائی محبت کے ساتھ چارپائی پر بٹھایا اور پنجاب کی روایتی مہمان نوازی شروع ہوگئی۔ اٹھتے ہوئے بطور اظہارِ تشکر مردِ درویش نے جیب سے ایک ''گیٹی'' (چھوٹا سا پتھر) نکالی اور زمیندار کو اس طرح پیش کی گویا اس دعوت کے جواب میں کسی انعام سے نوازا جا رہا ہو۔ زمیندار نے پتھر کے اس ٹکڑے کو بغور دیکھا اور پھر اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔

درویش کی زبان سے فوراً نکلا:

''آپ نے یہ کیا کیا؟ یہ کوئی عام پتھر نہیں' پارس تھا جو پتھر سے مس ہو تو اسے سونا بنا دے۔''

مہمان کا تعارف تو ہو گیا کہ وہ کوئی صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ لہٰذا اب میزبان نے بھی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا:

''یہ بات ہے تو آپ پہچان کر اپنی گیٹی واپس لے لیجئے۔''

اور اس کے ساتھ ہی کنوئیں سے نکلنے والے گھڑوں نے پانی کے ساتھ ساتھ کنکر اور گیٹیاں بھی انڈیلنا شروع کر دیں کہ جسے اٹھائیں وہ ہیرا نظر آئے۔ اس سے زائد اب کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی۔ ولی را ولی می شناسد۔ مہمان ظاہر و باطن میں ولی اللہ اور میزبان لباسِ مجاز میں زمیندار لیکن باطن میں اللہ تعالیٰ کے ولی تھے۔ مہمان حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ تھے اور میزبان زمیندار مخدوم میاں عبدالغنیؒ تھے۔

آج بھی صدیوں کے تواتر کے ساتھ مٹی کے اس ٹیلے پر مرد درویش کا مزار مقامی آبادی میں ''ہیروں والا دربار'' کہلاتا ہے۔ یہ نام ہیروں کی نسبت سے اس واقعہ کی سند ہے جو حضرت سلطان العارفینؒ اور میاں عبدالغنیؒ کے مابین تعارف کے ضمن میں پیش آیا۔ یہاں کے لوگ اسی نام سے مزار کو پہچانتے ہیں۔ کوئی اور نام لیں یا حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کا پوچھیں تو ناواقفیت کا اظہار کرتے ہیں۔

صاحبِ مزار کے بارے میں مقامی لوگ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ولی تھے جو زمانۂ قدیم میں یہاں تشریف لائے اور اُن کی آمد کے ساتھ علاقے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت امڈ آئی۔ اس سے قبل ان کے مویشی سیلاب کے بعد پھیلنے والی بیماریوں سے کثیر تعداد میں مر جایا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ولی کی برکت سے ان کی حفاظت فرما دی۔ اس علاقے کے لئے وہ بزرگ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تھے' ان کی آمد اللہ تعالیٰ کی عطا

تھی، ''اللہ دیا'' اور پھر مقامی لوگوں میں یہی لقب مشہور ہوا جو بعد میں اللہ دین میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت امیر المکرّم نے اس تبدیلی کی وجہ دین کی خدمت بیان فرمائی ہے۔ لنگر مخدوم کے گردونواح میں آپؒ کا مزار ''دربار ہیروں والی سرکار'' کے نام کے علاوہ ''دربار اللہ دیا'' کے نام سے بھی معروف ہے۔

یہاں کے لوگ اب بھی ''ہیروں والی سرکار'' یا ''اللہ دیا'' کی برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ سیلاب کے بعد آج بھی مویشی مزار کے قریب درختوں تلے لائے جاتے ہیں جس کے بعد یہاں کے لوگ امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بیماریوں سے محفوظ فرمائے گا۔ صاحبِ مزار کے بارے میں اس سے زائد تفصیلات مقامی لوگوں کے علم میں نہیں۔ وہ کون تھے' یہاں کس لئے تشریف لائے اور اب دور دراز سے اجنبی لوگ ان کے مزار پر کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ یہ معلوم کرنا شاید ان کی ضرورت بھی نہیں۔

مخدوم عبدالغنیؒ کو نہ صرف مہمانِ ذیشان کی آخر وقت تک میزبانی کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ 63 برس کی عمر میں جب حضرت سلطان العارفینؒ کا وصال ہوا تو آپؒ نے وصیت فرمائی کہ مجھے اسی ٹیلہ پر دفن کر دینا۔ چنانچہ رہٹ کے ساتھ جس کچی کوٹھڑی میں آپؒ نے عمر بسر کی تھی' اسی کو آپؒ کی ابدی آرام گاہ بننے کی سعادت بھی ملی۔ اس ٹیلے پر مسجد اور مزار کی تعمیر کے لئے کھدائی کی گئی تو یہاں سے رہٹ کے ٹوٹے ہوئے گھڑوں کی ٹھیکریاں ملیں جو ماضی کے رہٹ کی خبر دیتی ہیں۔

مخدوم عبدالغنیؒ کے استاد میاں عبدالکریمؒ وہ صاحبِ علم شخصیت تھے جن کے درس میں برصغیر کے اطراف واکناف سے علم کے متلاشی سالہا سال حصولِ علم کے بعد واپس لوٹتے اور اپنے اپنے علاقے میں علم پھیلانے کا

ذریعہ بنتے۔ حضرت جیؒ کی ریکارڈ شدہ روایت کے مطابق ان طالب علموں میں جنات بھی شامل تھے۔

برصغیر میں آمد کا زمانہ

لاہور کے مشہور بزرگ حافظ محمد اسماعیل سہروردیؒ المعروف ''وڈّا میاںؒ'' بھی مخدوم عبدالکریمؒ کے شاگرد تھے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد انہوں نے مغلپورہ' لاہور میں ایک درس قائم کیا جو ''درس وڈّے میاںؒ'' کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ محمد اسمٰعیل سہروردیؒ کی سوانح ''تذکرہ میاں وڈا صاحب'' کے مطابق انؒ کا سن پیدائش 995ھ بمطابق 1587ء ہے۔ اس طرح مخدوم عبدالکریمؒ سے انہوں نے گیارھویں صدی کے ابتدائی سالوں میں تعلیم پائی۔ ان کی سوانح میں یہ بھی مذکور ہے کہ مخدوم عبدالکریمؒ اس وقت کافی ضعیف ہو چکے تھے۔

مجددِ طریقت حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ نے جب کبھی حضرت سلطان العارفینؒ کی برصغیر میں آمد کے سن کا ذکر کیا' دسویں صدی ھجری کا زمانہ فرمایا لیکن جب وقت کا تخمینہ لگایا' ہمیشہ چار سو سال قبل کہا اور تاریخی اعتبار سے اسے مخدوم عبدالغنیؒ کا زمانہ قرار دیا۔ مخدوم عبدالغنیؒ کا زمانہ تخمیناً دسویں صدی ہجری کا ہی زمانہ ہے اور حضرت سلطان العارفینؒ جب لنگر مخدوم تشریف لائے تو یہ مخدوم عبدالغنیؒ کی جوانی کا ابتدائی دور تھا۔

خراسان میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے حضرت ابوایوب محمد صالحؒ کی ملاقات نویں صدی کے آخر میں ہوئی۔ حضرت جیؒ کے قول کے مطابق مدینہ شریف میں ان کی آمد اوائل دسویں صدی ھجری میں ہوئی۔

ان واقعات کا تقابل کیا جائے تو مخدوم عبدالغنیؒ نے اپنے استاذ مخدوم عبدالکریمؒ سے ان کی جوانی میں تعلیم پائی جبکہ ''میاں وڈاؒ'' کا زمانہ تعلیم قدرے بعد کا ہے جب مخدوم عبدالکریمؒ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ اس طرح حضرت جیؒ نے برصغیر میں حضرت سلطان العارفینؒ کی آمد کا تخمیناً جو زمانہ بتایا ہے' اس کی تائید اس دور کے دوسرے حالات و واقعات سے بھی ہو رہی ہے اور یہ قریباً دسویں صدی ہجری کا نصف بنتا ہے۔ البتہ حضرت جیؒ نے چار سو سال قبل کی جو مدت فرمائی ہے اسے بھی تخمیناً لیا جائے کیونکہ آپؒ کے بتائے ہوئے دیگر واقعات چار سو سال سے کچھ عرصہ قبل کے ہیں۔ حافظ محمد اسمٰعیل سہروردیؒ کی سوانح میں لنگر مخدوم کے دیگر حالات و واقعات کا سرسری تذکرہ ملتا ہے لیکن اسی گاؤں میں حضرت سلطان العارفینؒ کی موجودگی کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ دسویں صدی کے اواخر میں وصال پا چکے تھے۔

حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ شریف کے باسی تھے۔ اپنے شیخ حضرت ابوایوب محمد صالحؒ سے روحانی تربیت حاصل کرنے کے بعد سیاحت کے لئے روانہ ہوئے اور مختلف بلاد سے گھومتے ہوئے بالآخر ہندوستان تشریف لائے۔ دہلی سے آپؒ نے واپسی کا سفر اختیار کیا اور جب لنگر مخدوم پہنچے تو بقیہ عمر یہیں گزار دی۔ یہاں آنے کا مقصد اس وقت آپؒ کو خود بھی معلوم نہ تھا۔ کئی صدیوں تک فیوض و برکات کا یہ خزانہ مستور رہا یہاں تک کہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے اس خزانے کی نشاندہی کا شرف حاصل کیا اور پھر حضرت جیؒ کی روحانی تربیت فرمانے کے ساتھ ہی آپؒ کی یہاں تشریف آوری کا مقصد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

مخدوم خاندان

حضرت سلطان العارفینؒ کے میزبان میاں عبدالغنیؒ کا تعلق مخدوم خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے جدِّ امجد مخدوم برہان الدین (1245ء) حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے خلیفہ اور داماد تھے۔ سلاسلِ تصوف میں ان کی نسبت سلسلۂ سہروردیہ سے ملتی ہے۔ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے انہیں بغرض تبلیغ ملتان سے روانہ فرمایا جو سلطان التمش کا زمانہ تھا۔ مخدوم برہان الدینؒ کے دیرینہ رفیق اور محبوب دوست حضرت شہابل شاہؒ بھی ساتھ آئے اور عمر بھر کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ آج لنگر مخدوم کے نزدیک چنگڑ انوالہ کے قبرستان میں حضرت میاں برہان الدینؒ اور حضرت شہابل شاہؒ کی متصل قبریں ان کی مستقل رفاقت کا احساس دلاتی ہیں۔ مخدوم خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ روانگی کے وقت حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ نے مخدوم برہان الدینؒ کے لئے افزائش نسل کی دعا فرمائی۔ اس دعا کی قبولیت یوں نظر آتی ہے کہ چنگڑ انوالہ کے اس تاریخی قبرستان کی چاردیواری میں مخدوم برہان الدینؒ کے خاندان کی قبروں پر مشتمل ایک جہان آباد ہے۔

تاریخی قبرستان

اس قبرستان میں جب حضرت سلطان العارفینؒ کے میزبان' مخدوم عبدالغنیؒ کو دفن کیا گیا تو ان کے پاؤں کی سمت مخدوم حافظ عبدالکریمؒ کی قبر تھی جو ان کے استاد تھے۔ درمیان میں کچھ اور قبروں کی وجہ سے تدفین کے وقت قرینۂ ادب کا خیال نہ رکھا گیا لیکن دوسرے روز جب لوگ قبرستان میں آئے تو یہ

دیکھ کر حیران ہوئے کہ مخدوم عبدالغنیؒ کی قبر کا رخ مخدوم عبدالکریمؒ کے سرہانے سے قدرے پھر چکا ہے۔ آج بھی چنگڑ انوالہ کے قبرستان میں یہ قبر اپنی منفرد سمت اور اس پس منظر کی وجہ سے ادب واحترام کا لازوال سبق دے رہی ہے۔

حضرت جیؒ لنگر مخدوم آتے تو چنگڑ انوالہ کے اس قبرستان میں اکثر تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ ساتھیوں کے ہمراہ قبرستان کے قریب پہنچے تو انتہائی تیز خوشبو نے استقبال کیا۔ بعض احباب بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہاں تو اس طرح خوشبو آ رہی ہے جیسے گلاب کا باغ لگا ہوا ہو۔ دراصل حضرت جیؒ جب حدودِ قبرستان کے قریب پہنچے تو اہلُ اللہ کی ارواح نے بڑھ کر استقبال کیا اور ساتھیوں کو اس طرح خوشبو محسوس ہوئی جیسے گلاب کا باغ لگا ہو۔

حضرت جیؒ سے یہ کیفیت عرض کی تو آپؒ نے فرمایا:

> ''میں تمہیں باغ دکھانے ہی تو جا رہا ہوں۔ اس قدر اولیائے کرام اس قبرستان کی چار دیواری میں آرام فرما ہیں جس کی نظیر حجازِ مقدس کے علاوہ دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔''

حضرت جیؒ کی ہدایت تھی کہ لنگر مخدوم آئیں تو چنگڑ انوالہ کے اس قبرستان میں ضرور جایا کریں۔

مخدوم برہان الدینؒ کے بعد خواجہ قطب محمد شاہ دُولہؒ دہلی سے اس علاقے میں تشریف لائے۔ وہ قطب مدار تھے اور مُستجابُ الدّعوات بھی۔ حضرت جیؒ اگرچہ خود بھی مُستجابُ الدّعوات تھے لیکن ذاتی امور میں دعا کے لئے اکثر خواجہ قطبؒ سے روحانی رابطہ فرماتے۔ جب قبولیت کا معاملہ نہ ہوتا تو قطب صاحبؒ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی بجائے فرماتے' حضرت آپ خود دعا فرمائیں۔

حضرت جیؒ کا معمول تھا کہ آپؒ جب کبھی یہاں تشریف لاتے' کچھ

دیر خواجہ قطبؒ کی قبر پر ضرور ٹھہرتے اور دعا کے لئے کہتے۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ خواجہ قطبؒ کی قبر پر آئے تو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ بھی ساتھ تھے۔ حضرت جیؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ حضرت قطب محمد شاہ دولہ' دہلی والے' عالم ہیں یا نہیں۔ حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

> استاد (خواجہ عبدالرحیمؒ) سادہ تھے' انہوں نے حضرت قطبؒ سے یہی بات کر دی۔ وہ بہت متحمل مزاج تھے۔ فرمانے لگے' مولوی صاحب (حضرت جیؒ) کو مغالطہ لگا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ میری پہلی خصوصیت دوام حضور ہے' ہر وقت حضور ﷺ کی حضوری میں رہتا ہوں۔ دوم مستجاب الدعوات ہوں۔ میں دل سے دعا کروں تو آسمان گر پڑے گا' زمین پھٹ جائے گی لیکن میری دعا رد نہیں ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ ان مستجاب الدعوات ہستیوں کی دعاؤں میں ہمیں بھی شریک فرمائے۔ آمین!

مخدوم شیر محمدؒ (المتوفّی 1954ء)' جن کے پاس حضرت جیؒ اپنے اُستاذِ مکرم کے چوری شدہ بیلوں کی بازیابی کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے' ان کے والد مخدوم احمد یارؒ بھی مُستجابُ الدعوات تھے۔ ان کی خدمت میں علاقہ بھر سے لوگ حاجات کے سلسلے میں دعاؤں کے لئے حاضر ہوا کرتے۔ مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی چوری شدہ گائے کی بازیابی کے لئے دعا کرانے حاضر ہوا لیکن انہوں نے دعا کی بجائے فرمایا' گائے چور کو بخش دو۔ اس نے بادلِ نخواستہ گائے چور کو بخش دی اور پریشان حال واپس لوٹا۔ جب تین روز

گزرے تو گائے خود بخود اس کے ڈیرہ پر واپس پہنچ گئی۔ دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور گائے کی واپسی کی اطلاع دی۔ مخدوم احمد یارؒ یہ سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

''حلال وحرام ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ چور کے ڈیرہ پر تمام مال حرام کا تھا' تم نے گائے بخش دی تو یہ اس کے لئے حلال ہوگئی۔ چونکہ حرام مال کے ساتھ اس کا رہنا محال تھا اس لئے واپس آ گئی لیکن اس بات کا دکھ ہے کہ یہ پہلے دن ہی واپس کیوں نہیں آئی۔ شاید کچھ کمی میرے اپنے معاملات میں ہے۔''

مراقبہ مُوتُو

مخدوم احمد یارؒ کے والد میاں غلام رسولؒ (المتوفّی 1893ء) کی نسبت قادری سلسلہ سے تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں حضرت جیؒ چنگڑانوالہ میں جب کبھی ان کی قبر پر تشریف لے جاتے تو وہ وہاں نہ ہوتے بلکہ علیین میں ہی رہتے۔ رابطہ قائم ہونے پر کہا کرتے:

''کیوں تنگ کرتے ہو۔ ملاقات اس لئے نہیں ہوسکتی کہ میں علیین میں ہوں اور آپ کی وہاں رسائی نہیں ہوتی۔ چلو مراقبہ مُوتُو کرا دیتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ حضرت جیؒ کو علیین میں لے گئے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے:

''مراقبہ مُوتُو' میں نے میاں غلام رسولؒ سے حاصل کیا۔ یہ مراقبہ منازلِ سلوک سے نہیں' صرف سیر ہے اصلاحِ نفس

کے لئے کہ اس طرح حالات پیش آئیں گے۔''

ایک بار یہ بیان کرتے ہوئے حضرت جیؒ نے جلال کے عالم میں فرمایا:

''دیکھ لو بیت المعمور' سدرۃ المنتہیٰ' لوحِ محفوظ' وہ جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک سے کلام ہوا۔''

حضرت جیؒ کا یہ ارشاد اہلِ بصیرت کے مشاہدہ کے لئے کافی تھا۔ پھر آپؒ نے کرسی دکھائی اور فرمایا:

''یہ مقامات سلوک میں داخل نہیں۔ مقدس مقامات ہیں' اس لئے کروا دیئے۔ سلوک وہ ہے جو متقدمین سے ملا' تواتر کے ساتھ۔ قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے' ساری دنیا اس میں سما جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے۔''

مخدوم عبدالغنیؒ کو حضرت سلطان العارفینؒ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا تھا تو میاں شیر محمدؒ کو خواجہ عبدالرحیمؒ اور حضرت جیؒ کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کا مزار چونکہ مخدوم عبدالغنیؒ کی زمین پر واقع ہے تو ان کی میزبانی کا شرف قیامت تک کے لئے ہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے ایما پر مخدوم کرم الٰہی نے ٹیلہ سے درخت کٹوا کر حضرت سلطان العارفینؒ کا مزار تعمیر کرایا۔ 1925ء کا بندوست اراضی ہوا تو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگرد تحصیلدار وزیر علی نے ایک مربع زمین بھی مزار کے نام وقف کر دی۔ 1978ء میں مزار سے ملحقہ مسجد پختہ ہوئی جس کی مزید توسیع 1986ء میں کی گئی۔

حضرت سلطان العارفینؒ مدینہ شریف سے لنگر مخدوم آئے تو پھر یہیں

کے ہو رہے لیکن مخدوم خاندان یا مقامی لوگ آپؒ سے فیض یاب نہ ہو سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مخدوم خاندان کا تعلق حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی اولاد ہونے کی نسبت سے سلسلہ سہروردیہ سے تھا جبکہ حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ سلسلہ نقشبندیہ سے تھے۔ مخدوم خاندان نے آپؒ کی انتہائی تکریم کی اور میزبانی کا شرف حاصل کیا لیکن اپنے سلسلہ پر قائم رہے اور حضرت سلطان العارفینؒ نسبت اویسیہ کو لئے برزخ میں منتقل ہو گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے قریباً چار صدیوں بعد یہاں مستور چشمۂ فیض کی نشاندہی کی اور حضرت جیؒ کے حضرت سلطان العارفینؒ سے روحانی رابطہ کے ساتھ ہی فیض کا یہ سوتا پھر سے پھوٹ پڑا۔

اکتساب فیض بطریق اویسیہ

یہ دستورِ الٰہی ہے کہ مخلوق کی ضروریات کا اہتمام پہلے سے کر دیا جاتا ہے' زمین میں دفن تیل یا نایاب یورینیم کی طرح جس کے خزانے تخلیق ارض کے ساتھ ہی اس کے سینہ میں رکھ دئے گئے تھے لیکن لاکھوں سال گزرنے کے بعد آج کا انسان ان سے مستفید ہو رہا ہے۔ اسی طرح حضرت سلطان العارفینؒ اگرچہ صدیوں قبل یہاں تشریف لائے لیکن دورِ حاضر میں روئے زمین پر سلسلۂ اویسیہ کے احیاء کا ذریعہ بن گئے۔ حضرت جیؒ کا فرمان ہے:

''میں نے اپنے محبوب شیخؒ سے اخذ فیض کیا اور اجازت لی ہے۔ میرے اور میرے شیخ مکرّم کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ ہے۔ میں نے اویسی طریقہ سے اپنے شیخ کی روح سے فیض بھی حاصل کیا' خلافت بھی ملی اور بحمد اللہ میرے محبوب شیخ کا فیض تربیت اس وقت دنیا کے گوشے

گوشے میں پھیل رہا ہے۔''

طریق اویسیہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے محبوب شیخ (حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ) کی روح سے فیض حاصل کیا۔ میرے اور شیخ مکرم کے درمیان کوئی چار سو سال کا فاصلہ ہے۔ میں نے اویسی طریقے سے شیخ کی روح سے فیض حاصل کیا' اویسی وہ ہوتا ہے جس نے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل کیا ہو۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ اویسی طریقے سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اس سلسلہ والے حضور ﷺ کی روح پُر فتوح سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ بحمد اللہ اس فقیر کو اب بھی حضور ﷺ کی روح مبارکہ سے فیض حاصل ہو رہا ہے۔''

حضرت جیؒ نے اویسی طریقہ فیض کے بارے میں ایک اور موقع پر فرمایا:

''اہل سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ صاحب قبر سے فیض ہوتا ہے مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ روح سے حصول فیض کے لئے ربط کا قائم ہونا ضروریات میں سے ہے۔ مبتدی اگر سو سال بھی کسی قبر پر بیٹھا رہے' جب تک کوئی زندہ شخص اس کو یہ ربط نہ کرائے خود بخود حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان ہزاروں حجابات ہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ صرف چند فٹ زیر زمین ہیں بلکہ وہ ایک اور عالم میں ہیں۔ کوئی ایسی ہستی ضروری ہے جو اپنی توجہ سے حجابات کو پھاڑ کر رکھ دے اور وہاں تک پہنچا کر ان سے ربط پیدا کر

دے۔ان سے ایسا تعلق قائم ہو جائے تو فیض شروع ہو جاتا ہے اور یاد رہے! اخذ فیض کے لئے یہ ضروری ہے۔''

''روح سے اخذ فیض اور اجرائے فیض ذوقی چیز ہے۔

لطف ایں مے نشاسی بخدا نہ چشی

بخدا جب تک تو اس کو چکھے گا نہیں' اس کے لطف و سرور کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

حضرت جیؒ نے اعلان فرما دیا کہ آؤ اور خود اس مے کو چکھو۔آپؒ فرماتے ہیں:۔

''اگر کوئی اللہ کا بندہ ذوقی جواب چاہتا ہے تو صلائے عام ہے۔طلب اور خلوص لے کر آ جائے اور ممکن اور محال میں فرق کرے' ورنہ صرف باتیں بنانے سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں' جسے منازل علیا کی ضرورت ہو تو اس کے لئے بھی بفضل تعالیٰ دروازہ کھلا ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان است

خم و خمخانہ بامہرد نشان است

تمام دروازے بند ہو چکے ہیں ایک دروازہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کھلا ہے۔ جو کچھ ملتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی جوتیوں سے ملتا ہے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید

کہ ہرگز نخواہد بمنزل رسید

آقائے نامدار ﷺ کی اتباع کے بغیر کوئی اور راستہ نہیں

کہ اس کے بغیر کوئی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔''

آداب شیخ کی وجہ سے حضرت جیؒ ایک عرصہ تک حضرت سلطان العارفینؒ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کچھ دریافت نہ کر پائے۔اسی طرح دو تین سال گزر گئے۔شیخؒ کے حالات کے بارے میں تجسس تو تھا لیکن سوال کی جسارت نہ کر پاتے۔آخر ایک روز دل کی بے زبانی رنگ لائی۔حضرت سلطان العارفینؒ نے یہ حالت دیکھتے ہوئے خود ہی فرمایا:

''اچھا' آج بدھ ہے۔جاؤ' کل جمعرات' پرسوں جمعہ کے دن میرے پاس آنا۔قلم دوات اور کاغذ لانا' میں آپ کو اپنے حالات بتاؤں گا۔''

حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''دن گزرتے نہیں تھے۔وقت لمبا ہو گیا۔ جمعہ کے روز حاضر ہوا تو حضرت سلطان العارفینؒ نے اپنے حالات قلم بند کرائے جن کے مطابق:

حضرت سلطان العارفینؒ ہاشمی النسل تھے اور ان کا تعلق روضۃ الرسول ﷺ کے مجاور خاندان سے تھا۔ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ان کے شیخ حضرت ابو ایوب محمد صالح مدینہ منورہ آئے تو ان کی روحانی تربیت فرمائی اور شیخؒ سے سالک المجذوبی تک سلوک طے کیا۔ پھر سیاحت کی طلب ہوئی تو مدنیہ منورہ سے حضرت ابو ایوب محمد صالحؒ نے انہیں رخصت کیا اور وہ خود خراسان واپس چلے گئے۔''

حضرت جیؒ کو اپنے حالات قلم بند کراتے ہوئے حضرت سلطان العارفینؒ نے فرمایا:

''میں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ دہلی سے ہوتا ہوا یہاں آیا تو جنگل تھا۔ دل لگا اور یہیں ٹھہر گیا۔ زندگی میں کسی کو قریب نہیں آنے دیا۔ شیخؒ کی اجازت کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تو اس کے بعد پوری عمر کسی عورت کی شکل نہیں دیکھی☆۔''

مدینہ منورہ سے نقل مکانی

حضرت جیؒ نے حضرت سلطان العارفینؒ سے مدینہ منورہ سے نقل مکانی کا سبب دریافت کرتے ہوئے عرض کیا:

''یہ مہبطِ وحی' دارالخلافہ اسلام کا اور نبوت کا متبرک مقام! چھوڑ کر یہاں کیوں آئے؟''

فرمانے لگے:

''اس وقت تو پتہ نہیں چلا' اب پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت کا کام لینا تھا۔''

حضرت جیؒ نے اپنے ایک مکتوب مورخہ 31.3.1974 بنام حافظ عبدالرزاقؒ میں حضرت سلطان العارفینؒ سے اپنے اس سوال کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

☆ حضرت جیؒ نے 1980ء میں فرمایا تھا کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے روضہ کے اندر خواتین کو جانے کی اجازت نہیں اور اس وقت تک یہی صورت تھی لیکن اب اس کے خلاف عمل شروع ہو چکا ہے۔

''حضرت سلطان العارفینؒ سے سوال ہوا کہ آپؒ کا اس ملک میں' عرب جہاں تجلیات باری کی بارش ہو رہی ہے' ترک کر کے آنا کیونکر ہوا۔ فرمایا' اول تو علم نہ تھا' اب معلوم ہوا ہے کہ آپ (حضرت جیؒ) کی تربیت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس بنا پر کسی غیر سے توجہ نہیں دلائی گئی۔ منازل بالا میں تبدیلی مقام ہوتی تھی' توجہ براہ راست رسول خدا ﷺ کی تھی۔ پھر منازل انبیاء میں جا کر خدا تعالیٰ کی طرف سے براہ راست فیض ملنا شروع ہوا' ہاں اس میں واسطہ اتباع نبی ﷺ فیض ہے' بغیر اتباع نبی ﷺ محال ہے۔''

حضرت سلطان العارفینؒ کی مدینہ شریف سے نقل مکانی کے بارے میں حضرت امیر المکرّم ایک نہایت لطیف پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''دیار نبوی ﷺ کی حاضری کے دوران میں وہاں سے کسی چیز کو اٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ پتھر' وہ کنکریاں جنہیں اس مقدس سرزمین میں جگہ مل گئی' انہیں وہاں سے جدا کرنے کا تصور بھی محال ہے۔ حضرت سلطان العارفینؒ صاحب حال تھے' صاحب نظر تھے' وہ حرم نبوی ﷺ سے جدائی کا تصور کس طرح کر سکتے تھے؟ وہ خود نہیں آئے' انہیں لایا گیا' کیوں کہ نسبت اویسیہ کا احیا اس دور پر آشوب کی ضرورت تھی جس کا اہتمام بارگاہ

ربوبیت نے صدیوں سے کر دیا۔''

حضرت جیؒ کے ساتھ پہلے ہی ذکر میں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ حالت مراقبہ میں تھے تو ان کی زبان پر یہ بات آ گئی:

''جس آدمی کا انتظار تھا' وہ آ گیا ہے۔''

مراقبہ کے بعد حضرت جیؒ نے دریافت کیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ قول دراصل حضرت سلطان العارفینؒ کا تھا جو دورانِ مراقبہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی زبان سے ادا ہوا۔

مختصراً اپنے حالات بیان کرنے کے بعد حضرت سلطان العارفین نے حضرت جیؒ کو فرمایا:

''اَنْتَ مجاوَرِی ' یہاں رہو' جس کو تم پیش کرو گے اس کو میں فیض دینے کے لئے تیار ہوں۔''

تین سال بعد حضرت جیؒ کو صاحبِ مجاز بنایا لیکن سلسلہ بدستور اپنے ہاتھ میں رکھا۔ سلسلہ منتقل ہونے تک حضرت جیؒ اگر کسی کو صاحبِ مجاز بناتے یا روحانی بیعت کراتے تو اس کے لئے حضرت سلطان العارفینؒ کی توثیق ضروری ہوا کرتی تھی۔

حضرت سلطان العارفینؒ کا عربی نام کیا تھا؟ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' ان کا نام 'اللہ دین' مقامی لوگوں کے دیئے ہوئے نام 'اللہ دیا' کی ایک صورت ہے۔ اپنا اصلی نام انہوں نے بتایا نہ حضرت جیؒ نے دریافت کرنا ضروری خیال کیا۔ اب ان کا علاقائی نام حضرت اللہ دینؒ ہی معروف ہے اگرچہ مدینۃ النبی ﷺ کی نسبت سے اس کے ساتھ مدنی کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المکرّم مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ احباب تو پوچھنے کی

جسارت نہیں کر سکتے' مناسب ہو تو آپ معلوم کر دیجئے لیکن ان کی خاموشی سے اندازہ ہوا کہ حضرت جیؒ کا ادب مانع ہے۔ اس امر میں جب حضرت جیؒ نے سکوت فرمایا تو حضرت امیر المکرّم نے بھی سکوت فرمایا اگرچہ دریافت کیا جا سکتا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت جیؒ سے مختلف جماعتوں، بشمول چند دینی جماعتوں نے رابطہ کیا اور عہدوں کے علاوہ مالی فوائد کی پیشکش بھی کی۔ حضرت جیؒ اکثر اس کا تذکرہ فرمایا کرتے:

''تقسیم ملک کے بعد ایک سیاسی جماعت والے آئے اور تین ضلعوں کے امیر بننے کی پیش کش کی۔ پھر ایک اور جماعت والے آئے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت سلطان العارفینؒ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا:

''یہ جماعتیں دراصل تجارت کی کمپنیاں ہیں۔ مسجد ان کی منڈی ہے اور منبر ان کی دکان' دین سے ان کا کیا واسطہ! محض اپنے مقاصد کے لئے کام کرتے ہیں اور جہاں شریعت کے احکام ان کے ذاتی مقاصد سے متصادم ہوں' وہاں شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کو کسی جماعت میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیا آپ کی جماعت نہیں ہے؟ تمام برزخ والے آپ کی جماعت ہیں۔''

پھر فرمایا:

''کیا آپ آدمی نہیں؟ کیا آپ کی جماعت نہیں؟ یہ تو زندے (دنیا والے) ہیں۔ برزخ والوں کی جماعت

آپ کی جماعت ہے۔تن تنہا رہ کر کام کریں۔اللہ تعالیٰ پر
بھروسہ رکھیں۔آپ کی جماعت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

حضرت جیؒ نے فرمایا کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے اس ارشاد کے بعد مجھے ان جماعتوں سے تنفر پیدا ہوگیا۔چوکیرہ والے امیر احمد شاہ بخاریؒ کو پتہ چلا تو مجھے خط لکھا کہ جس جماعت میں آپ جائیں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔میں نے انہیں جواب دیا کہ ہم دونوں ایک جماعت ہیں۔یاد رہے کہ رسالہ الفاروق میں حضرت جیؒ اور حضرت امیر احمد شاہ بخاریؒ نے مل کر کام کیا اور روافض کے خلاف اکٹھے جدوجہد کی۔

حضرت جیؒ کا عمر بھر یہ معمول رہا کہ وہ سال میں ایک بار احباب کے ہمراہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ضرور حاضری دیتے۔1977ء سے تین روزہ سالانہ اجتماع کا آغاز ہوا۔اکتوبر 1983ء کے سالانہ اجتماع میں حضرت جیؒ نے آخری بار یہاں حاضری دی۔اور اسی اجتماع میں اپنے بعد حضرت امیر المکرّم کی جانشینی کا اعلان فرمایا۔حضرت جیؒ کا دستور تھا کہ یہاں آمد کے ساتھ سیدھے مزار پر حاضر ہوتے اور کچھ دیر مراقب رہتے۔ اس کے بعد مسجد کے صحن میں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی قبر پر کچھ دیر کے لئے رکتے۔اجتماع کے اختتام پر روانگی سے قبل بھی حضرت جیؒ کا یہی معمول رہا۔

اللہ تعالیٰ حضرت جیؒ کے شیخ حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی آخری آرام گاہ پر کروڑوں کروڑوں رحمتوں کا نزول فرمائے جہاں سے صدیوں کے توقف کے بعد پھر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا احیاء ہوا اور اس مرتبہ کسی ایک علاقے کے لئے نہیں، عالمِ انسانیت کے لئے بلکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے.....آمین!

حضرت خواجہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ وہ ہستی ہیں جن کے ذریعہ مجتہد فی الطریقت حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کا حضرت سلطان العارفینؒ سے روحانی رابطہ قائم ہوا۔آپؒ نے تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کا زمانہ پایا جسے تاریخ کے اعتبار سے ماضی قریب کہا جا سکتا ہے۔اس لئے آپؒ کے حالات کے مآخذ براہ راست خود حضرت جیؒ ہیں یا آپؒ کے خاندان کے وہ افراد ہیں جن کے سامنے آپؒ کی زندگی کا آخری دور گزرا۔حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے بارے میں معلومات کا ایک اور مآخذ آپؒ کی لائبریری اور ذاتی ڈائری بھی ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ آپؒ کے بارے میں حاصل شدہ تمام معلومات کو ان اوراق پر منتقل کر دیا جائے تاکہ وقت کی دستبرد سے محفوظ رہ سکیں۔چونکہ یہ اضافی پہلو بھی پیش نظر ہے، اس لئے اس باب میں کہیں کہیں ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملے گا جو شاید اس کاوش کے عمومی مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو۔

خاندانی پس منظر

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ عربی النسل تھے اور تعلق ہاشمی خاندان سے تھا۔ آپؒ کا شجرۂ نسب حضرت زید بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے، آباؤ اجداد فاتح ہند حضرت محمد بن قاسمؒ کے ہمراہ برصغیر میں آئے اور پھر ملتان

کو اپنا مسکن بنا کر تعلیم و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

اسی خاندان کے ذریعہ ملتان کے گردونواح اور ضلع جھنگ میں دریائے چناب کے کنارے مختلف قصبات میں دینی تعلیم کو فروغ ملا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے پردادا میاں فتح محمدؒ نے اپنے دادا میاں شاہ محمدؒ کے حکم پر پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس کی ترویج کی سعادت بالآخر آپؒ کے والد مولوی غلام نبی فقیر اللہؒ کے حصہ میں آئی۔ اسی مقام پر 1855ء میں خواجہ عبدالرحیمؒ کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تعلّم، تصنیف و تالیف اور دعوت دین حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے آباء و اجداد کا طرۂ امتیاز نظر آتا ہے۔ آپؒ کے والد مولوی غلام نبی فقیر اللہؒ کا قلمی نسخہ 'ذوالفقار علی بر اعدائے اصحاب نبی ﷺ دفاع حرمت صحابہ میں شمشیر بے نیام ہے۔ یہ کتاب فارسی اور اردو زبان میں ہے اور 250 صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے انتخاب احادیث از 'استبصار' عربی (184 صفحات) اور 'ثمار التّنکیث' شرح ابیات جلال الدین سیوطیؒ فارسی (200 صفحات) قلمی نسخوں کی صورت میں محفوظ کیں۔ اسی طرح جلال الدین سیوطیؒ کی ایک اور کتاب شرح الصدور، شرح حال الموت فی القبور معروف شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور بزبان عربی 270 صفحات بڑی تختی کا قلمی نسخہ تحریر کیا جو 1309ھ میں مکمل ہوا۔ یہ انتہائی خوبصورت کتابت میں ہیں۔ منقش جلد اور پہلا صفحہ خوبصورت نقش و نگار کے ساتھ مزین ہے جن پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے۔

حضرت غلام نبیؒ نے اسرار طریقت پر مبنی کتاب 'آئینہ اسرار' کی کتابت اپنے جد امجد مولوی عبدالغفورؒ کے فرمان کے تحت 1302ھ میں مکمل کی۔ اس کتاب کے آخر میں اپنے خاندان کا 'کرسی نامہ جدی' بھی تحریر کیا جس سے یہ ظاہر ہوتا

ہے کہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کا خاندان حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسل سے تھا:

کرسی نامہ جدی

شیخ محی الدین نتیجہ از ابو صالح کریم — دان زعبداللہ بن یحییٰ علی الفضل العظیم
دان خلف علی محمد وی داؤد وی کمار — بعد ازاں موسیٰ عبداللہ راکن اختیار
ہست موسیٰ جون زعبداللہ محضای ذکی — دان خلف حسن مثنیٰ بن حسن حضرت علیؓ

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے بھائی مولوی عبدالصمد یار محمدؒ (المتوفی 1930ء) اپنے دور کے مشہور مناظر تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر نور حسین صابری کربلائی شیعہ مناظر کی کتاب 'فلک النجات' کے جواب میں 'نحر الحیات' تصنیف کی۔ ان کے ذاتی خطابات مختلف مہینوں، اسلامی تہواروں اور مواقع کی مناسبت سے عربی زبان میں قلمی نسخہ کی صورت میں ایک علمی اثاثہ ہیں۔

مولوی عبدالصمد یار محمدؒ نے عربی میں آقائے نامدار ﷺ، خلفائے راشدین، ائمہ اطہار، سادات کرام کی مدح اور ائمہ فقہ و اولیاء کرام پہ مشہور کتاب قرۃ التجار کا پنجابی ترجمہ نورالابصار فی مناقب ائمہ اطہار 1338ھ بمطابق 1941ء میں مکمل کیا۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور فاضل مترجم نے کتاب کے شروع میں بحسرت اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کوئی قدردان اسے پبلش کرادے۔ افسوس کہ ان کی یہ حسرت اب تک پوری نہ ہو سکی۔

خواجہ عبدالرحیمؒ کے آباء میں علم کے ساتھ شاعرانہ ذوق کا بھی حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ آپؒ کے جد امجد مولوی عبدالغفورؒ فارسی زبان کے صاحبِ دیوان شاعر تھے جن کا فارسی کلام قلمی نسخہ کی صورت میں محفوظ ہے۔ آپؒ کے بھائی مولوی عبدالصمد یار محمدؒ جن کی علمی فضیلت کا اوپر ذکر ہوا، پنجابی

اور فارسی کے شاعر تھے۔ اپنے نام کے ساتھ بعض اوقات مگھیانوی بھی لکھتے اور فارسی میں نعت کہتے۔ حمد' نعت' خلفائے راشدین' سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ' اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں ان کے بیالیس (42) اشعار کو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے کتبوں کی صورت تحریر فرمایا۔ ایک صدی قبل کے یہ کتبے جو فن کتابت کا اعلیٰ معیار ہیں' اس وقت دارالعرفان میں بطور تاریخی ورثہ محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند کتبوں کا عکس ملاحظہ ہو:

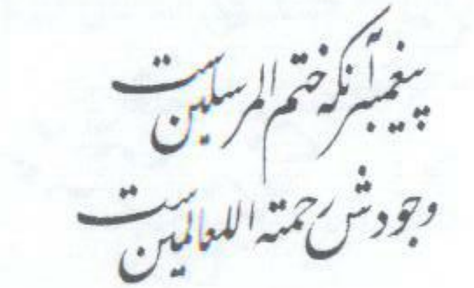


ترجمہ:

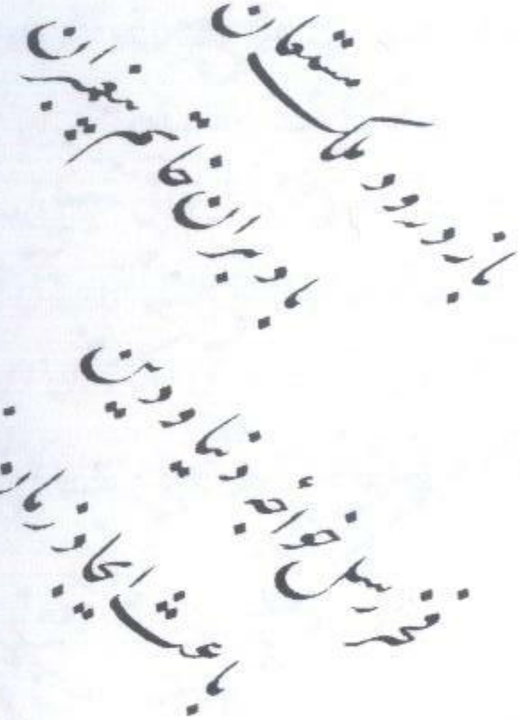
شکر کہ میرا یہ نامہ اللہ کے نام سے ہے
جو اپنے کرم سے میری حاجات پورا کرنے والا ہے
جو قادر و قیوم و توانا قوی ہے
جو ہر ایک کے بارے میں آگاہ اور باخبر ہے



اللہ کے نور کا ابر کرم
جن کے رخ انور سے شمس و قمر مستفید ہیں
اللہ تعالیٰ اپنی کمال عطا سے
مصطفیٰ ﷺ پر درود بھیجتا ہے



وہ نبی ﷺ جو ختم المرسلین ہے
اور جس کا وجود رحمت اللعلمین ہے



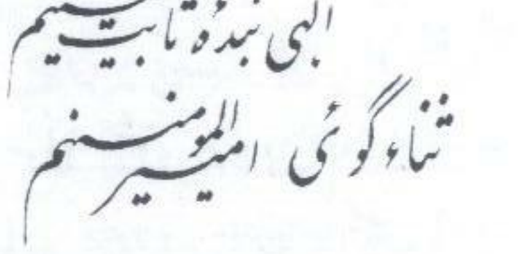
اس کے بعد مقبول فرشتوں کی طرف سے
ختم الرسل ﷺ پر دردو ہو
جو فخر رسل، دین و دنیا کے سردار
اور زمان و زمین کی تخلیق کا باعث ہیں



پھر آپ ﷺ کی پاک و طیب اولاد پر
جو ہمارے پاکیزہ سردار اور پیش رو ہے



پھر رحمت بھیج حضور اقدس ﷺ کے اہل بیت پر
اہل بیت اطہار پر جو ہمارے سادات اور رہنما ہیں
پھر اصحاب رسول کریم ﷺ پر رحمت بھیج
جن سے تو اپنے فضل خاص سے راضی ہو چکا ہے



الٰہی یہ بندہ یقین کا پختہ
اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ثنا گو ہے

حرمتِ این مغفرہ خواہانِ مَن
درگذر از جرمِ گناہانِ مَن

میری مغفرت چاہنے والوں کی حرمت کے طفیل
میرے گناہوں سے درگزر فرما



الٰہا !ہر ایک تیرے ہی در پر التجا کرتا ہے
تیرا عاشق تجھ سے تجھی کو مانگ رہا ہے

اسی طرح خواجہ عبدالرحیمؒ کے کتب خانے میں مشہور صوفی حضرت ابنِ یمین کا فارسی کلام قلمی نسخہ کی صورت محفوظ ہے۔ کلام نہایت دلگداز اور اس کی تحریر دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر دو جہاں بیک نظرِ او فروختم
در چار سوئی عشق زسُود و زیاں جدا
جمال یار چوں ابنِ یمیں دید
کہ یک شد شاہد و مشہود اینجا

میں نے دو جہاں ان کی ایک نگاہ کے بدلے فروخت کر دیئے
چونکہ طریق عشق میں سود و زیاں کے پیمانے اور ہیں
ابن یمین نے جونہی محبوب کے حسن کو دیکھا
اس نظارے نے محبّ اور محبوب کو ایک کر دیا

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ اور آپؒ کے خاندان کی بچی کھچی کتب کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے جن میں فقہ، حدیث، طب اور تفسیر کے موضوع پر نہایت قدیم اور نایاب کتب شامل ہیں۔ صرف فنِ طب کے موضوع پر ایک قلمی نسخہ

'طبُّ الکرم' 397 صفحات پر محیط ہے۔ اس وقت بھی اس لائبریری میں اکتالیس قلمی نسخے موجود ہیں جو ایک صدی یا اس سے بھی زائد عرصہ قبل تحریر کئے گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ اور آپؒ کے آباء واجداد کا یہ ورثہ اس خاندان کی علمی فضیلت اور دینی تعلق کا آئینہ دار ہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی قلمی میراث

مصحف قرآن حکیم: حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے نہایت شوق اور محبت سے انتہائی خوبصورت رسم الخط میں مکمل قرآن حکیم تحریر کیا۔ یہ ضخیم مصحف بڑی تختی میں 13x8 انچ صفحہ پر دیدہ زیب حاشیہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ مصحف تقریباً 125 برس پرانا ہے۔ آپؒ نے اس نسخہ پر بعض قرآنی آیات اور سورتوں کے حوالے سے وظائف بھی تحریر کئے۔ شروع میں مختلف اوقاف قرآنی کی تشریح ہے اور اختتام پر مولانا رومؒ کے فارسی اشعار تحریر کیے گئے ہیں۔ بالمقابل صفحات میں دائیں صفحہ کے اختتام پر بائیں صفحہ کا ابتدائی لفظ تحریر ہے تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو اور صفحہ نمبر کے بغیر بھی صفحات کی ترتیب برقرار رہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے یہ نسخہ اپنے نواسے میاں عبدالرشید کو بطور تحفہ دیا تھا جنہوں نے پیرانہ سالی میں راقم کو ہدیہ کر دیا جو اب سلسلہ عالیہ کی امانت ہے۔ اس نسخہ کے اوراق چونکہ انتہائی بوسیدہ ہو چکے تھے، اسے جدید تکنیک کے مطابق محفوظ کرنے کے بعد دارلعرفان میں رکھ دیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے تحریر کردہ مصحف قرآن کے پہلے دو صفحات کے عکس ملاحظہ ہوں جن میں سے پہلے صفحہ پر سورۃ فاتحہ اور دوسرے صفحہ پر سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات ہیں۔

سورة الفاتحة مكية وقيل مدنية وهي سبع آيات

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين ۝ الرحمن

الرحيم ۝ ملك يوم الدين ۝ إياك

نعبد وإياك نستعين ۝ اهدنا الصراط

المستقيم ۝ صراط الذين أنعمت عليهم ۝

غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝

سورة البقرة مدنية وهي مائتان وست وثمانون آية

بسم الله الرحمن الرحيم

الم ۝ ذلك الكتب لا ريب فيه

هدى للمتقين ۝ الذين يؤمنون

بالغيب ويقيمون الصلوة ومما

رزقنهم ينفقون ۝ والذين يؤمنون

بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك

دیگر قلمی نسخے: حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے دو مزید قلمی نسخے دستیاب ہو سکے ہیں۔ان میں سے ایک نسخہ 'جامع قوانین' فارسی زبان میں 310 صفحات پر محیط ہے جو آپؒ نے 6 اکتوبر 1891ء کو مکمل کیا تھا۔ دوسرا نسخہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا فارسی کلام 'لیلیٰ مجنوں' ہے جو یکم محرم 1312ھ میں مکمل فرمایا۔اس نسخہ پر تشریح کے لئے خواجہ عبدالرحیمؒ کے تحریر کردہ حاشیے جا بجا نظر آتے ہیں۔حسنِ کتابت غماز ہے کہ آپؒ نے یہ نسخہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی محبت میں ڈوب کر انتہائی چاہت سے تحریر فرمایا۔ یہ قلمی نسخے اس وقت دارالعرفان منارہ میں سلسلہ عالیہ کے کتب خانے میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ بعض نسخوں پر حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کے تحریر کردہ اشارات بھی ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخے حضرت جیؒ کی نظر سے بھی گزرے ہیں۔

ذاتی ڈائری: حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی ایک ذاتی ڈائری بھی دستیاب ہو سکی ہے جس کے چند اوراق پر خاندانی شجرہ کی صورت میں آپؒ کے عزیز و اقارب کے نام لکھے گئے ہیں۔آپؒ نے اس ڈائری کا آغاز اپنی بھائی مولوی عبدالصمد یار محمدؒ (متوفی 1265ھ) کی عربی دعا سے کیا ہے۔ڈائری میں اکثر اندارج مختلف عزیز و اقارب سے متعلق ہیں۔ان کی تاریخ وصال لکھتے ہوئے اظہار جذبات کے لئے فارسی اشعار کا سہارا لیا گیا ہے جن کے معیار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ خود بھی بلند پایہ شاعر تھے۔ کئی اشعار آپؒ کے جدامجد اور ماموں صاحبان کے بھی ہیں جو آپؒ نے ان کے وصال کے بعد تبرکاً خود تحریر فرمائے۔1301 ھجری میں آپ کے عزیز فقیر عبدالغفار کا وصال ہوا تو آپؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

برزبان داشت ذکر حق جاری — ہم بدل یاد خالق الباری

ان کی زبان پر ذکر حق جاری رہتا — اور دل میں ہر وقت اللہ کی یاد رہتی

اس ڈائری میں آپؒ نے مشہور صوفی بزرگ خواجہ شمس الدین سیالویؒ کی وفات پر چار فارسی اشعار لکھے ہیں۔

چوں کہ خواجہ شمس الدین صاحب یقین
کرد طے جملہ مدارج ہائے دین
چونکہ خواجہ شمس الدینؒ صاحب یقین تھے
انہوں نے دین کے تمام مدارج طے کر لئے
برگزیدہ اہل عرفان زماں
پیروی اخلاق ختم المرسلین ﷺ
زمانے کے اہل اللہ میں سے برگزیدہ شخصیت تھے
آقائے نامدار ﷺ کے اخلاق کی پیروی کرتے تھے
بادل فارغ ز دنیائی دنی
در عبادت روز و شب بحق کریم
کمینی دنیا سے ان کا دل فارغ تھا
اللہ تعالیٰ کی قربت اور عبادت میں دن رات گزارتے تھے
گشت مقبول دوعالم بجر آنکہ
داشت نور اسم اعظم در جبیں
دونوں عالم میں اس لئے مقبول ہوگئے
کہ ان کی پیشانی پر اسم اعظم کا نور تھا

1300 ھجری میں آپ کے دوست (داد جانؒ) کا اللہ کا ذکر کرتے

ہوئے وصال ہوا۔ ان کے بارے میں آپؒ لکھتے ہیں:

گفت تاریخ وصالش ہمدم
داد جان در ذکر حق آں شیخ دیں
ان کے دوست نے ان کی تاریخ وصال یہ کہی
دین کے شیخ نے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے جان دی

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کو اپنے برادر خورد محمد بخشؒ سے بہت محبت تھی جن کا شب و روز تلاوت قرآن حکیم کا معمول تھا اور کثرت سے ذکر کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کے اس بھائی کو حسن ظاہر و باطن، دونوں سے نواز رکھا تھا۔ 1300 ھجری میں انہیں درد شکم اور فم معدہ کا مرض لاحق ہوا تو مختصر بیماری کے بعد وصال پایا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے اپنی ڈائری میں ان کے وقت وصال کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ انہوں نے شدید درد کے دوران پانچ سیپاروں کی تلاوت کی اور وقت آخر ذکر پاس انفاس جاری تھا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ اپنے آخری ایام میں اہل خانہ کے ساتھ اکثر اس بھائی کا تذکرہ فرمایا کرتے۔ اپنی ڈائری میں ان کی وفات کے تذکرہ میں آپؒ نے اپنے ماموں کے نو فارسی اشعار تحریر کیے ہیں۔ مندرجہ ذیل آخری شعر کے مصرعہ ثانی سے تاریخ وصال 1300 ھجری نکلتی ہے۔

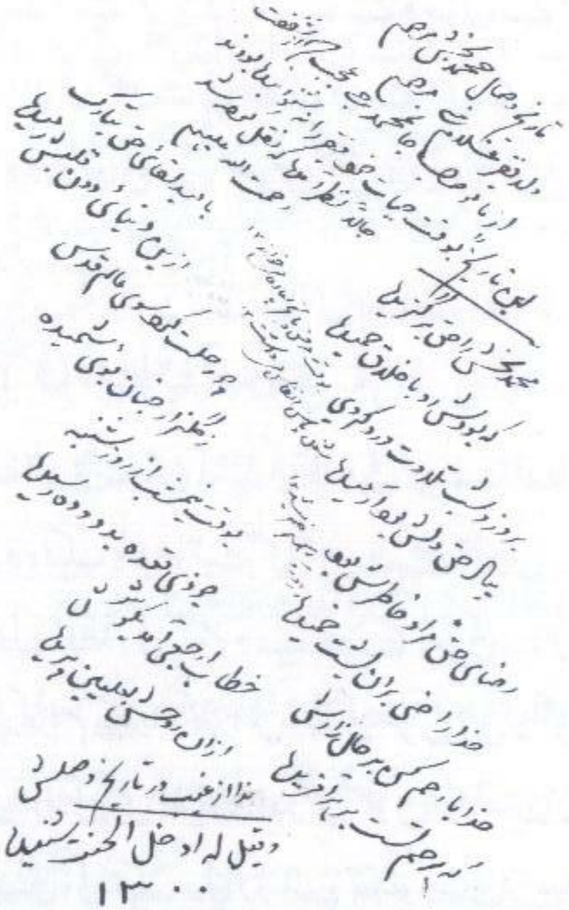
ندا از غیب در تاریخ وصلش
وقیل لہ ادخل الجنت شنید
تاریخ وصال کے بارے میں غیب سے یہ ندا سنائی دی
اُسے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ

ایک اور عزیز کی تاریخ وصال 1304 ھجری آپؒ نے اس دعائیہ

شعر سے اخذ کی:

خدا آسان کنند روز حسابش
بدست راستش بدہت کتابش
خدا ان کا حساب روز قیامت آسان کرے
اور دائیں ہاتھ میں ان کا نامۂ اعمال دے

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی یہ ڈائری جہاں فن خطابت کا بہت عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی رواں تحریر بھی انتہائی خوبصورت ہے اور اس میں غضب کی پختگی نظر آتی ہے۔ بطور نمونہ آپؒ کی ڈائری کا وہ صفحہ ملاحظہ ہو، جس پر آپؒ نے برادرِ خورد محمد بخشؒ کے بارے میں اپنے ماموں کے اشعار لکھے ہیں:



ترجمہ:

محمد بخش کو حق تعالیٰ نے چن لیا کہ اس کی بود و باش اخلاق حمیدہ پہ تھی
وہ شب و روز تلاوت اور ورد کرتا یاد حق سے اس کا دل آرام پاتا تھا
رضائے حق کا حصول اس کی دلی مراد تھی' اللہ اس کی عاجزی قبول کرے
اللہ اس کے حال زار پر رحم فرما کہ تیرا رحم ہر مخلوق کے لئے عام ہے
وصال حق کی امید پر اس کا دل اس دنیائے دوں سے دور بھاگتا تھا
عالم قدس کی طرف رحلت کے وقت اس نے گلزار جنت کی خوشبو سونگھی
ہفتے کے دن بوقت نیم شب ذی قعدہ کی یہ بارہ تاریخ تھی
اس کی طرف ''ارجعی'' کا پیغام آیا تو روح علیین کی طرف پرواز کر گئی
تاریخ وصال کے بارے میں غیب سے ''قیل لہ' ادخل الجنت'' کی ندا سنی گئی

آپؒ نے اپنے عزیز و اقارب کے وصال کے موقع پر اشعار کے ذریعہ جس طرح ان کی شخصیت کی عکاسی کی ہے' اس میں یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے کہ ان سب کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے درجات مزید بلند فرمائے۔ آمین!

خواجہ عبدالرحیمؒ کی روحانی تربیت

ابتدائے طریقت میں آپؒ کی ظاہری نسبت والد ماجد مولوی غلام نبیؒ فقیر اللہؒ سے تھی۔ وہ ایک بلند مرتبت علمی شخصیت تھے جنہوں نے اپنی عمر قال اللہ تعالیٰ و قال الرسول ﷺ کی تعلیم دیتے ہوئے بسر کی۔ اس کے ساتھ ساتھ دفاع حرمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر اہل اللہ کی طرح ان کا بھی خصوصی شعبہ تھا۔ گذشتہ صفحات میں ان کی علمی فضیلت اور قلمی نسخوں اور تصنیفات کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت جیؒ کی ایک ریکارڈ شدہ آڈیو کیسٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ

حضرت مولوی غلام نبیؒ کی نسبت سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے تھی اور مراقبات ثلاثہ تک مقامات تھے۔

حضرت جیؒ نے خواجہ عبدالرحیمؒ کی روحانی تربیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپؒ کے والد چونکہ ذیابیطس کے مریض تھے اور بالعموم دیکھا گیا ہے کہ شیخ کو جو مرض لاحق ہو وہ کثرت توجہ سے سالک پر عود کر آتا ہے' اس لئے پہلے لطیفہ کے بعد خود توجہ دینا چھوڑ دیا اور مزید اسباق کے لئے آپؒ کو ملتان میں ایک دوست صوفی کی خدمت میں روحانی تربیت کے لئے بھیج دیا۔ یہ بزرگ محکمہ پولیس کی پراسیکیوٹنگ برانچ کے افسر اور صاحب بصیرت تھے۔ انہوں نے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کو لطیفۂ قلب دوبارہ کرایا اور سال بھر محنت کے بعد آئندہ سال آنے کی ہدایت کی۔ ایک سال بعد اگلے سبق کے لئے حاضر ہوئے تو مزید ایک سال لگانے کا حکم ملا۔ اس طرح دو سال میں صرف ایک لطیفہ کرایا اور چودہ سال میں سات لطائف مکمل ہوئے۔

دورانِ تربیت خواجہ عبدالرحیمؒ جب ملتان سے پیر کوٹ سدھانہ واپس لوٹتے تو دن علوم ظاہری کے اسباق میں گزرتے اور شب کی تنہائیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں بسر ہوتیں۔ اس طرح چودہ سالہ محنت شاقہ کے بعد لطائف میں پختگی حاصل ہوئی تو والد ماجد نے مراقباتِ ثلاثہ کرائے۔

حضرت مولوی غلام نبی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

کسی سالک کو مراقبات ثلاثہ کرا دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کئی ایسے صاحب کرامت اولیاء کرام جن کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں' مراقبات ثلاثہ تک منازل رکھتے ہیں۔ سلسلہ فیض خواہ کوئی بھی ہو' مراقبات

ثلاثہ کرانے کے لئے خرقہ اجازت ضروری ہے اور جو شخص یہ منازل کرا سکتا ہو' یا جس نے یہ منازل کرائے ہوں' وہ اس سلسلہ میں خرقۂ اجازت کا حامل ہوگا۔ حضرت جیؒ کا یہ ارشاد کہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے مراقبات ثلاثہ اپنے والد ماجد سے حاصل کئے جو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے صاحب نسبت تھے' اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ کے مجاز بھی تھے۔ ایک قلمی نسخہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ تک مولوی غلام نبیؒ کا شجرہ بھی ملتا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے والد ماجد مولوی غلام نبیؒ کا وصال 1316 ہجری میں ہوا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے اپنے والد ماجد کے وصال پر ایک خوبصوت کتبہ تحریر کیا جو انؒ کی شخصیت کا بہترین عکاس ہے۔ اس کتبہ سے آپؒ کے والد ماجد کے بارے میں ایک بلند مرتبہ روحانی شخصیت کا تاثر ملتا ہے۔ کتبہ کے پہلے شعر میں آپؒ نے ان کے لئے مقبول ربانی' محبّ لاثانی' عارف باللہ اور تارک ماسویٰ اللہ' کی اصطلاحات استعمال کی ہیں اور دوسرے شعر میں ان کے لقب 'فقیر اللہ' کا ذکر ہے جو ان کا اسم ثانی بھی ہے اور شان فقیری کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی فقیری حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے حصہ میں بھی آئی اور آپؒ بھی اپنے نام کے ساتھ اکثر فقیر لکھا کرتے تھے۔

مولوی غلام نبیؒ کے سال وصال کے لئے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے چراغ بزم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترکیب استعمال کی ہے جو ان کی شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت عمدہ انتخاب ہے۔ یہ کتبہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے فن کتابت کا بھی آئینہ دار ہے۔ یہاں اس کتبہ کا عکس مع ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ قارئین حسن کتابت بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ وفات مقبول ربانی محب لاثانی عارف باللہ تارک ماسوی اللہ

فقیر اللہ غفر اللہ تعالیٰ واسکنہ فی الملاء الاعلیٰ بحرمت النبیؐ

ولیکنا قال شیخ وشاب وصبی از تحل مولوی غلام نبیؒ

اسم ثانی لہ فقیر اللہ جان نثار محمد عربی

چون رسانید او پیام نبیؐ ز انسبب شد لقب غلام نبیؒ

لیلۃ الجمعہ نہم شعبان گفت لبیک از خدا طلبی

از کمالات علم وفضل وہنر مستفیض اند شرقی وغربی

درس قران درس علم حدیث داد للہ بھر زکی وغبی

خلفش گفت نظم کن تاریخ یادگاری وصال سال ابی

از سر آہ فقیر محزون گفت سال وصلش چراغ بزم نبی ۱۳۱۶

تمت بالخیر

کتبہ فقیر عبدالرحیم

عفی اللہ عنہ

ترجمہ:

بوڑھے جوان اور بچے سبھی پکار اٹھے وائے ہلاکت
مولوی غلام نبی رحلت فرما گئے
وہ جن کا دوسرا نام فقیر اللہ تھا
اور محمد عربی ﷺ کے جانثار تھے
انہوں نے نبی ﷺ کا پیغام لوگوں تک اس طرح پہنچایا
کہ ان کا لقب غلام نبی پڑ گیا
جمعہ کی رات نو شعبان کو
انہوں نے اللہ کے بلاوے پر لبیک کہا
ان کے علم و فضل و ہنر کے کمالات سے
مشرق و مغرب کے لوگ مستفیض ہوئے ہیں
انہوں نے قرآن و علم حدیث کا درس دیا
محض اللہ کی رضا کے لئے ہر ذکی و غبی کو
ان کے بیٹے نے خود سے کہا کہ تاریخ نظم کرو
جو اپنے والد کے سال وصال کی یادگار ہو
غمزدہ فقیر (خواجہ عبدالرحیمؒ) نے آہ بھر کر کہا
ان کا سال وصال ہے ''چراغ بزم نبی''
1 3 1 6

روحانی تربیت بطریق اویسیہ

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ ظاہری تعلیم کی تکمیل کے بعد محکمہ مال میں بھرتی ہوئے اور 1880ء میں ان کا تبادلہ لنگر مخدوم ہوگیا۔ 1884ء کا بندوبست

اراضی شروع ہوا تو اس دوران گاؤں کے مضافات میں جانے کا موقع ملا اور حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ کی قبر پر حاضری نصیب ہوئی۔ مٹی کے ایک چبوترے پر اس وقت یہ کچی قبر تھی جس کے اردگرد زائرین کے لئے جگہ ہموار کر دی گئی تھی۔ مقامی لوگ صاحب قبر سے عقیدت رکھتے تھے اور اکثر دعا کے لئے آجاتے۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کو یہاں ذکر و اذکار میں کیفیات نصیب ہوئیں تو روز کی حاضری معمول بن گیا۔ مسلسل تین سال تک لطائف' مراقبات اور تلاوتِ قرآنِ حکیم کا معمول رہا جس کے بعد حضرت سلطان العارفینؒ سے روحانی رابطہ قائم ہوا۔ مراقباتِ ثلاثہ کے ساتھ ساتھ کچھ انکشافات بھی تھے جن کی بدولت روحانی کلام بھی نصیب ہوتا۔ حضرت جیؒ اس تذکرہ کے بعد اکثر فرمایا کرتے:

''جس کو طلب ہو' سمجھ آ ہی جاتی ہے''

پھر ایسی سمجھ آئی کہ یہیں کے ہو رہے۔ یہ 88-1887 سن عیسوی ہوگا جب حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کو حضرت سلطان العارفینؒ کے ساتھ نسبت اویسیہ نصیب ہوئی۔ سالہا سال کی محنت کے بعد فنا فی الرسول ﷺ تک منازل حاصل ہوئیں۔

محکمۂ مال خواجہ عبدالرحیمؒ کی قابلیت کا معترف تھا اور کئی نامور تحصیلدار اور قانونگو آپؒ کے شاگرد تھے۔ قابلیت کی بنا پر کئی مرتبہ ترقی کے مواقع بھی آئے لیکن آپؒ نے حضرت سلطان العارفینؒ کے قرب کو چھوڑنے کی بجائے افسری کو ٹھکرا دیا اور جب ملازمت ختم ہوئی تو لنگر مخدوم میں ہی مستقل رہائش اختیار کر لی۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے ابتدائی شاگرد

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی روحانی تربیت کا آغاز آپؒ کے والد ماجد حضرت مولوی غلام نبی فقیر اللہؒ کے ذریعہ اوائل عمر یعنی 15-10 سال کی عمر میں ہوا تھا جو غالباً 1870-1865ء کا زمانہ ہوگا۔ 1887ء میں آپؒ کو حضرت سلطان العارفین خواجہ اللہ دین مدنیؒ سے رابطہ کے بعد نسبت اویسیہ نصیب ہوئی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد 1891ء میں والد ماجد کا وصال ہوگیا۔ اس طرح سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپؒ کے حصول فیض کا دور تقریباً 20 سال پر محیط ہے۔ ان بیس سالوں میں 14 سال تو لطائف پر محنت کی تب کہیں ساتوں لطائف کی تکمیل ہوئی۔ اسی نسبت سے مراقبات ثلاثہ کا خیال کریں تو ان پر بھی کافی وقت لگا ہوگا☆۔ اس بیس سالہ دور میں آپؒ کی تربیت مجددیہ سلسلہ طریقت میں ہوئی لیکن اویسیہ نسبت حاصل ہونے کے بعد پھر کوئی احتیاج نہ رہی۔ 1887ء سے لے کر آپؒ کے وصال تک نسبت اویسیہ کا دور ہے جس کے آخری حصہ میں آپؒ کے چند شاگردوں کا ذکر ملتا ہے۔

ان میں سے ایک لالیاں کے تحصیلدار وزیر علیؒ تھے جو مسلسل ایک سال تک زیر تربیت رہے۔ اس کے بعد ان کا عمر بھر معمول رہا کہ پندرہ یوم کے بعد

☆ احباب اس پر حیران نہ ہوں کہ اب تو لطائف اور مراقبات دنوں کی بات ہے بلکہ شیخ مدظلہ العالی کے ساتھ بشرط انابت پہلی ہی صحبت میں روح مراقبات ثلاثہ طے کر لیتی ہے۔ یہ کسی شخص کا ذاتی کمال نہیں بلکہ شیخ کی قوت اور تصرف کا نتیجہ اور نسبت اویسیہ کا کمال ہے۔ کوئی پون صدی قبل جب یہ دولت تقسیم کرنے والے لوگ کہیں کہیں موجود تھے' ان کے زیر تربیت رہ کر ایک سال میں ایک لطیفہ نصیب ہوتا۔ سلسلہ عالیہ میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ (لیٹی والے) اور شیخ محمد صدیقؒ (لاہور والے) اس کی مثال ہیں جنہیں نسبت اویسیہ حاصل ہونے سے قبل ایک لطیفہ پر سالہا سال لگانے پڑے۔

حاضر خدمت ہوا کرتے۔

کوٹ میانہ کے مخدوم صدر الدینؒ بھی حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگرد تھے۔ 1938ء میں مخدوم صاحب کے عزیزوں پر قتل کا جھوٹا مقدمہ بنا۔ انگریز سیشن جج کے سامنے پیشی ہوئی تو خواجہ عبدالرحیمؒ کچہری کے ایک گوشہ میں مصلیٰ ڈالے دعا گو تھے۔ مقدمہ کا بنیادی گواہ پیش ہوا لیکن ناگہاں عدالت میں گر پڑا۔ ہوش آیا تو اول فول بکنے لگا جس سے اس کے بیان کی عدالت میں ہی تردید ہوگئی اور اس طرح یہ جھوٹا مقدمہ خارج ہوا۔ مقدمات دیہی زندگی کا لازمہ ہوتے ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ بھلا دئے جاتے ہیں لیکن 1938ء کا یہ مقدمہ مخدوم خاندان میں آج بھی حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی کرامت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ پر تنگدستی کا زمانہ آیا تو مخدوم صدر الدینؒ کو ان کی کفالت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کی ایک صاحبزادی کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں شامل تھیں اور اپنے والد کے ہمراہ ذکر میں شریک ہوا کرتیں۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی محافل ذکر کی انہوں نے یہ کیفیت بیان کی کہ جب آپؒ ذکر کے دوران بے ساختہ ''اللہ'' پکارتے تو اس کے ساتھ ہی آپؒ پر رقت طاری ہو جاتی۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں ضلع سرگودھا کے ایک زمیندار مولوی محمد اکبر بھی تھے۔ حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کے تحصیل علم کے ابتدائی دور میں' جب وہ سرگودھا تشریف لائے تھے' مولوی محمد اکبر ان کے ہم مکتب تھے۔ حصول تعلیم کے بعد بھی ان کا حضرت جیؒ سے رابطہ رہا۔ حضرت

جیؒ نے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں سے ان کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے جس سے اس زمانہ کی تعیین کی جاسکتی ہے جب حضرت جیؒ کا حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ سے رابطہ ہوا۔

حضرت جیؒ اس ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران لام بندی ہوئی تو مولوی محمد اکبر فوج میں بھرتی ہوگئے لیکن مقررہ تاریخ پر فوجی تربیت کے لئے حاضر نہ ہوئے۔ ضابطے کے مطابق وارنٹ جاری ہوگئے تو گرفتاری سے بچنے کے لئے خانیوال چک 13 کا رخ کیا تاکہ حضرت جیؒ کے ہاں روپوش رہ سکیں۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ اہلیہ کی وفات کے باعث بچوں کو لے کر والدہ ماجدہ کے پاس چکڑالہ منتقل ہو چکے ہیں۔ مولوی محمد اکبر نے اب چکڑالہ کا رخ کیا۔ دوران تعزیت حضرت جیؒ کو بتایا کہ وہ ان کی اہلیہ کی قبر پر بھی گئے تھے اور وہاں مشاہدہ ہوا کہ فرشتے انہیں اٹھائیسواں پارہ پڑھا رہے ہیں۔

یہ انکشاف حضرت جیؒ کے لئے باعث حیرت تھا کہ شادی کے بعد انہوں نے اہلیہ کو قرآن پڑھانا شروع کیا تھا اور وصال سے قبل ان کا سبق اٹھائیسویں پارے میں تھا۔ اس واقعہ کا تفصیلی ذکر حضرت جیؒ کی ایک ریکارڈ شدہ آڈیو کیسٹ میں ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''جو آدمی قرآن پڑھتے ہوئے فوت ہوگیا' مثلاً پندرھویں
یا سولھویں پارے کے دوران فوت ہوگیا اور نجات ہوگئی تو
فرشتے پورا کرادیں گے' نجات شرط ہے۔ وہی سبق پڑھتے
رہتے ہیں۔''

حضرت جیؒ نے مولوی محمد اکبر کی چکڑالہ میں آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے چار عالمی واقعات کا ذکر فرمایا:

''دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کا فرانس پر حملہ' میزولائن
اُڑائی' برطانیہ فرانس کی مدد کے لئے آیا اور ہندوستان میں
عام لام بندی کے ذریعہ لاکھوں فوجیوں کی روانگی۔''

میزولائن عبور کرنے اور فرانس پر جرمنی کا حملہ وسط 1941ء کے واقعات ہیں جبکہ ہندوستان سے فوجیوں کی وسیع پیمانے پر نقل وحرکت اکتوبر 1941ء سے شروع ہوکر مارچ 1942ء تک مکمل ہوئی۔ اس طرح حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگرد مولوی محمد اکبر کی حضرت جیؒ کے ہاں چکڑالہ میں آمد اوائل 1942ء کا واقعہ ہوگا۔ حضرت جیؒ نے اپنے اس وقت کے خیالات کے بارے میں فرمایا:

''میں اس وقت تک حضرت صاحب کے حلقے میں نہ آیا تھا'
پرانی بات ہے۔ میں تو ان باتوں کو نہیں جانتا تھا' کشف قبور
ہوتا ہے یا اس طرح کی کوئی بات ہوتی ہے۔ بس' اس کے بعد
میرے خیالات بدل گئے' یہ چیز حاصل کرنی چاہیے۔''

اس وقت مولوی محمد اکبر نے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ یا روحانی سلسلہ تربیت کے متعلق کوئی تذکرہ نہ کیا ہوگا وگرنہ حضرت جیؒ کی اس گفتگو میں اس بارے میں بھی کوئی ذکر ہوتا۔ حضرت جیؒ کا خواجہ عبدالرحیمؒ سے رابطہ 1942ء کے وسط میں ہوا۔

حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ کی لنگر مخدوم آمد

یہ 1942ء کے موسم گرما کی ایک دوپہر تھی۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی عمر قریباً 87 سال تھی۔ آپؒ لنگر مخدوم میں ریٹائرمنٹ کی زندگی عسرت کے

عالم میں گزار رہے تھے۔ دیہاتی ماحول کے مطابق آپؒ اس وقت گرم دوپہر گزارنے کے لئے لنگر مخدوم کے چوپال میں سایہ تلے لیٹے ہوئے تھے۔

مجدد طریقت حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کا یہ جوانی کا دور تھا۔ گمشدہ بیلوں کی تلاش میں لنگر مخدوم آئے تو وہ بھی دوپہر گزارنے کے لئے چوپال میں آ گئے۔ اس وقت گاؤں کے لوگ یہاں ایک نازک دینی مسئلے پر طبع آزمائی کر رہے تھے کہ مرنے کے بعد زندگی کی صورت کیا ہوگی اور کیا مردے دنیا والوں کی بات سن سکتے ہیں؟ حضرت جیؒ اس وقت تک سماع موتیٰ کے قائل نہ تھے اور یہ موضوع ان کے لئے خاصا دلچسپ تھا چنانچہ وہ بھی گفتگو میں شریک ہو گئے۔ وہ بحث جواب تک گاؤں والوں کی ذہنی سطح کے مطابق سنی سنائی باتوں کے زور پر چل رہی تھی، حضرت جیؒ کی شمولیت کے بعد عالمانہ گفتگو میں تبدیل ہو گئی۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ اب تک اہل دیہہ کی اس بحث سے لاتعلق تھے لیکن جب دیکھا کہ ایک نووارد جوان سماع موتیٰ کے خلاف علمی دلائل اور زور بیان کے ذریعہ اپنے حق میں محفل سمیٹ رہا ہے تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔

گاؤں میں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کا فرمان قول فیصل ہوتا لیکن آپؒ اکثر خاموش رہتے اور صرف اس وقت مداخلت فرماتے جب کوئی اہم بات ہو۔ حضرت جیؒ نے جب تمام محفل کو حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی طرف متوجہ دیکھا تو خاموش ہو گئے کہ دیکھیں یہ بزرگ کیا کہتے ہیں۔ سرخ و سپید نورانی چہرہ اور گھنی لمبی داڑھی دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ بزرگ جن کا پوری محفل پر اس قدر دبدبہ ہے، کوئی عام شخصیت نہیں۔ خواجہ عبدالرحیمؒ فرمانے لگے:

''آپ کہتے ہیں مردے سنتے نہیں، میں آپ کو کیسے سمجھاؤں

کہ مجھ سے تو وہ باتیں کرتے ہیں۔''

ظاہر ہے روئے سخن حضرت جیؒ کی طرف تھا جو سماع موتیٰ کے خلاف بڑی گرم جوشی سے بحث کر رہے تھے۔ حضرت جیؒ نے حیرانی سے پوچھا:

''کیا فرمایا' آپ سے باتیں کرتے ہیں۔''

جواب دیا:

''ہاں بیٹا' مجھ سے تو باتیں کرتے ہیں۔''

حضرت جیؒ مطالبہ کر بیٹھے:

''کیا آپ ہمیں بھی ان کی باتیں سنوا سکتے ہیں۔''

خواجہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا:

کیوں نہیں!

حضرت جیؒ کو ساتھ لیا اور آبادی سے دور درختوں کے سائے میں مٹی کے ٹیلے پر ایک کچی قبر کے سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت جیؒ کا یہ مطالبہ اہل برزخ سے خود کلام کرنے کی مخلصانہ خواہش تھی یا خواجہ عبدالرحیمؒ کے دعویٰ کی عملی دلیل طلب کی گئی تھی۔ بقول حضرت جیؒ: ''کھچ مارنے گئے'' یعنی شغلاً محض پرکھنے کے لئے حضرت سلطان العارفین کے مزار پر گئے تھے کہ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے فرمایا:

''حضرت (صاحب قبر) پوچھتے ہیں' مولوی صاحب امتحاناً آئے ہیں یا ارادتاً؟''

یہ سوال دل میں ایسا پیوست ہوا کہ دل کی حالت بدل گئی۔ شک یقین میں تبدیل ہو گیا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگرد مولوی محمد اکبرؒ نے حضرت جیؒ کی مرحومہ اہلیہ کی حیات برزخیہ کا نقشہ کھینچا تھا اور حضرت جیؒ نے اس بارے

میں فرمایا تھا: ''یہ چیز تو حاصل کرنی چاہیے۔'' آج اس کے حصول کا موقع آ گیا تو بلا تامل عرض کیا:

''ارادتاً حاضر ہوا ہوں۔''

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے جواباً حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ کا پیغام دیا:

''مولوی صاحب کوئی نئی زبان سیکھنے کے لئے ایک وقت چاہیے اور دوسرے محنت کی ضرورت ہے۔ یہ حال تو دنیا کی زبانوں کا ہے اور وہ زبان جو آپ سیکھنا چاہتے ہیں' وہ برزخ کی زبان ہے' وہ جہاں اور ہے۔ وہاں کی زبان لفظی نہیں' نفسی ہے۔ کیا آپ اس کے لئے وقت دے سکتے ہیں اور محنت کا دم خم ہے؟''

حضرت جیؒ تعلیم ظاہری میں اب تک زندگی کی دو دہائیاں لگا چکے تھے اور ایک طویل عرصہ مسافرت میں گزارا تھا' اب باطنی تعلیم کے حصول کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے ضعف پیری کے باوجود حضرت جیؒ کا پورا ساتھ دیا اور یہ رفاقت 14 سال کے طویل عرصہ پر محیط تھی۔ ابتدائی تین سالوں میں حضرت جیؒ کو سال میں صرف ایک مرتبہ لنگر مخدوم سے اپنے گھر جانے کی اجازت تھی۔ بعد میں سال میں ایک ماہ کے لئے لنگر مخدوم ضرور آتے۔ جب تک حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی صحت نے اجازت دی' آپؒ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر صبح شام حضرت جیؒ کے ساتھ ذکر میں شامل ہوتے۔ عمر کے آخری حصہ میں صحت جواب دے گئی تو حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر جانا مشکل ہو گیا۔

حضرت جیؒ خواجہ عبدالرحیمؒ کے ساتھ لنگر مخدوم میں بھی ذکر کرتے لیکن

حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر الگ طویل معمول کرتے۔ حضرت جیؒ کے اس دور کے طویل مجاہدوں کا تذکرہ حیات طیبہ حصہ اول میں تفصیلاً موجود ہے۔

ایک مرتبہ نوشہرہ کا ایک عالم حضرت جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا:

''کیا روح یا قبر سے بغیر زندہ شیخ کے فیض ممکن ہے؟''

حضرت جیؒ نے فرمایا' نہیں۔

''پھر آپ نے کیسے حاصل کیا؟''

حضرت جیؒ نے فرمایا:

''آپ سے غلط کہا گیا ہے کہ مجھے بلاواسطہ قبر سے فیض حاصل ہوا ہے بلکہ میرے شیخ بھی ایک زندہ بزرگ (خواجہ عبدالرحیمؒ) تھے جنہوں نے مجھے رابطہ کرا دیا۔ ارواح سے تعلق ہوا اور وہی میرے کسب فیوض کا سبب ہے۔''

برزخ میں روح سے فیض حاصل کرنے کے بارے میں حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے محبوب شیخ (حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ) کی روح سے فیض حاصل کیا۔ میرے اور شیخ مکرم کے درمیان کوئی چار سو سال کا فاصلہ ہے۔ میں نے اویسی طریقے سے شیخ کی روح سے فیض حاصل کیا' اویسی وہ ہوتا ہے جس نے کسی ولی اللہ کی روح سے فیض حاصل کیا ہو۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ اویسی طریقے سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اس سلسلہ والے حضور ﷺ کی روح پُر فتوح سے فیض حاصل کرتے ہیں۔''

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ وہ ہستی تھے جنہوں نے اس عالم آب وگل اور عالم برزخ کے درمیاں ہزاروں حجابات کو اپنی توجہ سے چاک کرتے ہوئے حضرت جیؒ کا حضرت سلطان العارفینؒ سے رابطہ کرایا اور ان سے اجرائے فیض کا آغاز ہوا۔ اس رابطے کے بعد حضرت جیؒ کو براہ راست حضرت سلطان العارفینؒ کی توجہ ملنے لگی۔ حصول فیض کے متعلق حضرت جیؒ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے شیخ مکرم (حضرت خواجہ اللہ دین مدنیؒ) کی
روح سے فیض حاصل کیا۔''

ابتداء ہی سے حضرت جیؒ کی تربیت حضرت سلطان العارفینؒ خواجہ اللہ دین مدنیؒ کے ہاتھ میں تھی۔ خواجہ عبدالرحیمؒ صاحب بصیرت ہوتے ہوئے اس بات سے آگاہ تھے کہ حضرت جیؒ کو براہ راست مشائخ سے توجہ مل رہی ہے لیکن لطائف کی تبدیلی اور مقامات کی نشاندہی آپؒ کے ذمہ تھی۔ آپؒ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ حضرت جیؒ حضرت سلطان العارفینؒ کی وہ مراد ہیں جس کا انہیں انتظار تھا۔ حضرت جیؒ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شروع کے دنوں میں ایسا بھی ہوا کہ ان کے ساتھ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ نے کسی پرانے ساتھی کو ذکر کے لئے بٹھادیا کہ وہ لطائف تبدیل کرتا رہے تو وہ بھی حضرت جیؒ کے بائیں طرف بیٹھتا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت جیؒ کو اس کی بھی ضرورت نہ رہی لیکن انہوں نے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے پاس ادب کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر سلوک طے کرنے کے لئے حضرت جیؒ سالہا سال لنگر مخدوم آتے رہے لیکن خواجہ عبدالرحیمؒ کے احترام میں آپؒ کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا لازم جانتے۔ حضرت جیؒ خواجہ عبدالرحیمؒ کو ''استاد'' کہا کرتے تھے۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر ذکر کے دوران حضرت جیؒ کو براہ راست

صاحب مزار کی توجہ حاصل ہوتی۔ حضرت جیؒ کا قول ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کے علاوہ کسی اور نے آپؒ کو توجہ دی ہی نہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں سے تحصیلدار وزیر علیؒ بہت پرانے شاگرد تھے۔ ابتدائی دور میں حضرت جیؒ کبھی کبھار ان کے ہاں لالیاں بھی تشریف لے جاتے تاکہ اجتماعی ذکر کرسکیں۔ پرانے شاگردوں میں سے مولوی محمد اکبرؒ نے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے وصال کے بعد حضرت جیؒ سے عمر بھر تعلق رکھا۔ آخری عمر میں سندھ منتقل ہو گئے تھے لیکن حضرت جیؒ کی خدمت میں سال میں ایک مرتبہ ضرور حاضر ہوا کرتے۔ حضرت جیؒ پرانے تعلق کی بنا پر ان سے انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے اور اپنے برابر چارپائی پر بیٹھنے کے لئے اصرار فرمایا کرتے۔

1978ء میں منارہ کے سالانہ اجتماع میں مولوی محمد اکبرؒ بھی حضرت جیؒ سے ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ایک صبح بہت جوش کے عالم میں حضرت جیؒ کے شاگردوں کی کیفیت کچھ ان الفاظ میں بیان کررہے تھے:

''یہ لوگ بھی عجیب ہیں۔ نصف شب کو اٹھتا ہوں تو انہیں فرشِ
خاک پر استراحت کرتے ہوئے اس حال میں پاتا ہوں کہ
پاؤں تک سے نور کی شعائیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں۔''

یہ کیفیت سلطان الاذکار کی ہوگی جس میں پورا بدن جب اللہ' اللہ کر رہا ہوتا ہے تو گوشت پوست اور بال بال سے انوارات پھوٹنے لگتے ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے شاگردوں میں کوٹ میانہ کا خطیب منظور حسین شاہ بھی تھا۔ یہ شخص بہت تیز صاحب کشف تھا۔ کھلی آنکھوں اسرار و رموز کا مشاہدہ کرتا۔ خود پر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی تھیں اور دوسروں سے بھی

توقع رکھتا کہ وہ راہ سلوک پر چلنے کیلئے نارمل زندگی کی بجائے خود کو مشقتوں کا عادی بنائیں۔ ایک مرتبہ حضرت جیؒ نے اس کے پاس ایک شخص کو تربیت کے لئے بھیجا تو اسے دوسرے ہی روز اس عذر پر چلتا کیا کہ وہ ایک وضو سے پورا دن نہیں گزار سکتا تھا۔

حضرت جیؒ کی آمد سے پہلے یہ شخص اپنے علم' کشف اور زُہدِ خشک کی بنا پر خاص مقام رکھتا تھا۔ حضرت جیؒ کی تشریف آوری کے بعد یہ معاملہ نہ رہا تو حسد کا شکار ہوا۔ حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے وصال کے بعد اپنے خود ساختہ زُہد کے بھرم میں حضرت جیؒ سے لاتعلقی اختیار کی اور پھر شیخ سے لاتعلق کیا ہوا' کچھ عرصہ بعد ذکر چھوڑ بیٹھا۔ نماز روزہ چُھوٹا' حتیٰ کہ ایمان سے بھی گیا۔ داڑھی' مونچھ' سر اور بھنویں منڈوا ڈالیں اور مرتے ہوئے وصیت کر گیا کہ اسے دفن نہ کیا جائے بلکہ جلا ڈالا جائے۔ جلایا تو نہ گیا لیکن جہاں اس کی موت واقع ہوئی' اسی کمرہ میں مع ساز موسیقی بند کر دیا گیا۔

منظور حسین شاہ کی داستانِ عبرت آج بھی لنگر مخدوم اور گردونواح کے علاقہ میں بزرگوں کی زبانی سنی جا سکتی ہے۔ شیخ پر تنقید اور ترکِ تصوف سے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ راہ سلوک کا مسافر ہواؤں کے دوش پر اڑنے والا سوار ہے جس کا حادثے کی صورت میں بچنا محال ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○

عبرت پکڑو اے بصیرت والو۔ (الحشر۔2)

فقہی مسلک

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی شخصیت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ مسلک کے اعتبار سے اعتدال پسند اہلِ حدیث تھے۔ جہاں اعتدال ہو گا

وہاں مسلک کی پابندیوں سے قطع نظر وسعتِ ظرف اور حق شناسی کی استعداد بھی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اہلِ حدیث ہوتے ہوئے حضرت جیؒ جیسے جید عالم کو' جو اس وقت سماع موتیٰ کے قائل نہ تھے' دلائل سے نہیں بلکہ عملی ثبوت کے ذریعے قائل کیا۔ حضرت جیؒ نے اس کے بعد سماعِ موتیٰ کے موضوع پر جب کبھی گفتگو فرمائی' دلائل کے بعد حرفِ آخر ہمیشہ یہ ہوتا:

''سماع موتیٰ کے حق میں یوں تو بے شمار وزنی دلائل ہیں
لیکن جب میں خود اہلِ برزخ سے کلام کرتا ہوں تو اس کے
بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

حضرت جیؒ کی صحبت میں بھی ہر مسلک کے لوگ آتے لیکن دل کی آنکھ روشن ہوتے ہی یہ حقیقت آشکار ہو جاتی کہ وہ عقائد جنہیں مختلف مسالک مختلف صورت میں بیان کرتے ہیں اور پھر لوگ لفظوں کے فرق میں الجھ کر فرقوں میں بٹ جاتے ہیں' حقیقت کے اعتبار سے ایک ہیں۔

وصال

آخری چار سالوں میں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی بینائی جواب دے گئی تھی۔ طویل علالت کے بعد 30 جنوری 1957ء بروز منگل لنگر مخدوم میں رحلت فرمائی اور حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے ساتھ صحن مسجد میں دفن ہوئے۔ آپؒ کے دو صاحبزادے تھے جن کا کم سنی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ دو بیٹیاں تھیں جن کی اولاد اس وقت لنگر مخدوم میں رہائش پذیر ہے۔

آپؒ کے مزاج میں بلا کی انکساری تھی۔ ہاشمی سید اور حضرت حسن بن سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہونے کے باوجود اپنے نام کے ساتھ سید لکھتے نہ مولانا کہلاتے۔ اپنا نام اکثر ''فقیر عبدالرحیم'' لکھتے جو آپؒ کے

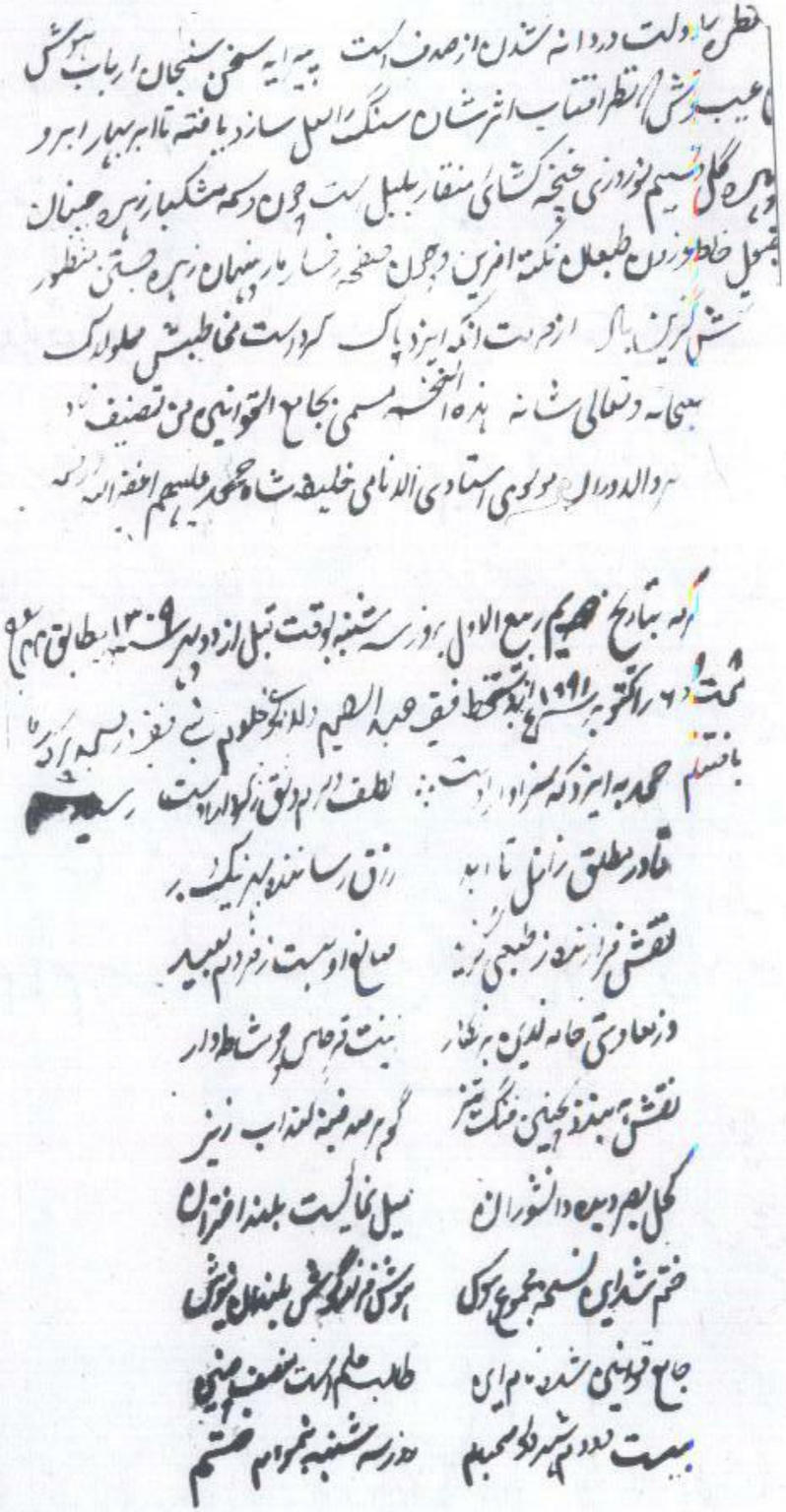
قلمی نسخوں اور مختلف کتبوں کے آخر میں نظر آتا ہے۔ خط و کتابت کے آخر میں اپنا نام 'بندۂ اثیم عبدالرحیم' بھی تحریر فرماتے۔ آپؒ کے خاندان میں بھی کئی بزرگوں کے نام کے ساتھ خواجہ کا لقب آتا ہے جیسے خواجہ رکن الدین' خواجہ قطب الدین وغیرہ لیکن آپؒ نے ''فقیر'' کہلانا پسند فرمایا۔

حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کا حلیہ مبارک سرخ و سپید چہرہ' گھنی و لمبی داڑھی' درمیانہ قد' جوانی میں خاصے جسیم تھے لیکن آخری دور میں بدن دبلا ہو گیا تھا' بید کی چھڑی استعمال فرماتے جس کا دستہ نصف چاند کی شکل میں خم کھائے ہوئے تھا۔ ذکر و فکر کے لئے بیٹھتے تو چادر اوڑھ لیا کرتے۔

اس وقت حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کے پہلو میں کھلے آسمان تلے حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی سادہ قبر جہاں اس مردِ درویش کی زندگی کی تصویر نظر آتی ہے' اس کے ساتھ ساتھ یہ سبق بھی دے رہی ہے کہ شیخ سے تعلق ہو تو ایسا کہ موت بھی درمیان میں حائل نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جب شیخ کی خدمت میں پہنچا دیا تو اس کے بعد دوری گوارا نہ ہوئی۔ خاندان چھوڑا' وطن سے ہجرت کی' محکمانہ ترقی قبول نہ کی اور شیخ کے قرب میں زندگی کے 72 سال گزار دیئے۔ اس تعلق کو نبھانے کا صلہ یہ ملا کہ شیخ کے پہلو میں دفن ہوئے لیکن ذرا قدموں کی جانب تاکہ قرینۂ ادب بھی ملحوظ رہے۔

یہاں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کے قلمی نسخے 'جامع قوانین' اور 'لیلیٰ مجنوں' (فارسی کلام مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ) کے آخری صفحات کے عکس پیش کئے جا رہے ہیں جن پر سن تحریر 1309 ہجری بمطابق 1891ء اور یکم محرم 1312 ہجری ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ قلمی نسخہ 'جامع قوانین' بری طرح دیمک کی نذر ہو چکا ہے اور کچھ یہی حالت دیگر ملفوظات کی بھی ہے۔

اس باب کے آخر میں حضرت خواجہ عبدالرحیمؒ کی خطاطی کا ایک اور عکس بھی ملاحظہ ہو جو آپؒ نے حبیب کبریا ﷺ کی محبت میں ڈوب کر لکھا۔



شد عرض ز طبع فکرت اندیش — در طول چهارمه کم و بیش
در هر دو سه ساعتی بهر روز — شد طبع برین مراد فیروز
گر ساعتها فراهم آیند — هر یک دو سه هفته کی فزایند
هر چند که قدر این تهی دست — زین نظم شکسته بسته بشکست
زد حقه چرخ درج در باد — زاوازه او ز نامه بر باد
پاکان بنیاز صبح گاهان — امرز شبم از خدای خواهان

الحمد لله رب العلمین که کتاب نادر لیلی مجنون مصنفه مولوی
عبد الرحمن جامی از دست فقیر عبد الرحیم بتاریخ یکم محرم سنه ۹۱۳
اختتام رسید الحمد رب العلمین واللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد
وبارک وسلم للف الف
اللهم اغفر وارحم
آمین
۱۲



حیاتِ طیّبہ

حصہ اوّل

مجددِ طریقت قلزمِ فیوض بحرالعلوم حاملِ قربِ عبدیت

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

صفدرہ پبلک لائبریری
0333-5602157
اسلام پورہ جبر

OUR CONTACTS:

www.oursheikh.com www.owaisiah.com

EMAIL: ameer@lhr.comsats.net.PK
darulirfan@gmail.com

Tel: 0543-562200,

حضرت العلّام

مولانا اللہ یار خان

رحمۃ اللہ علیہ

کی تصنیف

دلائل السلوک

سے اقتباس

تصوف کیا ہے؟

لغت کے اعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صَوف ہو اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے' اس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضائے الٰہی ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعے' نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔

تصوف کیا نہیں ہے؟

تصوّف کے لئے نہ کشف وکرامات شرط ہے' نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوّف ہے' نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے' نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوّف ہے' نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوّف ہے' نہ قبروں پر سجدہ کرنے' نہ ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوّف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوّف ہے' نہ اولیا اللہ کو غیبی ندا کرنا' مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوّف ہے' نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدونِ اتباعِ سنّت حاصل ہو جائے گی' نہ اس میں کشف والہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد وتواجد اور رقص وسرور کا نام تصوّف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوّف کا لازمہ بلکہ عین تصوّف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوّفِ اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوّف کی عین ضد ہیں۔